اصلاح



نمبر — ماہ شوال سنہ ۱۳۵۶ھ — جلد ۲۱

مدیر

جناب السید مولانا علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ قسم اول
[illegible] روپیہ مع محصول ڈاک

A.H.

مکرر پرچے نہیں جا سکتا

تحقیق کرنے سے پتا چلا کہ ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر جب ان سے کتاب کے اوراق نکال کر جلد بندھوانے کا ارادہ کرتے ہیں اور کوئی نمبر غائب پاتے ہیں تو دفتر اصلاح میں شکایت کرتے ہیں کہ اتنے نمبر نہیں ملے مکرر فوراً بھیج دیجئے۔ ان کل حضرات سے التماس ہے کہ جس وقت رسالہ پہونچا کرے پڑھکر اگر صندوق یا الماری میں مقفل کرکے بند کر دیا کریں اور آخر سال میں سب کو جمع کرکے جلد بندھوا لیا کریں تو کوئی نمبر ضائع نہ ہو۔ ہاں ایک نمبر کے پہونچنے پر اگر ہمیں معلوم ہوگا کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو وہ مکرر روانہ کر دیا جائیگا مگر دو تین نمبروں کے بعد قبل کا نمبر طلب کیا جائیگا تو نہیں جا سکتا مثلاً نمبر ۵ پہونچنے پر اگر آپ نے لکھا کہ نمبر ۴ نہیں ملا تھا تو مکرر بھیج دیا جائیگا۔ لیکن اگر نمبر ۳ یا نمبر ۲ طلب کیجئیگا تو وہ نہیں جا سکتا بلکہ اس کے لئے فی نمبر ۸ قیمت آپ کو بھیجنی پڑیگی۔ پس آپ حضرات اپنے پرچوں کی پوری حفاظت کریں۔ دیکھنے کے بعد فوراً بند کر دیں تو آپکو مکرر طلب کرنے کی ضرورت پیش آئے اور نہ دفتر کی زحمتیں بڑھیں۔

جو لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل جاتے ہیں

وہ فوراً دفتر اصلاح میں بھی اپنے جدید پتے کی اطلاع دیدیا کریں ورنہ ان کا رسالہ اصلاح سابق پتے پر جاتا رہیگا اور پھر دفتر سے مکرر نہیں بھیجا جاسکیگا۔

سنہ ۱۳۵۶ ہجری کا چندہ اصلاح

سنہ ۱۳۵۵ ہجری اور سنہ ۱۳۵۶ ہجری کا چندہ اصلاح جن حضرات نے اب تک نہیں بھیجا وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ کرکے شکرگزار کریں ورنہ آئندہ نمبر ضرور وی پی روانہ کیا جائیگا جس میں آپ کا ۳؍ فضول خرچ ہو جائیگا بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا خط لکھکر چندہ کیوں نہیں طلب کیا ان سب کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھا کریں اور نہ اتنا مال ہے کہ ہر شخص کو دو دو پوسٹ کارڈ بھیجا جایا کرے پس اس اطلاع کو آپ حضرات کارڈ خیال کرکے فوراً اپنا اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمادیں کہ وی پی بھیجنا ہمارے لئے بھی بڑی مصیبت ہے۔

انصار اصلاح

اس سال جدید خریدار بہت کم آرہے ہیں جسکی وجہ سے مصارف کا پورا کرنا نہایت دشوار ہو رہا ہے۔ کل ہمدردان دین وملت ہمدردان اصلاح کو دو دو جدید خریدار عنایت فرما کر شکرگزار کریں۔ اس طرف کاغذ بھی بہت گراں ہوتا جاتا ہے بعض دوسرے اخبار اپنا چندہ بڑھا رہے ہیں مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ آپ حضرات رسالہ کی اشاعت بڑھادیں کہ گرانیٔ قیمت کاغذ کا مقابلہ ہو سکے

کجھوا

انگریزی میں ڈاک خانہ کجھوا اس طرح لکھا جائے

P.O. KUJHWA
(BIHAR CIRCLE)

فہرست مضامین رسالہ اصلاح ماہ شوال ۱۳۵۶ ہجری

اجنٹ اصلاح کئی صاحب اپنے کو اجنٹ اصلاح ظاہر کر کے مختلف مقامات پر پہونچتے اور لوگوں سے مختلف ناموں پر چندہ وصول کرتے ہیں۔ مگر کسی کو ایک پیسہ بھی نہ دیا جائے۔ نہ اُن سے کوئی کتاب یا رسالہ خریدا جائے۔ سید غلام عباس صاحب ساکن چھپرا کو سال گزشتہ رسید بھی اور کتابیں دی گئی تھیں مگر انھوں نے دفتر کو سخت نقصان پہونچایا۔ مومنین ان کو کچھ نہ دیں بلکہ جہاں ہوں وہاں کے مومنین فوراً دفتر اصلاح کو خبر دیں کہ اُن کے ساتھ قانونی کارروائی کی جائے۔

انصار اصلاح حسب ذیل ہمدردان اصلاح نے اسکے جدید خریدار مہیا کر کے اسکی بڑی مدد کی۔ خدا سب کو جزائے خیر دے اور دوسرے حضرات کو بھی جلد اسکی طرف متوجہ کرے (۴۱) جناب مولوی سید ریاست حسین صاحب جعفری سیتاپور ۱ (۴۲) جناب منشی سید الطاف حسین صاحب منشی فاضل چکرالہ ۱ (۴۳) جناب مظفر علی خان صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع گورکھپور ۱ (۴۴) جناب سید ناصر حسین صاحب بلگرامی ڈرافٹمین بھوساول ۱ (۴۵) جناب فضل علی صاحب نائب مدرس مراد آباد ۱ (۴۶) جناب سید محمد شفیع صاحب زیدی ٹاؤن کلرک جلالآباد ۳ (۴۷) جناب منشی احمد جان صاحب ٹھیکہ دار اٹرمڑ ۱ (۴۸) جناب سید مرتضیٰ شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پنشنر لاہور ۱ (۴۹) جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب امروہوی سرپرست انجمن امامیہ جبلپور ۳ (۵۰) جناب سید کاظم حسین صاحب اورسیر بازپور ۱ (۵۱) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب مولوی فاضل و صدر الافاضل حیدرآباد دکن ۱ (۵۲) جناب خان بہادر سید میر حسین شاہ صاحب سابق وزیر جموں ۳ (۵۳) جناب مولوی سید اکبر علی صاحب موسوی پروفیسر قانون حیدرآباد ۴ (۵۴) جناب ظلِ خلق الحسن صاحب سورت ۱ (باقی آئندہ)

پھر وہی علالت کا زمانہ

خدا کے فضل و کرم سے گزشتہ چند مہینہ ہماری صحت بہت اچھی رہی ماہ صیام کے کل روزے بھی ہم نے رکھے۔ عید بھی کی۔ مگر شوال میں ایک ضرورت سے باہر جانا پڑا اور وہاں سے واپس آکر پھر شدید علالت میں مبتلا ہوئے۔ خارش بھی ہوئی جو اب تک پریشان کن ہے۔ تپ بھی ہوئی بغل میں گلٹی بھی نکلی۔ غرض مختلف شکایات پیدا ہوتی رہیں۔ اور رسالہ کی اشاعت میں پھر بہت تاخیر ہوئی ہمدردان اصلاح کے خطوط کی تعمیل بھی نہیں ہوسکی۔ فرمائشیں بھی نہیں پوری کی گئیں ہم کیا کریں بالکل مجبور تھے۔ خدا فرماتا ہے لیس للانسان الا ما سعی۔ انسان کا فرض ہے کہ کوشش کئے جائے۔ ہم نے بھی بہت کوشش کی کہ اپنے فرائض انجام دے سکیں لیکن جب صحت درست نہ رہے۔ قوت نہ ملے۔ اعضاء و جوارح پورا کام نہ دیں تو کیا کر سکتے ہیں۔ مجبوراً کل ہمدردان اصلاح سے معافی کے خواستگار ہیں۔ محض خدا کے فضل و کرم سے تاریخ ائمہ ۴۸ صفحہ تک پہونچ گئی اور کیسی پہونچی یہ آپ حضرات بتائیں گے۔ کوشش ہے کہ انشاء اللہ ۳۰ ذی الحجہ کے پہلے ذیقعدہ و ذی الحجہ کے بقیہ دو نمبر بھی شایع ہو جائیں اور تاریخ ائمہ کے باقی ۱۲۸ صفحے بھی اسی سال آپ حضرات تک پہونچ جائیں۔ اسکے بعد خدا کی تائید ہوئی تو محرم ۵۷ھ ہجری سے رسالہ اصلاح میں مستقل طور پر ۴۲ صفحہ کے متفرق مضامین ۱۶ صفحہ سوانح عمری خلیفہ دوم اور ۱۶ صفحہ تصویر قرآن کے بھی شائع ہوتے رہیں گے۔ آپ کل حضرات دعا فرمائیں کہ خدا اپنے فضل سے ان مقاصد کو بھی پورا کرادے۔ حمایت دین کی زیادہ قوت عطا فرمائے۔ اور ان خدمات کو قبولیت کا شرف بخشے۔

تاریخ ائمہ کی اہمیت

جناب مظفر علی خاں صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع گورکھپور سے تحریر فرماتے ہیں "واقعی تاریخ ائمہ اپنی نوعیت کی بالکل نئی کتاب ہے اور خوب لکھی ہے۔ خدا آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے"۔ اور جناب سید اقبال حسین صاحب زیدی ضلع مظفر نگر سے لکھتے ہیں "رسالہ اصلاح ماہ رجب و شعبان ایک عالم بیکسی میں ملا۔ میرا تبادلہ ایسی جگہ کا ہو گیا ہے جہاں کوئی شیعہ مسلمان آباد نہیں ہے۔ پرچہ بروز جمعرات ۲۰ ماہ صیام کو ملا اور خدا کے فضل و کرم سے جیسا کہ میری عادت ہے کہ اس کو اسی روز پڑھتا ہوں کہ جس روز ملتا ہے۔ اور شب اور پھر شب جمعہ میں اس نے ایک بڑے عالم کی مجلس کے برابر رلایا اور گریہ کا جو اثر ہوا میں خیال کرتا ہوں کہ اگر بجائے اس جگہ کے کسی اور جگہ مجلس میں بھی ہوتا تو اس قدر گریہ شاید ہی

ہوتا۔ یہ سب آپ کے اصلاح کی بدولت اور تاریخ ائمہ کی برکت ہے۔ اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ خدا آپ کو برکت دے اور اس سے بھی زیادہ زور قلم عنایت فرمائے"۔ جناب سید فضل حسین صاحب پنشنر لکھنؤ سے لکھتے ہیں:۔ "جناب قبلہ و کعبہ مولانا صاحب خدا وند عالم آپ کو صحت کے ساتھ ہم سب کے سر پر قائم رکھے کہ ایک ہی رسالہ خدا نے ایسا پیدا کیا ہے کہ تمام ہندوستان کے پرچہ جات خلاف کا جواب دیا جاتا ہے۔ اور میں تو آپکی تندرستی کی دعا ہر لحظہ اور ہر سانس سے چاہتا ہوں کیونکہ جس قدر معلومات مجھکو پرچہ اصلاح سے ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں دیگر کتب سے نہیں ملتے۔ میں ۱۹۱۹ء سے اس رسالہ کا خریدار ہوں"۔ جناب ڈاکٹر شیخ حامد حسین صاحب میڈیکل افسر انچارج سرکاری شفاخانہ ضلع کھیری سے لکھتے ہیں "حضور والا کی ذات با برکات ہم لوگوں کے لئے باعثِ فخر ہے اور حضور کے پرچہ اصلاح نے جو خدمت قوم کی کی ہے ہم لوگ اس کے بار احسان سے ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ خداوند کریم بحق محمدؐ و آل محمدؐ جزاے خیر عطا فرمائے آمین ثم آمین"۔ جناب شیخ علی نقی صاحب تحصیلدار ریاست بنارس سے لکھتے ہیں" قبلہ و کعبہ جناب مولانا صاحب دام ظلکم ... مذہب شیعہ کی اس قدر خدمت آپ فرما رہے ہیں کہ اُس کا احسان اس قوم پر قیامت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔ جس وقت سب مضامین پر خیال کرتا ہوں طبیعت کو اس قدر فرحت ہوتی ہے کہ بعض بعض مضمون پر خوشی کا آنسو ٹپک پڑتا ہے اور خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے جناب والا کے کتب خانہ میں اس قدر ذخیرہ مہیا کر دیا ہے کہ کسی سوال کے جواب میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اور فوراً جواب دیا جاتا ہے اور ایسا جواب کہ پھر اُس کا جواب محال ہے۔ خدا وند عالم اس ذہانت میں اور ترقی عطا کرے۔ تحریر ایسی صاف جیسے سچے موتی کا آب نظم میں جناب میر انیس صاحب مرحوم اور نثر میں جناب والا کی تحریر میرے خیال میں آج تک نہیں ہوئی ہے۔ اسی کو سہل ممتنع کہتے ہیں۔ خدا جناب والا کی عمر میں بہت زیادہ برکت دے"۔ یہ سب محض فضل خدا ہے فالحمد للہ۔

سوالات اہلسنت

(ربط کے لئے گزشتہ نمبر ملاحظہ ہو) (۱۰) نبی کے مال اور خلافت میں اگر وراثت مان لی جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی خصوصیت کیا تھی؟ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیوں نظر انداز کئے گئے۔ کیا شیعہ صاحبان اس پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

جواب اس سوال کے چار جزء ہیں (الف) خاص حضرت علیؑ کیوں آنحضرتؐ کے وارث ہونگے (ب) خاص حضرت فاطمہؑ کیوں آنحضرتؐ کی وارث ہونگی (ج) حضرت عباس کیوں نہیں وارث ہونگے (د) حضرت عبداللہ بن عباس کیوں نہیں وارث ہونگے۔

(الف) یہ کسی کا دعوےٰ نہیں کہ صرف حضرت امیرالمومنین آنحضرت صلعم کے وارث ہوئے بلکہ آپ بھی وارث ہوئے اور جناب فاطمہؑ بھی۔ پس حضرت امیرالمومنینؑ تو حضرت رسولخدا کے ارشاد کے مطابق وارث ہوئے جنکی مختصر دلیلیں ملاحظہ ہوں (۱) ابن اسحاق سے روایت ہے کہ میں نے قثم بن عباسؓ سے پوچھا کہ تم لوگوں کے سوائے علی کیونکر حضرت رسولخدا صلعم کے وارث قرار دیئے گئے؟ قثم نے جواب دیا اسلئے کہ وہ ہم سے پہلے حضرت رسولخدا صلعم سے ملے اور ہم سے زیادہ حضرتؐ کی ملاقات میں رہے (اخرجہ الحاکم)۔ بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے ہر ایک نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے۔ میرا وصی و وارث علیؑ ہے (اخرجہ البغوی فی معجمہ والدیلمی فی فردوس الاخبار)۔ ربیعہ ابن ماجد کہتے تھے کہ ایک آدمی نے جناب امیرؑ سے پوچھا اے امیرالمومنینؑ آپ نے اپنے چچا (جناب عباس) کو چھوڑ کر اپنے ابن عم (حضرت رسولخدا) کا ورثہ کیوں پایا ہے۔ جناب امیرؑ نے فرمایا ایکدفعہ جناب سرورکائنات نے بنی عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان کے لئے کھانا ایک پیمانہ میں پکوایا وہ کھانے کو آئے اور کھانے لگے یہاں تک کہ سیر ہوگئے اور کھانا جوں کا توں بچا رہا۔ پھر حضرتؐ نے شربت کا مٹکا منگوایا لوگ شربت پینے لگے تا آنکہ سب سیراب ہوگئے اور شربت بچ رہا گویا کسی نے چھوا تک نہ ہو۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے افراد بنی عبدالمطلب! میں تمہارے لئے خاص کر مبعوث ہوا ہوں اور عام طور سے اور لوگوں کی طرف۔ تم نے اس معجزہ کو دیکھا ہے۔ پس تم میں کوئی ہے کہ میری بیعت کرے اور میرا بھائی اور دوست اور وارث اور وزیر بنے۔ ان میں سے کوئی نہ اٹھا۔ میں کھڑا ہوگیا میں اُس وقت سب سے چھوٹا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ پھر تین دفعہ حضرتؐ نے وہی کلمات ارشاد کئے۔ میں ہی ہر دفعہ اٹھتا رہا اور حضرتؐ فرماتے رہے بیٹھ جا۔ تیسری بار حضرتؐ نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا تو میرا بھائی اور وزیر اور دوست ہے۔ اسلئے میں نے اپنے چچا کے سوا اپنے ابن عم کا ورثہ پایا ہے (اخرجہ احمد فی المسند والنسائی فی الخصائص وابن جریر فی تہذیب الآثار والضیاء فی المختارۃ)۔ یہ روایتیں ارجح المطالب کی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور ص ۳۴۳ میں بھی ہیں آپ آسانی سے اسمیں خود دیکھ سکتے اور حق کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔

شب قدر کی تاریخوں کا مطالعہ تحقیق کی روشنی میں

عربی کا مشہور جملہ "الحق مر" باطل پرستوں کے لئے اوسی طرح تیر ستم ہے جیسے ابلیس لعون کے لئے رجم بالشہاب ہے۔ باطل پرستوں کو حق سے اتنا بیر ہوتا ہے جتنا حق پرستوں کو باطل سے ہوا کرتا ہے۔ اگر حق کی منزلوں پر گامزنی کرنے والوں کے منہ سے دن کو دن نکل گیا تو باطل کی شاہ راہ پر چلنے والے اپنے کور باطن ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اوس دن کو رات ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیں گے۔ اور اگر شب کے لئے رات نکل گیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اوسے صحیح اور حق سمجھ کر ٹھنڈے دل سے مان لیں بلکہ رات کو دن کا لباس پہنانے میں وہی نہج البلاغۃ کے خطبہ شقشقیہ والا قمص اختیار کریں گے۔ اگر حق پرست شیعوں نے یہ کہدیا کہ دیکھو شب قدر کی قدر کرو اور اوسے تاریک سمجھکر گوشہ نشین نہ ہو بلکہ اوسمیں عبادت کرو اور اوسی عبادت میں رات کی تمام منزلیں تمام کرو۔ اور وہ شب قدر تیئیسویں ماہ مبارک کی ہے جیسا کہ زاد المعاد علامہ مجلسی رح کے صفحہ ۲۶۵ وغیرہ میں ہے۔

جبکہ خداوند عالم نے دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب چونکہ شیعوں نے قول سردار دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین کے اقوال کی بنا پر ۲۳ ماہ رمضان مبارک کی تاریخوں کو شب قدر قرار دیا اور مانا اور ثابت کیا تو سواد اعظم کے بعض گروہوں نے اپنی موثق کتابوں کو بلا زیر نظر لائے ہوئے محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حق و باطل کا اجتماع ناممکن ہے۔ شیعوں کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہدیا کہ شب قدر ستائیسویں ماہ مبارک کو ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ مسلمات اسلام میں سے ہے اور کتب فریقین اسکی تصدیق کرتی ہیں کہ شب قدر ۲۳ ماہ مبارک ہی کی تاریخ ہے۔ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:-

(۱) اختلفوا فی تعیینها علی ثمانیة اقوال (الثالث) عن انس مرفوعاً التاسعة عشرة

(۲ ابعها) قال محمد بن اسحاق الحادیة

کہ شب قدر کی تعیین تقدیر میں اختلاف ہوا اور اس اختلاف میں آٹھ اقوال ہیں۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ شب قدر انیسویں ماہ مبارک رمضان کی تاریخ ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کی اکیسویں

والعشرون

رات شب قدر ہے۔

(خامسها) عن ابن عباس الثالث والعشرون (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۲۹ طبع مصر)

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک کی تیئیسویں شب شب قدر ہے۔

(۲) عن انیس الجهنی قال لرسول الله صلی الله علیه (وآله و) سلم یا رسول الله انی رجل شاسع الدار فمرنی بلیلة انزل لها فقال رسول الله صلی الله علیه (وآله و) سلم انزل لیلة ثلاث وعشرین من رمضان (تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۷۳ طبع مصر)

انیس الجہنی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے خواہش ظاہر کی کہ حضور میں مقام دور دراز کا رہنے والا اور باشندہ ہوں مجھے کسی ایسی مبارک شب میں آنے کا حکم دیں کہ میں اوسمیں آکر عبادت کیا کروں۔ ارشاد ہوا کہ تم ماہ مبارک رمضان کی تیئیسویں کو آکر عبادت (کیا) کرنا۔

(۳) اخرج ابن سعد سئلت بلالاً رضی الله عنه عن لیلة القدر فقال لیلة ثلاث وعشرین (درمنثور جلد ۶ ص ۳۷۴ طبع مصر)

ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے بلال موذن رسول صلعم سے پوچھا کہ ذرہ بتائیے تو سہی کہ ماہ مبارک کی شب قدر کون سی تاریخ کا نام ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ماہ مبارک کی تیئیسویں رات کو شب قدر کہتے ہیں۔

(۴) عن ابراهیم قال کانت عائشة تری لیلة القدر لیلة ثلاث وعشرین (کنزالعمال ج ۴ ص ۳۳۶ طبع مصر)

ابراہیم سے مروی ہے کہ ام المومنین بی بی عائشہ کی یہی رائے تھی کہ شب قدر ماہ مبارک کی تیئیسویں رات ہے۔

(۵) قال رسول الله صلعم کم مضی من الشهر قالوا مضت اثنتان وعشرون وبقی ثمان فقال رسول الله صلی الله علیه (وآله و) سلم مضت ثنتان وعشرون وبقی سبع فاطلبوها

آنحضرت صلے اللہ علیہ (وآلہ و) سلم نے لوگوں سے پوچھا کہ اس ماہ مبارک رمضان کے کتنے دن گذر گئے لوگوں نے جواب دیا کہ بائیس دن ختم ہو چکے اب آٹھ دن باقی ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بائیس دن گذر گئے ہیں اب صرف سات دن باقی ہیں (یعنی چاند ۲۹ کا ہوگا)

اللیلۃ

(کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۳۶)

لیعنی تم لوگ شب قدر کے اعمال آج (۲۳ کی) ہی رات میں کرنا اس لئے کہ یہی شب قدر کی تاریخ ہے۔

(۶) عن عبد اللہ بن انیس ان رسول اللہ صلعم قال ارائیت لیلۃ القدر ثم انسیتھا وارانی صبیحتھا اسجد فی ماء و طین فمطرنا لیلۃ ثلاث وعشرین فصلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ و) سلم وانصرف وان اثر الماء و الطین علی جبھتہ والفہ و کان عبد اللہ بن انیس یقول ھی لیلۃ ثلاث و عشرین۔

(کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۳۶ طبع مصر)

عبد اللہ بن انیس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی پھر میں فراموش کرا دیا گیا اور مجھے دکھایا گیا کہ میں اسی شب کی صبح کو مٹی اور کیچڑ کی گیلی سطح پر سجدہ کر رہا ہوں تو ماہ مبارک کی تیئیسویں شب میں بارش ہوئی۔ اوسکے بعد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سب لوگوں کو نماز جماعت پڑھائی پھر جب پلٹے تو آپ کی پیشانی مبارک اور انف اقدس پر مٹی اور کیچڑ کا نمایاں نشان تھا۔ اور عبد اللہ بن انیس تو صاف صاف کہتے ہیں کہ شب قدر ماہ رمضان المبارک کے تیئیسویں تاریخ کی رات کو کہتے ہیں (جس میں قرآن نازل ہوا ہے)

ان چند روایتوں سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ وہ لوگ جو شب قدر کو شیعوں کی مخالفت کرتے ہوئے ستائیسویں تاریخ کی رات قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور اصل شب قدر کی صحیح اور درست تحقیق یہی ہے کہ شب قدر تیئیسویں کی رات کو قرار دیا جاوے۔ یہ سطریں علی سبیل الاجمال قلمبند کر دیں انشاء اللہ کسی موقع پر اس مسئلہ کو تفصیلی حیثیت

شجرۂ ممنوعہ

جس طرح ناعاقبت اندیش والدین اپنے بچوں کی غلط کاریوں کی شکایت پر بجائے اس کے کہ انکی اصلاح کریں انھیں صحیح راہ پر گامزن ہونے کی تلقین کریں۔ انکی آئندہ زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں اور دوسرے مخلوق خدا کوان کی تکلیف دہی سے بچائیں۔ اُلٹا دادرسی چاہنے والوں ہی کو نشانۂ ملامت بناتے ہیں۔ اسی طرح غیر معصوم اور خاطی انسانوں سے متمسک ہونے والے کوتہ اندیش مسلمان اپنے خودساختہ اور خاطی امام کے مسلّم اور متحقق معاصی کو دیکھکر معصوم اور واجب الاطاعت امام کی پیروی کرنے کے بجاے اپنے پیشواؤں کے ساتھ بیجا اور مفرط درجے کی محبت اور ناروا حُسنِ عقیدت کے ماتحت انبیاء اور اوصیاء میں جو برگزیدہ بندے ہیں اور جن کا معصوم اور معرّا عن الخطار ہونا عقلاً واجب ولازم ہے۔ عیوب تلاش کرنا شروع کردیتے ہیں اور بعض انبیاء کے اُن افعال کو جو محض ترک اولےٰ تھے معصیت اور گناہ بتانے لگتے ہیں بالفاظ دیگر وہ لوگ یہ بتاکر کہ چونکہ پیغمبر بھی گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ان کے مقرر کردہ خلفاء یا نائبِ رسول سے گناہ سرزد ہوئے ہوں تو بھی کسی طرح ان کی خلافت اور امامت میں قبح لازم نہیں آسکتا۔ حالانکہ انھیں عصبیت کی عینک علیحدہ کرکے دیکھنا چاہیئے کہ ان کے خودساختہ امام ہم جیسے معمولی اور ناقص انسان تھے اور انبیاء کرام بخلاف اُن کے انسانِ کامل تھے۔ انھیں غور کرنا چاہیئے کہ معصیت کیا چیز ہے اور.... ترک اولےٰ کیا شے ہے۔ نیز انھیں وحدانیت، نبوت اور قیامت کے اقرار کے بعد اپنی نجات اخروی کے لئے کامل توجہ کرنی چاہیئے کہ نائب رسول میں وہی صفات جو لوازم نبوت ہیں موجود ہونے چاہئیں۔ ان سہل الاصول باتوں پر غور و فکر کرکے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ امام مفترض الطاعت وہ نفوس قدسیہ ہوسکتے ہیں جو بعد ارتحال پیغمبرؐ اسلام بجمیع جہات افضل الناس ہیں اور جن کے اسماء گرامی تک سرور عالم صلعم نے خلافت اور امامت کے لئے گنوادیئے ہیں۔ یا وہ لوگ جن کی جہالت عصیان اور پیستہ نسبی پر اسلامی تاریخیں شاہد ہیں... لیکن بخلاف اس کے وہ لوگ ان مستحکم، معقول اور واجب العمل اصول سے قطع نظر کرکے ایسے ٹیڑھے راستے کو سختی سے اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے نہ صرف خود قعر ضلالت میں افتادہ

ہیں۔ بلکہ خدا کے سیدھے اور سچے دین اسلام کو بدنام کرتے ہیں اور غیر مسلمین کو اسلام پر مضحکہ اور تمسخر کرنے کا موقع دیتے ہیں۔

اگر وہ لوگ چشمِ بینا سے دیکھیں۔ گوشِ شنوا سے سنیں عقل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو انھیں اسی عالمِ موجودات میں واضح اور روشن مثالیں ایسی ملیں گی جن پر معمولی غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ بعض انبیاء سے جو فروگذاشتیں ہوئی ہیں وہ معصیت اور گناہ کی قسم میں داخل نہیں کی جاسکتیں بلکہ وہ اس ترک اولی کی قسم پر مشتمل ہیں جس کا ارتکاب کسی عذاب کا مستحق نہیں قرار دیتا۔

قانونِ حکومت میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جن کے مرتکب کو ملزم کہا جاتا ہے اور اسکی سزا حسب موقع موت، قید، جرمانہ سے کی جاتی ہے۔ لیکن بہت سے امور ایسے بھی ہیں جن کو قانون نے جرم نہیں قرار دیا ہے اور نہ اس کے ارتکاب پر کسی قسم کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ چنانچہ عام رعایا کو اختیار ہے کہ ہلاک کرنے والی اشیاء کے علاوہ جو چاہیں کھائیں پئیں پہنیں۔ حکومت کو نہ اُس پر کوئی اعتراض ہے اور نہ اُس پر کوئی بازپرس۔ لیکن اگر حکومت کا کوئی ذمہ دار جلیل القدر عہدیدار راہ میں کھاتا پیتا نظر آئے یا ایسا لباس پہنے جو اُسکے شایانِ شان نہیں ہے تو حکومت اُس عہدیدار کی معمولی سی تنبیہ کر دیتی ہے جو اس عہدیدار کی نگاہ میں اس قدر سنگین اور تکلیف دہ ہوتی ہے جس قدر ہم معمولی رعایا کے لئے سزا وغیرہ۔ اسی وجہ سے ایسے عہدیدار نہایت معمولی فروگذاشت سے بھی اجتناب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری معصیتوں اور انبیاء کے ترکِ اولےٰ میں یہی فرق ہے کہ جن امور کو رب الارباب نے قطعاً حرام قرار دیا ہے ان کا ارتکاب گناہ اور معصیت ہے اور جن امور کو حرام قرار نہیں دیا ہے اُن کا ارتکاب قابل سزا نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایسے احکام موجود ہیں جو واجب یا حرام نہیں ہیں اور ان کا ترک یا فعل موجب سزا نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں نکاح کا حکم موجود ہونے کے باوجود ہر مسلمان مرد یا عورت پر بجز خاص حالات کے ماتحت ہر حال میں نکاح واجب ہے۔ یوں ہی جو ترکِ اولےٰ انبیاء سے کسی طرح ہو گئے ہیں حکم تحریمی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق حکم تنزیہی سے ہے۔

ہمیں سخت افسوس ہے کہ دنیا کا پہلا انسان کامل جسکی خلقت اس اہتمام کے ساتھ فرمائی گئی تھی کہ تمام معصوم الخلقت ملائکہ نے بحکم خدا سجدۂ تعظیمی کیا اور مقرب بارگاہ عزرائیل انکار سجدہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ باری ہوگیا اور عالم موجودات کا پہلا خلیفہ جو صرف ابوالبشر جیسے بلند مرتبہ پر فائز نہیں تھا۔ بلکہ اس کو ابوالانبیاء ہونے کا بھی فخر حاصل تھا۔ سب سے پہلے ان سطحی خیال رکھنے والے مسلمانوں کے اس سنگین اعتراض کا بے جرم و خطا نشانہ بنتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جناب آدمؑ کو خدا نے ان صاف اور صریح لفظوں میں لا تقربوا ھذہ الشجرۃ کی تاکید فرما کر گیہوں کھانے سے منع فرمایا تھا لیکن جناب آدمؑ نے شیطان کے فریب میں آکر گیہوں کھالیا۔ خدا کے حکم کی نافرمانی کرکے گنہگار ہوگئے اور بہشت سے نکالے گئے۔ خدائے علام الغیوب نے ضرور فرمایا تھا لا تقربوا ھذہ الشجرۃ (اس درخت کے قریب جانا) لیکن اس میں ہمیں کہیں بھی گیہوں کھانے کی ممانعت کا حکم نہیں ملتا۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مقام پر ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے ظاہری ترجمہ سے مطلب واضح نہیں ہوتا بلکہ وہ آیات محتاج ہیں تفسیر کی اور تفسیر بیان کرنے کا حق بجز محمدؐ و آل محمدؑ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے جیسا کہ خود خداوند عالم نے فرمایا ہے لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم (قرآن کی تاویل بجز خدا کے اور اُن لوگوں کے جو علم میں راسخ ہیں کسی دوسرے کو نہیں ہے)، ہمیں قرآن کی تفسیر انھیں ذوات مقدسہ اور نفوس قدسیہ سے لینا چاہئے جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ اسلام میں جو اس قدر اختلافات رونما ہوئے ہیں اور روزانہ اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی جاتی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ عام مسلمانوں نے قرآن کے حقیقی معنی سمجھنے کے اس معیار کو جسے پروردگار عالم نے بتایا تھا ترک کرکے نااہل اور خاطی انسانوں کی طرف رجوع کی۔ اگر وہ اس خدائی معیار کو اختیار کرتے تو معمولی سا معمولی اختلاف بھی پیدا نہ ہوتا اور تمام اہل اسلام آج ایک ہی راستے پر گامزن ہوتے نظر آتے۔ اور سچا دین اسلام اپنے اصلی لباس میں نظر آتا۔ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی تمثیلیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے " تلک الامثال نضربھا قرآن مجید میں لفظ شجرہ مختلف مواقع پر استعمال ہوا ہے۔ کہیں شجرۂ ملعونہ کہا گیا ہے

کہیں شجرۂ طیبہ فرمایا گیا ہے ۔ شجرہ طیبہ کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ وہ ایک پاک و پاکیزہ درخت ہے جسکی جڑ زمین میں اور شاخیں آسمان تک پہونچی ہوئی ہیں اور اس کے ثمرات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں ۔ اس آیت کے بارے میں صادق آلِ محمدؐ سے دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ہم اہلبیت ہیں ۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں آج تک کسی نے ایسے درخت کا موجود ہونا نہیں بتایا تو لامحالہ اس سے مراد عام درخت نہیں ہوسکتے بلکہ تفسیر اہلبیتؑ کے مطابق اس سے مفہوم اہلبیت علیہم السلام ہیں۔ یوں ہی شجرۂ ممنوعہ سے مراد کوئی درخت دنیاوی نہیں ہے ۔ اور نہ اس آیت کے شجرہ سے مراد کوئی معمولی شجر ہے بلکہ اس شجرہ سے مراد مطابق تفسیر اہلبیت ، مراتب محمدؐ و آل محمدؐ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت آدمؑ کو خداوند عالم نے متنبہ کیا کہ باوجود نبوت جیسے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے تم نے ایسے مرتبے کی خواہش کیوں کی جس کو ہم نے اپنے خاص اور منتخب بندوں کے لئے مخصوص کیا تھا۔ خیر اگر تمہیں اس مرتبے کی خواہش ہے تو دنیا میں جاکر ان امور کو انجام دو جن کو محمدؐ و آل محمدؐ انجام دینگے اور جن کی انجام دہی میں اس قدر دشواریاں ہیں جنھیں بجز ان صابر و شاکر ہستیوں کے دوسرا برداشت نہیں کرسکتا۔

اگر شجر کے اس معنی سے قطع نظر کرکے شجر کے معنی عام شجر ہی لئے جائیں تو چونکہ اس آیت میں ارشاد باری کے مطابق درخت کے قریب جانے کی ممانعت ہے ۔ گندم کے کھانے کی ممانعت نہیں ۔ حضرت آدمؑ درخت کے قریب نہیں گئے ۔ لہذا گندم کے کھانے سے خدا کے حکم کی نافرمانی کیونکر ہوسکتی ہے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ قریب نہ جاؤ سے مطلب یہ ہے کہ کھانے کی ممانعت تو ہے ہی ۔ قریب تک جانے سے روکا جاتا ہے تو یہ قابل توجہ ہے کہ ہر زبان کے محاورات جداگانہ ہیں ۔ کسی زبان کا محاورہ دوسری زبان پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ اُس زبان نے دوسری زبان کے محاورے کے مطابق اپنا لہجہ اختیار نہ کیا ہو۔ بنا بریں اردو زبان کے اس محاورے کو کہ درخت کے قریب نہ جاؤ اس معنی پر کہ درخت سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ بالا وجوہ کو بھی نظر انداز کرکے اگر شجر کو عام شجر قرار دیتے ہوئے آیت کے معنی سے

گندم کا کھانا ہی فرض کر لیا جائے تو خدا کا یہ حکم تحریمی ثابت نہیں ہوتا بلکہ حکم تنزیہی کے تحت میں آتا ہے کیونکہ اگر یہ حکم تحریمی ہوتا تو جس طرح حضرت آدمؑ سے ارتکاب گناہ ہوا اسی طرح حضرت حوّا بھی مرتکب گناہ ہوئیں اور یہ دونوں بزرگ ارتکاب جرم کی وجہ سے (معاذ اللہ) قابل ملامت ٹھہرتے۔ حالانکہ باری تعالیٰ حضرت حوّا سے کوئی بازپرس نہیں کرتا۔ اس کے خلاف حضرت آدم ہی پر وعصیٰ آدم، یہ کہہ کر اپنی ناخوشی کا اظہار فرماتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ عام گناہ اور معصیت ہوتی اور یہ حکم تحریمی ہوتا تو حضرت حوّا پر بھی ناخوشی کا اظہار ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے حقیقت یہ ہے کہ پروردگار عالم اپنے مہتم بالشان اور برگزیدہ بندوں سے ایسی معمولی فروگذاشت بھی گوارا نہیں کرتا جس کا ارتکاب معمولی انسان کے لئے قابل مواخذہ نہیں۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اسکے یہ مخصوص بندے اپنی زندگی اس طرح گذار دیں کہ دنیا کے کسی انسان کو معمولی عیب رکھنے کا موقع نہ مل سکے۔

ذکی رضوی

اہلحدیث کی عقل و فہم (حاجی ثناء اللہ صاحب کی سیر انداختگی) (حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر)

میرے مقابلہ میں اس طرح گرجتے ہوئے آئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا آپ تحقیقات کے سمندر بہا دینگے مگر میرے مضمون مندرجہ اصلاح نمبر ۶ نے ممدوح کے سب شور و غل کو غائب کر دیا۔ سچ ہے ؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ؞ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

ممدوح نے کس متکبرانہ انداز سے لکھا تھا ؎ انا صخرة الوادی اذا ما زوحمت (میں وادی کا پتھر ہوں جب روکا جائے) مگر جب میں نے اسکے جواب میں عرض کیا کہ ؎ ان تک جلمود بصر لا اؤبسہ۔ اوقد علیہا فاحمیہ فینصدع (اگر تم ایسے پتھر ہو جسکو میں توڑ نہیں سکتا تو میں اس پتھر میں آگ لگا دوں گا جس سے خوب گرم ہو کر یہ پاش پاش ہو جائیگا) تو آپ مبہوت ہو گئے۔ آپ نے کس غرور سے یہ بھی دعوےٰ کیا تھا ؎ واذا نطقت فاننی الجوزاء (میں جب بولوں گا تو ستارہ ہوں گا) مگر جب میں نے لکھا کہ ؎ انا ابو النجم وشعری شعری۔ للہ دری ما اجن صدری (اگر تم ستارہ ہو تو میں ستارہ کا باوا جان ہوں۔ اور میرا شعر سمجھ لو کہ میرا ہی شعر ہے۔ سبحان اللہ میرا سینہ کتنے علوم کا خزانہ ہے) تو آپ

گویا صمٌ بکمٌ بن کر سب شعر خوانی بھول گئے۔ اب ذرہ آپ کی حرکت مذبوحی ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:۔
"ام کلثوم کا نکاح فاروقی عرصہ سے اہلحدیث میں زیر بحث چلا آرہا ہے جس کے متعلق ہم نے دو زبردست دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک کلینی سے دوسری تہذیب الاحکام سے۔ اصول کلینی کے حوالے کے متعلق تو اصلاح کھجوا کے نامہ نگار کو یہاں تک جرأت ہوئی ہے کہ اس کا حوالہ دکھانے پر مبلغ تین سو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کرتا ہے ... شکر ہے آپ نے انعام دینے میں قادیانیوں کے ریس کرنے کا ادعا کیا خدا کرے سچ ہو۔ پس سنئے ہماری پیش کردہ روایت ماخوذ از کلینی کے باب کی سرخی یہ ہے باب تزویج ام کلثوم۔ اس باب کو غور سے پڑھئے۔ آپ انعامی رقم اپنے ضلع چھپرا کے رئیس مولوی علی صاحب کے پاس رکھکر مجھے اطلاع دلائیں تو کلینی کی ساری عبارت اور صفحہ بتادی جائیگی بلکہ آپ چاہیں گے تو مولوی علی صاحب کے پاس کتاب بھیجدی جائیگی فافھم۔ پس ہمت کیجئے اور انعام رکھوایئے۔ شیعہ مجیب نے ہمارے جواب میں یہ بھی لکھا تھا" کہ ام کلثوم زوجہ حضرت عمر کے متعلق آپ کے کل مورخین ... بلکہ درحقیقت وہ ابوبکر کی دختر تھیں" اس پر ہم نے پوچھا تھا کہ آپ مہربانی کرکے جن مورخین کا آپ نے حوالہ دیا ہے انکا نام بتائیں۔ یہ ہمارا سوال کیسا صحیح اور برمحل ہے اس کا فیصلہ علماء اور طلباء مدارس کرسکتے ہیں۔ کیونکہ علم مناظرہ کی کتاب رشیدیہ میں لکھا ہے کہ ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ضروری ہے۔ چونکہ راقم مضمون مذکورہ کے ناقل ہیں اس لئے ان کا فرض تھا کہ نقل کی تصحیح کرتے مگر انھوں نے اس کی تصحیح جو کی وہ شیعہ جماعت کے حق میں محل افسوس ہی نہیں بلکہ محل بکا ہے۔ کس شان رعنائی سے لکھتے ہیں آپ حضرت مدیر اصلاح سے سوال کرتے ہیں... کیا انکار کرنے والا بھی عبارت پیش کرتا ہے۔ اہلحدیث۔ یہ ہے وہ فقرہ جس کو دیکھکر شیعہ کے علم کلام پر ماتم کیا جائے تو بیجا نہیں ... یہ کیسے مزے کی بات ہے کہ ناقل اور منکر کو ایک تبہ میں رکھا ہے۔ ناقل بمنزلہ مدعی کے ہوتا ہے۔ تصحیح نقل اس پر ضروری ہے" (اہلحدیث نمبر ۱ جلد ۳۵)

میں اب بھی وعدہ کرتا ہوں کہ حاجی صاحب اگر اپنے دعوے کے مطابق خاص "اصول کلینی" میں حضرت ام کلثوم کا عقد دکھادیں تو میں ممدوح کو تین سو روپیہ انعام دے دوں گا۔ آپ فرماتے ہیں "پس سنئے ہماری پیش کردہ روایت ماخوذ از کلینی کے باب کی سرخی یہ ہے باب تزویج ام کلثوم" حاجی صاحب! دیکھئے اب فرار نہ کیجئے۔ میں آپکو کبھی بھاگنے نہیں دونگا۔ آپ بڑے زور شور

سے پہلے دعوے کر چکے ہیں کہ "اصول کلینی میں اس عقد کا ذکر ہے"۔ پس آپ پر فرض ہے کہ "اصول کلینی" ہی میں اس عقد کے اس باب کو دکھایئے۔ سُنئے اب "روایت ماخوذ از کلینی" کہنے سے کام نہیں چلیگا بلکہ "اصول کلینی" میں پتا بتانے سے آپکا دعوے ثابت ہوسکتا ہے اور میں نے انعام بھی آپ کے اسی قول پر مقرر کیا ہے کہ آپ خاص اصول کلینی میں اس روایت یا باب کو دکھا دیں۔ کیونکہ "روایت ماخوذ از کلینی" اور چیز ہے اور "روایت اصول کلینی" شئے دیگر اور دونوں کا فرق واضح ہے۔ اب چالاکی سے اپنے سابق دعوے میں آپ تحریف نہ کریں بلکہ بتائیں کہ "اصول کلینی" میں یہ باب کس جگہ ہے اور وہ کتاب آپ کے ذہن کے علاوہ بھی کہیں ہے؟ خوب یاد رکھئے میں ایسی چالوں سے اچھی طرح واقف ہوں اور آپ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ آپ خود پہلے دعوے کر چکے ہیں کہ "ام کلثوم کے نکاح کا ثبوت فریقین کی کتب حدیث میں موجود ہے۔ صحیح بخاری میں یوں مذکور ہے ... اسی طرح شیعہ کی مستند کتاب اصول کلینی میں خاص ایک باب متعلقہ نکاح ام کلثوم اسی غرض کے لئے مقرر ہے" (اہلحدیث مورخہ ۹ شعبان ۱۳۵۳ہجری)۔ پس آپ اپنی اسی صحیح بخاری اور میری "اصول کلینی" میں دکھایئے کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح خلیفہ دوم سے ہوا تھا اور فوراً انعام لیجئے بشرطے کہ روئے باشد مگر ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی :. کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست رہا تین سو روپیہ کا مولوی علی صاحب کے پاس جمع کر دینا تو یہ بتایئے وہ آپ کے اُن پیر میاں کے پیرو تو نہیں ہیں جو مرتے وقت تک بیت المال کا ۸۶ ہزار مال ہضم کر چکے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر مرید صاحب کے پاس کس اطمینان پر روپیہ جمع کیا جائے؟ البتہ جناب سید ابوالحسن صاحب بی۔اے۔ بی۔ ال۔ ایڈووکیٹ چھپرا کے پاس اصول کلینی کا وہ صفحہ جس میں یہ مضمون ہے بھیج کر تین سو روپیہ لے لیں۔ مگر قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی بھی یاد رکھیں فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی الآیہ۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو اور میں کہے دیتا ہوں کہ قیامت تک نہیں کر سکو گے تو اس جہنم سے ڈرو (پارہ ۱ ع)۔ آپ دنیا بھر کے علماء اہلسنت کو جمع کرلیں اور اہلحدیث کانفرنس کو بھی ملالیں۔ اسکے بعد بھی اگر آپ "اصول کلینی" میں یہ روایت دکھا دیں تو میں آپ کو تین سو روپیہ بھی دے دوں گا اور سُنی بھی ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر آپ نہ نکال سکیں، تو آپ بھی مذہب شیعہ اختیار کرنے کا وعدہ کریں۔ اگر آپ نے افتراء نہیں کیا اور "اصول کلینی" میں اس روایت کو نکال سکتے ہیں تو آپ بھی میری طرح اعلان کر دیں

کہ اگر اصول کلینی میں اس مضمون کو نہ نکال سکیں گے تو آپ مذہب حق شیعہ کو قبول کریں گے۔
آگے چل کر آپ فرماتے ہیں" اس پر ہم نے پوچھا تھا کہ آپ مہربانی کر کے جن مورخین کا آپنے حوالہ دیا ہے اُن کا نام بتائیں۔ یہ ہمارا سوال کیسا صحیح اور برمحل ہے۔ اس کا فیصلہ علماء اور طلباء مدارس کر سکتے ہیں"۔ حاجی صاحب! کیا آپ ہی کے لئے یہ کہا گیا ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ آپ نے مضمون مندرجہ ۹ر شعبان میں کب یہ لکھا ہے جکی نقل اس طرح کر رہے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مرزا قادیانی صاحب کی طرح آپ دنیا والوں کی آنکھ میں دھول جھونک دینگے؟ آپ ایسے بوڑھے بھی نہ بنیں کہ کل اپنے اخبار میں جو لکھ چکے ہیں اس کو آج ہی بھول جائیں۔ اپنا اخبار مورخہ ۹ر شعبان ملاحظہ فرمائیں اس میں کیا آپنے یہی لکھا ہے؟ یا یہ لکھا ہے "جن مورخوں کے قول کے ماتحت آپ اس واقعہ نکاح ام کلثوم سے انکار کرتے ہیں ان کے نام اور انکی اصل عبارت پیش کریں" آپ تمام [illegible] یا طلباء بلکہ جاہل بوڑھوں بچوں تک سے پوچھ لیجئے کہ آپ کی اصل عبارت اور آپکی تحریف کردہ منقولہ عبارت میں کیا فرق ہے۔ پس آپ بتائیں کہ کیا انکار کرنے والا بھی عبارات پیش کرتا ہے؟ ورنہ اس کا صاف اقرار کریں کہ انکار کرنے والے سے کتابوں کا حوالہ طلب کرنا آپ کی عقل کی دلیل اور آپ کی خوش فہمی کا ثبوت تھا ؎

نازہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوقؔ ؛ اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

آپ کس ادا سے فرماتے ہیں" کیسے مزے کی بات ہے کہ ناقل اور منکر کو ایک رتبہ میں رکھا ہے" حاجی صاحب! ایسی بہکی باتیں نہ کیجئے جس سے لوگوں کو شبہ ہونے لگے کہ آپ نے اُسی عالم میں یہ لکھا ہے جس عالم میں حضرت عمر یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

وکاین بالقلیب قلیب بدر ؛ من الفتیان والعرب الکرام

ایوعدنی ابن کبشۃ ان سنحیا ؛ وکیف حیاۃ اصداء دھام

ایعجزان یرد الموت عنی ؛ وینشرنی اذا بلیت عظامی

الا من مبلغ الرحمان عنی ؛ بانی تارک شہر الصیام

فقل للہ یمنعنی شرابی ؛ وقل للہ یمنعنی طعامی

سلہ علماء اہلسنت نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے شراب پی اور مستی کے عالم میں اونٹ کی ہڈی لیکر عبدالرحمن

فرمایئے میں نے کب ناقل اور منکر کو ایک رتبہ میں رکھا ہے آپ نے خود لکھا تھا کہ "جن مورخوں کے قول کے تحت آپ اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں" فرمایئے اس میں ناقل کا کہاں ذکر ہے۔ مجھے آپکی دماغی حالت پر افسوس آتا ہے کہ کہاں تک قابل رحم ہو گئی۔ حاجی صاحب! آپ ایک ایک لفظ پر سہو و نسیان کی بھول بھلیاں میں پھنستے جائینگا تو مناظرہ کی ہمت کیسے ہوگی۔ مختصر یہ کہ یا آپ مرزا قادیانی کے ہتھکنڈوں کو چھوڑیئے یا اپنا دماغی علاج کرایئے اُس کے بعد بتایئے کہ صحیح بخاری کی کس روایت سے حضرت ام کلثوم کا عقد خلیفہ دوم سے ثابت ہوتا ہے اور اصول کلینی کا وہ نسخہ کہاں ہے جس میں اس نکاح کا ذکر ہے۔ آپ لاکھ باتیں بنایئے مگر میں آپ کو چھوڑتا نہیں۔ یا صاف اقرار کیجئے کہ آپ نے محض افترا و بہتان کیا ہے۔ یا دونوں کتابوں میں اپنا دعوے دکھایئے ذرہ میں بھی تو دیکھوں آپ محال کو ممکن کیسے کر دیتے ہیں ؎

ایک ہی جلوے میں بیخود ہوئے غش میں آئے ۔:. تم نے اے حضرتِ ناصح ابھی دیکھا کیا ہے

لکھنؤ کا مدح صحابہ اخبار نجم سے ضمانت طلب کیگئی تو عبدالشکور صاحب نے اس کو بند کرکے اخبار آفتاب نکالنا شروع کیا ہے جسمیں پھر سنی شیعہ کے درمیان فساد کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

مدح صحابہ کے مسئلہ کو بھی زور سے اُبھارا ہے اور جاہلوں کو آمادہ کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ سے اپنی نافرمانی کی دھمکی پر اس بدعت کی اجازت لے لیں۔ لکھنؤ کے شیعوں کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ اگر ایک منٹ کے لئے بھی ان کو مدح صحابہ کی اجازت مل جائے تو شیعہ بھی گورنمنٹ میں درخواست دیکر سڑکوں پر قرآن خوانی کی اجازت حاصل کریں جسکے بعد صرف دو آیتیں چیخ چیخ کر ہر جگہ پڑھتے رہیں ایک یہ:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذابا مہینا (پ ۲۲ ع ۴) اور دوسری آیت یہ ہے: واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبأت بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نبأہا بہ قالت من انبأک ہذا۔ قال نبأنی العلیم الخبیر۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاہرا علیہ فان اللہ ہو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذلک ظہیر (پ ۲۸ ع ۱۹)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) بن عوف کے سر کو زخمی کر دیا پھر بدر کے ان کافروں پر جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے نوحہ پڑھنے لگے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدر کے کنویں میں کتنے بہادر اور معزز عرب ڈال دیئے گئے۔ ابن ابی کبشہ (محمدؐ) مجھے دھمکاتا ہے کہ ہم لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ بھلا جب آدمی اُلّو ہو جائیگا تو پھر کیسے زندہ ہو سکتا ہے (زمانہ جاہلیت میں کفار کا عقیدہ تھا کہ آدمی مر کر اُلّو ہو جاتا ہے)۔ کیا خدا اس سے تو عاجز ہے کہ مجھ سے موت کو ہٹا دے اور اس پر قادر ہے کہ جب میری ہڈیاں سڑ گل جائیں تو مجھے (قیامت میں) دوبارہ زندہ کر دے؟ کون شخص ایسے خدا تک میرا یہ پیغام پہونچاتا ہے کہ میں ماہ صیام کے روزے نہیں رکھونگا۔ اب وہ اللہ سے کہدے کہ اس کے بس میں ہو تو میری شراب خواری روک تو دے۔ اور اللہ کی مجال ہو تو ذرہ میرا کھانا بھی تو بند کر دے!!!

حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت عمر کے یہ کفریہ اشعار سُنے تو غصہ میں تشریف لے گئے اور ہاتھ میں کوئی چیز لے کر اس زور سے ان کو مارا کہ وہ فوراً چیخنے لگے کہ میں خدا اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں پھر کہا میں باز آیا (مستطرف جلد ۲ ص ۲۱۸)

نگران کے پاؤں لڑکھڑاتے تھے۔ آنحضرتؐ یہ دیکھکر منبر پر سے اُتر پڑے اور انکو گود میں اٹھاکر اپنے سامنے بٹھالیا۔ اس کے بعد فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں اور ان کے پاؤں لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کردی اور ان کو اٹھالیا (اسدالغابہ جلد ۳ صہ ۱۵)

امام حسنؑ کا حلم حضرتؑ کے حلم وتحمل کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت سوار جا رہے تھے کسی شامی نے حضرتؑ کو دیکھکر گالیاں بکنی شروع کیں مگر حضرتؑ نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جب وہ دل بھر کر اپنا گناہ کرچکا تو حضرتؑ اسکی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اس کو سلام کیا۔ پھر مسکرا کر فرمایا اے شیخ میں گمان کرتا ہوں کہ تم پردیسی ہو اور شائد تم کو کچھ شبہہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے تم نے مجھے اتنی گالیاں دیں۔ اگر تم مجھ سے کوئی فرمائش کرو تو میں پوری کرنے کو حاضر ہوں۔ اگر کچھ مانگو تو دینے کو موجود ہوں۔ اگر کوئی بات دریافت کرو تو بتادوں۔ اگر سواری کی ضرورت ہو تو گھوڑا یا اونٹ دے دوں۔ اگر بھوکے ہو تو چلو کھانا کھلاؤں۔ اگر پہننے کو کپڑے نہ ہوں تو جس قدر چاہو کپڑے دیدوں۔ اگر محتاج ہو تو میں اتنا مال دے دوں جس سے خوش حال ہو جاؤ۔ اگر تم آوارہ وطن ہو تو میں تم کو اپنے گھر میں جگہ دوں۔ اور اگر ان باتوں کے علاوہ تمہاری کوئی حاجت ہو تو اس کو بھی پوری کردوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سواری میرے گھر کی طرف بڑھاؤ اور میری دعوت قبول کرلو۔ جب تک دل چاہے رہو میں تمہاری خدمت کرتا اور تمہیں ہر قسم کا آرام پہونچاتا رہوں گا۔ اس لئے کہ خدا کے فضل سے میرا مکان وسیع ہے۔ لوگوں میں میری جاہ وعزت بھی ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔ جب اس مرد شامی نے حضرتؑ کا یہ سب کلام سُنا تو رونے لگا۔ پھر کہا اشھد انک خلیفۃ اللہ فی ارضہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ وکنت وابوک ابغض خلق اللہ الیّ والآن انت احب خلق اللہ الیّ۔ وحول رحلہ الیہ وکان ضیفہ الی ان ارتحل وصار معتقد المحبتھم۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی زمین پر اس کے خلیفہ آپ ہی ہیں۔ خدا نے جس خاندان کو رسالت کا شرف بخشا ہے اسکی عظمت وجلالت کو وہی سب سے زیادہ جانتا ہے

اس وقت کے قبل تک دنیا میں کسی شخص کو بھی میں آپ سے اور آپ کے والد سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب سب سے زیادہ آپ ہی مجھے محبوب ہو گئے۔ پھر اس نے اپنی سواری حضرتؑ کے گھر کی طرف پھیری اور جب تک اس شہر میں رہا حضرتؑ ہی کا مہمان رہا اور ان حضراتؑ کی محبت کا پورا معتقد ہو گیا (مناقب جلد ۴ ص ۵۳ و کامل مبرد جلد ۲ ص ۸۶)

حضرتؑ کی حکمت آمیز باتیں

بہت ہیں جن سے انسان کو حکمت و معارف کے خزانے حاصل ہوتے ہیں اور ان پر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب ہو جائے۔ مثلاً فرمایا لا ادب لمن لا عقل له ولا مودة لمن لا همة له ولا حياء لمن لا دين له۔ وراس العقل معاشرة الناس بالجميل و بالعقل تدرك الداران جميعا ومن حرم العقل حرمهما جميعا۔ جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا۔ اور جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت بھی نہ پا سکا۔ اور جس کو شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے بھی تعلق نہیں۔ عقل کا سر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی زندگی بسر کی جائے۔ اور عقل ہی سے دونوں گھر (دنیا و آخرت) حاصل ہوتے ہیں جو شخص عقل سے محروم ہو گا وہ دونوں گھروں سے بھی محروم رہے گا۔ یہ بھی فرمایا:۔ هلاك الناس في ثلاث في الكبر والحرص والحسد فالكبر هلاك الدين وبه لعن ابليس والحرص عدو النفس والحسد رائد السوء ومنه قتل قابيل هابيل تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں تکبر۔ حرص اور حسد۔ تکبر سے دین مٹ جاتا ہے اسی وجہ سے ابلیس (شیطان) ملعون قرار پایا۔ اور حرص انسان کی جان کا دشمن ہے (یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہو گیا) اور حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے۔ اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو میں بہت پریشان ہوا۔ حضرتؑ نے فرمایا کیوں حسن! تم گھبراتے ہو؟ میں نے عرض کی یا حضرتؑ میں آپ کو اس حال میں دیکھتا ہوں تو کیوں نہ بدحواس ہوں حضرتؑ نے فرمایا بیٹے میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔ اگر تم انھیں یاد رکھو گے تو انکے ذریعہ سے ہر مصیبت سے نجات ملی رہیگی۔ اے بیٹا لا غنى اكثر من العقل۔ ولا فقر مثل

الجہل ولا وحشۃ اشد من العجب ولا عیش الذ من حسن الخلق۔ واعلم ان مروأۃ القناعۃ والرضا اکبر من مروأۃ الاعطاء و تمام الصنیعۃ خیر من ابتدائہا
عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں اور جہالت ایسی کوئی فقیری نہیں اور خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں اور حسنِ خلق سے زیادہ مزے کی کوئی زندگی نہیں۔ اور اس بات کو بھی سمجھ رکھو کہ قناعت اور رضا کی مروۃ مال عطا کرنے کی مروت سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے (نور الابصار ص ۱۲۲)

نیکی کا عوض کس طرح کرتے حضرت کے ساتھ جو شخص کوئی بھلائی کرتا حضرت اس کا عوض ہزار گنا سے زیادہ کرتے۔ ابوالحسن مدائنی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ اور (جناب زینب کے شوہر) عبداللہ بن جعفر ساتھ ہی حج کو چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور تینوں حضرات کو بھوک اور پیاس نے بہت ستایا۔ راہ میں ایک خیمہ نظر آیا تو یہ حضرات اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچے تو ایک بوڑھی عورت دیکھی اس سے پوچھا کیوں بہن کوئی چیز پینے کی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی تینوں صاحب اپنی سواریوں سے اُتر پڑے مگر اس بڑھیا کے پاس ایک بکری کے سوا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اس نے کہا آپ لوگ اسی بکری کو دوہ کر اس کا دودھ پی لیں۔ بیچاروں نے ایسا ہی کیا۔ جب پیاس کم ہوئی تو بھوک کا زور ہوا۔ پوچھا کچھ کھانے کو بھی ہے اُس نے کہا بس یہی بکری ہے۔ اسکے سوائے کچھ نہیں۔ میں آپ لوگوں کو قسم دیتی ہوں کہ اس بکری کو ذبح کر ڈالیں اور میں لکڑی کا سامان کرتی ہوں آپ لوگ بھون کر اس کو کھالیں ان لوگوں نے اسکی فرمائش پوری کی۔ کھا پی کر کچھ دیر آرام کیا اور جب جانے لگے تو کہا اے بہن ہم لوگ قریش کے کچھ آدمی ہیں حج کرنے جاتے ہیں۔ جب بخیر و عافیت واپس آئیں تو تم ہم لوگوں کے پاس مدینہ میں آنا تاکہ ہم بھی تمہاری کچھ خدمت کر سکیں۔ یہ کہہ کر سب روانہ ہو گئے جب اُس کا شوہر آیا تو اس عورت نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ بہت غضب ناک ہوا اور کہا تو نے بکری ایسے لوگوں کے لئے کیوں ذبح کر دی جن کو ہم لوگ پہچانتے تک نہیں ہیں۔ بات ختم ہو گئی۔ ایک مدت دراز کے بعد اُس عورت اور

اُس کے شوہر کو قحط کا سامنا ہوا۔ دونوں سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ آخر مدینہ کا رُخ کیا اور وہاں بھیک مانگنے لگے۔ ایک روز وہ عورت کسی گلی میں سوال کرتی ہوئی جاتی تھی اور امام حسنؑ اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے حضرتؑ نے اس کو دیکھکر پہچان لیا اور پکار کر اپنے پاس بلایا۔ فرمایا اے کنیز خدا تم مجھکو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں سال فلاں مہینہ میں فلاں روز ہم لوگ جا کر تمہارے خیمہ میں مہمان ہوئے تھے۔ اُس نے کہا اے صاحب میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں۔ میں نے اب بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرتؑ نے فرمایا خیر اگر تم مجھے نہیں پہچانتیں تو میں تم کو پہچانتا ہوں۔ پھر حضرتؑ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ایک ہزار اشرفیاں اس کو دے دو۔ جب یہ چیزیں اس کو مل گئیں تو اس کو اسی غلام کے ساتھ امام حسینؑ کے پاس بھیجا۔ حضرتؑ نے بھی اس کو پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں آپ نے بھی دیں۔ پھر اس کو غلام کے ساتھ جناب عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا انھوں نے بھی اس کو بہت زیادہ مال اور بکریاں دیں۔ اس طرح مال و دولت کا انبار لے کر وہ مدینہ سے اپنے گھر پلٹی کہ گئی تھی بالکل فقیر ہو کر اور واپس آئی سب سے زیادہ خوشحال ہو کر (نورالابصار صلا)

خلافت ظاہری کو چھوڑنا حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ عراق۔ ایران۔ خراسان حجاز اور یمن وغیرہ میں خلیفہ ہوئے (یہ واقعہ سنہ ۴۰ھ کا ہے) اُن چالیس ہزار آدمیوں نے جنھوں نے حضرت علیؑ سے معویہ سے جنگ کرنے پر آپ کی نصرت میں جانے کی بیعت کی تھی امام حسنؑ سے بھی بیعت کرلی۔ اتنے میں معویہ نے آپ پر چڑھائی کردی اور ۶۰ ہزار فوج لیکر مقام مسکن میں اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسنؑ یہ سنکر خود تو بڑا حصہ فوج کا لیکر کوفہ سے ساباط مدائن میں آگئے اور ۱۲ ہزار فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کردی۔ اسی درمیان میں معویہ نے مخفی طور پر یہ فریب کیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیجا جہاں امام حسنؑ مقیم تھے اور یہ مشہور کرایا کہ حضرتؑ کے سپہ سالار قیس بن سعد نے معویہ سے صلح کرلی۔ اور اسی طرح دوسرے شخص کو قیس

کے لشکر میں بھیجکر یہ مشہور کرایا کہ امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کرلی۔ پس جب دونوں جگہ یہ خبر
شائع ہوئی تو امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ فوجی آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے
آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلےٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے ردا
بھی آتار لی۔ بعض گمراہوں نے معویہ سے سازش کرکے اور رشوتیں لے کر ارادہ
کیا کہ آپ کو گرفتار کر کے معویہ کے حوالہ کردیں اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط و
کتابت کر کے معویہ کی اطاعت قبول کرلی اور اسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آیئے ہم
وعدہ کرتے ہیں کہ امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کردینگے۔ حضرت کمال صدمہ سے
اپنے مدائن کے گورنر سعد کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک خارجی نے موقع
پاکر ران پر ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک پہونچا۔ آپ زخمی حالت میں مدائن کے قصر
میں جاکر ٹھہرے۔ سعد نے علاج کرایا اور حضرتؑ کچھ مدت میں اچھے ہوگئے۔ یہ حالات
دیکھکر حضرتؑ نے خلقِ خدا کی خوں ریزی کا اندیشہ کر کے ترک ظاہری خلافت کا ارادہ کرلیا۔
اور ۶ یا ۷ ماہ کی ظاہری خلافت کے بعد ان شرائط پر معویہ سے صلح کر کے حکومت سے
دست بردار ہوگئے (۱) معویہ مسلمانوں پر کتاب خدا اور سیرت خلفاء صالحین کے مطابق
حکومت کرے گا (۲)۔ بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے وہ امام حسنؑ کو دی جائیگی کہ
حضرتؑ زمانہ حکومت کے دیون ادا کردیں (۳) فسا اور دارالجرد کا خراج امام حسنؑ کو
ملتا رہے گا کہ اہلبیتؑ خرچ کرتے رہیں (۴) اب سے حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائیگا۔
(۵) معویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولیعہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کی رو سے اس کے
بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا اور بروایت اوکلی وحیوۃ الحیوان وطبری و ابن قتیبہ وغیرہ
یہ شرط اس طرح تھی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں اور حضرتؑ کا انتقال ہوجائے
تو امام حسینؑ ہوں (۶) زمینِ خدا پر شام۔ مصر۔ عراق۔ حجاز۔ یمن وغیرہ میں ہر جگہ لوگ
جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے (۷) اصحاب علیؑ و شیعیان علیؑ کا جان و مال
عورتیں اور اولاد سب مامون و محفوظ رہیں گی (۸) حسنؑ بن علیؑ اور اُن کے بھائی حسینؑ
اور اہلبیتؑ میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ معویہ تعرض نہیں کرے گا۔ سب محفوظ
رہیں گے۔ انھیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائیگا (۹) معویہ اس عہد نامہ پر خدا سے عہد

و میثاق کرے اور اسے پورا کرے (صواعق محرقہ صفحہ ۸۱) ۔ معویہ اور امام حسنؑ قریب کوفہ انبار میں جمع ہوئے اور وہیں اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں مگر معویہ نے ان شرطوں سے کسی کو بھی پوری نہیں کیا ۔ یہ عہد نامہ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ کو لکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام سنۃ الجماعۃ رکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے عمرو عاص کی تحریک سے حضرت امام حسنؑ کو خطبہ دینے پر مجبور کیا تو حضرتؑ نے منبر پر جاکر فرمایا اے لوگو خدا تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا ۔ معویہ نے اُس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اُس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خون ریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا ۔ تم رنج و ملال نہ کرو کہ میں نے حکومت اسکے نا اہل کو دے دی اور اس کے حق کو بے موقع جگہ رکھا ہے ۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے ۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معویہ نے کہا بس اے حضرت زیادہ کی ضرورت نہیں ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)

حضرتؑ کے اس خطبہ کے بعد معویہ منبر پر گیا اور خطبہ میں کہا الحمد للہ آج تمام امور کا انتظام ہو گیا ہے ۔ بہت کچھ تردد و پریشانی کے بعد حق اپنی جگہ پر آکر ٹھہرا ہے ۔ میں نے اس معاملہ کی ابتداء میں جو شرطیں کی ہیں وہ محض باہمی میل ملاپ اور امت کے ایک زبان ہونے کے لئے تھیں ۔ اب خدا بیان جاتی رہیں ہمارا کہنا منظور خلائق ہو گیا ہے ۔ اس لئے تمام شرطیں جو میں نے کی تھیں رد کر دی ہیں ۔ اپنے وعدہ کا مجھے اختیار ہے ۔ پورا کروں یا نہ کروں ۔ اب کسی کی مجال نہیں کہ میری مخالفت کرے ۔ سب کو میری اطاعت و فرماں برداری لازم ہے ۔ اسکی یہ باتیں سنکر سب لوگ برہم ہو گئے اسے گالیاں دیں اور مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے معویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو پر پشیمان ہوا ۔ اسکی یہ باتیں سنکر لوگوں نے امام حسنؑ سے کہا کہ جب معویہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا تو آپ بھی اس صلح سے انکار کر دیجئے ۔ حضرتؑ نے فرمایا مجھے اپنے قول سے پھرنا مناسب نہیں ۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو ۔ اور صبر سے کام لو ۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ مع امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر اپنے عیال و اطفال کو لے کر مدینہ میں چلے آئے

اور وہیں رہنے لگے۔ معویہ سال میں کچھ مال آپ کے پاس بھیج دیتا اور حضرتؑ اسکو لے کر غربا و مساکین میں خیرات کر دیتے تھے۔ لیکن باوجود اس درجہ علیحدگی کے حضرتؑ کا وجود معویہ کی آنکھوں میں کھٹکتا رہتا تھا خاص کر اس وجہ سے کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور عہد نامہ کی رو سے یہ امر ممکن نہ تھا۔ لہذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوا کہ کسی طرح حضرتؑ کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر حضرتؑ کی زوجہ جعدہ بنت الاشعث کو ایک لاکھ درہم اور اپنے بیٹے یزید سے اسکی شادی کرنے کا لالچ دے کر حضرتؑ کو زہر دلوا دیا (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۵ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ وغیرہ) معویہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سن کر مارے خوشی کے سجدہ میں گر پڑا اور اس زور کی تکبیر کہی کہ دور تک آواز پہونچی۔ اسکو سنکر فاختہ بنت قرظہ نے معویہ سے پوچھا کہ کیوں تکبیر کہی۔ کہا حسن کی موت سنکر۔ فاختہ نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پھر رو کر کہنے لگیں کہ آہ سید المرسلین اور خاتم المرسلین کے فرزند نے رحلت فرمائی (مروج الذہب و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ وغیرہ) امام حسنؑ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس دفن کرنا چنانچہ امام حسینؑ نعش مبارک کو روضۂ رسولؐ میں دفن کرنے لائے مگر بنی امیہ و گروہ عثمانی مروان وغیرہ مانع ہوئے۔ اور حضرت عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں اور فرمایا کہ گھر میرا ہے۔ میں دفن نہیں ہونے دیتی۔ بعض لوگ غل مچا کر کہنے لگے اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر (جنگ جمل) لڑتی ہو اور کبھی خچر پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے نواسہ کے جنازے پر جھگڑتی ہو اور ان کے نانا کے پاس دفن نہیں ہونے دیتیں۔ ہر چند لوگوں نے کہا مگر حضرت عائشہ نہ مانیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی طرف سے تیر بارانی شروع ہوئی اور کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے۔ مجبوراً لوگوں نے حضرتؑ کی نعش مبارک کو لا کر بقیع میں لا کر دفن کیا (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ وغیرہ)

حضرتؑ کی کثرتِ طلاق

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ اکثرت سے نکاح کرتے اور چند دنوں کے بعد ان عورتوں کو طلاق دے دیا کرتے تھے۔ حضرتؑ پر یہ اعتراض مختلف اغراض سے کیا جاتا ہے۔ مگر

جو لوگ تاریخ وسیر کے اوراق کی سیر کرتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ ۴۱ھ میں حضرتؑ نے حکومت سے دست برداری اختیار کی اور صلح نامہ میں یہ شرط بھی کی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ ظاہری خلیفہ ہوں۔ معویہ نے اُس وقت حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے یہ شرط بھی مان لی اور اس پر دستخط کر دیا مگر اس کو بڑی فکر ہوئی کہ کسی طرح اس سلطنت کو اپنے خاندان میں مستقل کر دے اور اپنے بعد اپنے فرزند یزید کو بادشاہ بنائے۔ اس وجہ سے وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ حضرت امام حسنؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دیکر آپ کا کام تمام کر دے تاکہ یزید کو بادشاہ بنانے میں آسانی ہو۔ اور عرب کی طمع مشہور ہے۔ جب عمر بن سعد ایسا شخص صوبہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کا خون ظاہر بظاہر بہانے پر راضی ہو گیا تو ایک ایک لاکھ درہم کے انعام کے وعدوں پر حضرتؑ کی بیویوں کا سازش میں شریک ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہو سکتا۔ غرض معویہ حضرتؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دلوانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اور جب یہ راز فاش ہو جاتا تھا تو حضرت ان بیویوں سے بچنے کے لئے مجبور ہوتے تھے کہ ان سب کو طلاق دے دیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ کچھ دنوں بعد وہ بیویاں بھی معویہ کی سازش میں شریک ہو جائیں تو حضرتؑ ان کو بھی طلاق دے کر دوسری عورتیں نکاح میں رکھتے۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حضرتؑ کی بیوی ہی نے حضرتؑ کا کام تمام کر دیا۔ پس حضرتؑ کا عورتوں کو طلاق دینا محض اس وجہ سے تھا کہ زہر خورانی کا حملہ نہ ہو۔ مگر حضرتؑ کب تک کامیاب ہوتے آخر وہی ہوا جو معویہ چاہتا تھا۔

حضرتؑ کی معویہ سے صلح اکثر مسلمان یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کیوں کی حالانکہ آپ کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ نے اسی معویہ کے بیٹے یزید سے جہاد کیا اور آخر شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر افسوس یہ لوگ احکام خدا و افعالِ انبیاء و مرسلین پر نظر نہیں کرتے۔ خدا کا اصول یہ رہا ہے کہ اپنے ہادیوں کو حکم دیتا ہے کہ پہلے گمراہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کریں اور انکی سختیوں کو برداشت کر کے انکی ہدایت کی کوشش کرتے رہیں۔ جب اس سے کام نہ چلے اور وہ انکی جان کے درپے ہو جائیں تو آخری حالت میں بدرجہ مجبوری ان سے جہاد کر کے اپنی ذات اور

دوسرے مطیع بندوں کی جان کی حفاظت کریں۔ اسی اصول کے ماتحت اکثر انبیاء و مرسلین نے اپنے مخالفین کے مظالم پر صبر کیا اور بعض جہاد کے لئے بھی مامور ہوئے قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ انبیاء کے آنے پر جب اُنکی قوموں نے انکی نافرمانی کی تو خدا اور وہ انبیاء بھی ایک مدت تک گویا صلح کے اصول پر انتظار کرتے رہے کہ شاید اب بھی یہ لوگ سنبھل جائیں اور جب بالکل اُنکی طرف سے مایوسی ہو جاتی تھی تب خدا کا عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی شروع میں ۱۳ برس تک صبر و صلح ہی سے بسر کرتے رہے اور باوجودیکہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ کا قبیلہ۔ خاندان۔ حضرتؐ کے اعزہ اور اہل اسلام سب ہی تھے مگر حضرتؐ نے کبھی ان سے جہاد نہیں کیا۔ بلکہ بالکل خاموشی۔ صلح اور آشتی سے ہدایت کی کوشش کرتے رہے لیکن جب ان لوگوں کی زیادتیاں موقوف نہیں ہوئیں اور حضرتؐ کے ہجرت کر جانے پر بھی انھوں نے مدینہ میں حضرت کو ستانا شروع کیا تو اب حضرتؐ کو جہاد کا حکم ہوا اور حضرتؐ نے اپنے کو نیز مسلمانوں کو انکے مظالم سے بچانے کے لئے تلوار اٹھائی۔ بالکل اسی اصول کی پابندی میں حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی اپنے زمانہ کے ابتدائی تین دور میں صلح و صبر سے کام لیا اور آخری دور میں تینوں جماعتوں سے جہاد کیا۔ خلیفہ اول۔ خلیفہ دوم۔ خلیفہ سوم سے حضرتؑ کا جہاد نہ کرنا اور صبر و صلح سے پیش آنا بالکل اسی طرح تھا جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ میں جہاد نہیں کیا۔ اور جنگ جمل۔ جنگ صفین و جنگ نہروان میں حضرتؑ نے اسی طرح اپنے مخالفین سے جہاد کیا جس طرح حضرت رسولخداؐ نے (اپنے آخری دور) مدینہ میں غزوۂ بدر۔ احد و خندق وغیرہ جنگ کی۔ اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم کے دونوں پارۂ جگر اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فرزندوں امام حسنؑ و امام حسینؑ نے ملکر دونوں بزرگوں کی ابتدائی زندگی کی صلح اور آخری زندگی کے جہاد کی پیروی کی۔ بڑے صاحبزادے نے معویہ سے صلح اور چھوٹے فرزند نے یزید سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں انبیاء و مرسلین کا معمول یہی رہا ہے کہ جب مخالفین صلح اور رحم کی درخواست پیش کرتے تھے تو وہ حضرات اُس کو منظور کر لیتے تھے۔ حضرت رسولخدا صلعم سے بھی حدیبیہ میں کفار نے صلح کی درخواست کی تو حضرت نے منظور کر لی اور اگرچہ بعض

۵ (جن کے حلم کی یہ حالت تھی کہ حضرتؑ کے انتقال پر آپ کا سخت ترین دشمن مروان چیخ کر روتا تھا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم تو حضرتؑ کو اس درجہ ستاتے تھے اب روتے کیوں ہو۔ تو اس نے کہا ہاں میں اس بزرگ پر ظلم کرتا تھا جو حلم میں اس پہاڑ سے بھی بڑھے ہوئے تھے (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹)

مسلمان اس کو ناپسند کرتے رہے مگر حضرتؐ نے کفار کا دل رکھ لیا۔ اسی طرح جب معویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی درخواست کی تو حضرتؑ کو اپنے نانا کی پیروی میں اسے منظور ہی کرنا مناسب تھا۔ صحیح بخاری کی یہ روایت پڑھو:۔ "حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا میں حسنؑ بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں پیٹھ نہ پھیرینگے۔ تو ان سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی معویہ اور عمرو عاص سے اچھے تھے کہ اے عمرو اگر اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کرڈالا اور اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کرڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو کون رہ جائیگا۔ اُن کی عورتوں کے انتظام کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ اُن کے مال کا انتظام کرنے کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ پھر معویہ نے حضرت امام حسنؑ کے پاس دو قریشی مرد عبدالرحمن بن سمرہ و عبداللہ بن عامر کو بھیجا اور اُن سے کہا کہ امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور اُن پر صلح کی بات چیت پیش کرو۔ اُن سے خوب اچھی طرح کہنا اور انکو صلح کی طرف بلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسنؑ کے پاس گئے۔ اُن سے گفتگو کی اُن سے کہا اور صلح کی طرف انھیں بُلایا تو اُن سے حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔ ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ اب اگر ہم خلافت سے دست بردار ہوجائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑجائیگا۔ ان دونوں نے کہا کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں۔ پس جو بات اُن سے حضرت حسنؑ نے کہی اُنھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ لہذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معویہ سے صلح کرلی" (ترجمہ صحیح بخاری از مرزا حیرت دہلوی جلد ا صفحہ ۲۷۶)۔ ایک طرف معویہ کی یہ درخواست تھی دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے سامنے حضرت رسولخداؐ صلعم کی مشہور پیشین گوئی تھی کہ امام حسنؑ کے بارے میں

حضرتؐ نے فرمایا تھا یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادیگا" (ترجمہ صحیح بخاری جلد ا ص۳۷۶)
پس کیا حضرت امام حسنؑ سے یہ ہوسکتا تھا کہ حضرت صلح کی درخواست نامنظور کرکے حضرت رسولخدا کی امیدوں پر پانی پھیر دیتے؟ بلکہ حضرتؑ کا تو فرض تھا کہ جس طرح ہو حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہی کریں اور ذرہ برابر اس کے خلاف نہ ہونے دیں۔ اس وجہ سے بھی آپ صلح کرلینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ غرض جو لوگ حضرتؑ پر اعتراض کرتے ہیں انھیں اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم پر بھی اعتراض کرنا چاہیئے کہ کیوں حضرتؐ نے خود کفار مکہ سے مشہور صلح حدیبیہ کی اور پھر کیوں اپنے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی کہ آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہو جائیگی اور کیوں حضرتؑ سے یہ امید کی کہ معویہ کی درخواست صلح کو منظور کریں گے۔

حضرتؑ کی اولاد و ازواج حضرتؑ کی اولاد آٹھ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں (۱) زید بن حسن اور انکی دو بہنیں ام الحسن وام الحسین ایک زوجہ ام بشیر دختر ابو مسعود بن عقبہ سے تھیں (۲) حسن مثنیٰ بن حسنؑ دوسری زوجہ خولہ دختر منظور فزاریہ سے تھے۔ (۳) عمرو بن حسنؑ و قاسم و عبداللہ تیسری زوجہ سے تھے (۴) عبدالرحمن بن حسنؑ چوتھی زوجہ سے تھے حسن اثرم۔ طلحہ اور ان کی بہن فاطمہ پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے تھیں (۵) اور حضرتؑ کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ و فاطمہ و ام سلمہ و رقیہ مختلف بیویوں سے تھیں (ارشاد ص۲۰۵)

حضرتؑ کے فرزند زید بن حسنؑ بڑے جلیل القدر اور صدقات رسول اللہ صلعم کے متولی بھی تھے۔ ۹۰ سال کی عمر پاکر دنیا سے انتقال کیا۔ خلیفہ بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی کو آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ ان زید بن الحسن شریف بنی ھاشم ذو سنھم۔ زید بن حسنؑ خاندان بنی ہاشم کے شریف اور محترم بزرگ ہیں۔ آپ نے ۱۲۰ھ (۷۳۸ء) میں انتقال کیا۔

حسن مثنیٰ حضرت امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ بڑے جلیل القدر

فاضل متقی۔ سرداراورصدقات حضرت امیرالمومنینؑ کے متولی تھے۔ آپکی شادی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحب زادی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی۔ آپ بھی حضرتؑ کے ساتھ کربلا میں آئے۔ خوب جہاد کیا آخر زخمی ہوکر گرے تو لوگوں نے سمجھا کہ انتقال کرگئے۔ مگر جان باقی تھی۔ جب شہدا ءکربلا کے سر اُن کے بدن سے جدا کئے جاتے تھے تو معلوم ہواکہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اُس وقت آپ کے ماموں ابوحسان اسماء نے آپ کو عمر بن سعد سے لے لیا کوفہ میں لاکر علاج کرایا۔ اور آپ صحیح ہوکر مدینہ واپس تشریف لائے پھر وہیں رہتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے کب اور کس عمر میں انتقال کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو پوشیدہ زہر دلوادیا جس سے آپ نے ۳۵ سال کی عمر میں غالباً ۸۶ھ ہجری میں انتقال کیا اور بعض کا قول ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے زہر دلوایا اور آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں ۹۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کی وفات کا صدمہ آپ کی زوجہ محترمہ یعنی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحب زادی جناب فاطمہ کو اس قدر ہواکہ آپکی قبر پر خیمہ نصب کرکے سال بھر تک وہیں پڑی رہیں۔ شب بھر عبادت خدا بجالاتیں اور دن بھر روزہ رکھتیں۔ آپ کے حسن وجمال کے بارے میں لکھاہے کانت تشبہ بالحورالعین لجمالھا۔ آپ حسن وجمال میں حورعین کی مشابہ تھیں۔ غرض پورے سال بھر تک شوہر کی قبر پر سوگواری کی اور جب دوسرا سال شروع ہوا تو اپنے خیمہ وہاں سے اٹھوادیئے اور پھر واپس گئیں (ارشاد صا۲۱ وغیرہ)۔ حضرتؑ کے تیسرے چوتھے اور پانچویں صاحب زادے عمرو۔ وقاسم وعبد اللہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ اور چھٹے فرزند عبدالرحمن اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حج کرنے گئے تو راہ میں بمقام ابواء حالت احرام میں انتقال کرگئے۔ اور ساتویں بیٹے حسین اثرم اور آٹھویں فرزند طلحہ بھی بڑے معزز ومحترم تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی صاحب زادیوں میں جناب فاطمہ بڑی جلیل القدر تھیں۔ انکی شادی حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوئی تھی جن سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جناب محمد نفس زکیہ وجناب ابراہیم | امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے

پوتوں جناب نفس زکیہ و جناب ابراہیم کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ میں خونی حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی اولاد مدینہ میں عزلت گزینی اور عسرت میں بسر کرتی اور سلطنت بنی امیہ و بنی عباس کے معاملات سے الگ تھلگ ہو کر علمی اور مذہبی خدمات میں مشغول رہتی تھی۔ خصوصاً ائمہ اہلبیتؑ صرف اپنے جد بزرگوار حضرت رسولخداؐ کے دین کو فروغ دینے اور خلق خدا کو ہدایت کرنے کے کام میں لگے رہتے تھے مگر باوجود ان کی تنگ دستی کے ان کے اہل شہران کی اس قدر تعظیم کرتے تھے کہ کسی اور کی نہیں ہوتی تھی۔ اس سبب سے خلفاء بنی امیہ و بنی عباس برابر ان کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔
سنہ ۱۳۲ ہجری میں بنی امیہ کا زمانہ ختم اور بنی عباس کا دور شروع ہوا مگر دونوں خاندان کے خلفاء کو خواہ مخواہ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ سے کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ اُنکے گرویدہ ہو کر اُن کو خلیفہ نہ بنالیں۔ اس سبب سے وہ انکی رسوائی اور تخریب کے درپے رہتے۔ خاصکر خاندان بنی عباس کا دوسرا بادشاہ منصور تو ان حضرات کے خون کا سخت پیاسا رہتا تھا۔ اُس کے سادات سے سخت دشمنی کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا بنو ہاشم نے ایک جلسہ کر کے امام حسنؑ کے فرزند جناب حسن مثنٰی کے صاحبزادے عبداللہ کے بیٹے محمد کو (جو امام حسنؑ کے پڑپوتے اور جناب حسن مثنٰی کے پوتے تھے اور) جو اپنی نیک سیرتی کی وجہ سے نفس زکیہ کہے جاتے تھے خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور خود منصور نے جو اُس جلسہ میں شریک تھا اُن کی بیعت کر لی تھی۔ مگر حضرت امام جعفر صادقؑ اس جلسہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ اس جلسہ کے خلاف تھے۔ جب سازباز سے خلافت بنی عباس میں آگئی اور منصور بادشاہ ہوا تو اس بیعت کا خیال کر کے اُسے اور بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ پس اُس نے جناب نفس زکیہ اور اُنکے بھائی ابراہیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے تو منصور نے اُن کے والد عبداللہ بن حسن مثنٰی کو ہمراہ دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ پابجولاں کوفہ میں بلا کر قید کر دیا۔ اور محمد و ابراہیم کی تلاش میں جابجا جاسوس مقرر کر دیئے۔ مجبور ہو کر جناب نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو کوفہ اور اہواز کی طرف بھیج دیا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف کریں اور کہا کہ اسی روز میں

مدینہ میں ایسا ہی کروں گا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ جناب نفس زکیہ کو اپنے بھائی ابراہیم کی طیاریوں کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اعلان کرنا پڑا اور اس طرح منصور کو پہلے ایک بھائی سے اور پھر دوسرے بھائی سے لڑجانے کا موقع مل گیا۔ اولاً جناب نفس زکیہ نے زور پکڑ کر منصور کے گورنر کو مدینہ سے نکال دیا اور حجاز و یمن نے جناب محمد نفس زکیہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا۔ یہاں تک کہ اہلسنت کے مشہور امام مالک نے بھی جناب محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ اور ان کی حقیت دعوے کی تائید میں فتوے دیئے۔ منصور نے یہ حالت دیکھکر اپنے بھتیجے عیسےٰ بن موسےٰ کو جناب نفس زکیہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ موقع جنگ پر جناب نفس زکیہ کے ساتھ صرف تین سو آدمی رہ گئے اور ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۵ھ ہجری (۷۶۲ء) کی لڑائی میں وہ سب کے سب لڑ کر شہید ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد آپ کے بھائی ابراہیم بھی جو بصرہ۔ واسط و اہواز وغیرہ پر قابض ہو گئے تھے مقابلہ پر نکلے اور اہلسنت کے مشہور امام ابو حنیفہ صاحب نے بھی انکی تائید میں لوگوں کو آمادہ کیا۔ ابراہیم نے ایک بڑی فوج مہیا کر کے بادشاہ منصور کی فوجوں کو سخت شکستیں دیں۔ مگر آخر کوفہ کے قریب عیسےٰ بن موسےٰ کی فوج کے مقابلہ میں مقام باخمری پر ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۵ھ کو ایک تیر کھا کر شہید ہوئے۔ اس کے بعد منصور نے اہل بصرہ اور اہل مدینہ پر جناب محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی مدد کرنے کے جرم میں اپنا غصہ اتارا۔ بصرہ کے بہت سے آدمی قتل کئے۔ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ اولاد امام حسنؑ سے بکثرت حضرات کو قتل کیا۔ بہت لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا اور بہت سے قید کر دیئے گئے امام مالک تک کو تازیانے لگوائے اور امام ابو حنیفہ صاحب کو تو قید ہی کر دیا۔ عبداللہ بن حسن مثنےٰ اور ان کے ہمراہی قیدیوں میں سے بعض کو فوراً قتل کر دیا۔ غرض اولاد امام حسنؑ کے مصائب و آفات سے تاریخ کے اوراق سرخ ہو رہے ہیں۔ اور اس مختصر کتاب (تاریخ ائمہ) میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسنؑ کے روضہ کی کرامت

حضرات اہلسنت کے بکثرت معتبر علماء نے لکھا ہے کہ اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے

تھے کہ ایک بدمعاش شخص نے حضرت امام حسنؑ کے مزار مطہر پر پاخانہ پھر دیا۔ اس پر اس کو جنون ہوگیا اور وہ کتوں کی طرح سے بھوکنے لگا اور اسی طرح بھوکتا ہوا مرگیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اسکی قبر سے بھی کتے کے بھوکنے کی سی آواز نکلتی رہی (حلیۃ الاولیاء ابونعیم وارجح المطالب صفحہ ۲۷۲ ونورالابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۲)

تیسرا باب ۳

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت رسولخدا صلعم کے دوسرے پارۂ جگر۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے دوسرے فرزند اور جناب سیدہ کے دوسرے لال تھے۔ ۳ یا ۵ شعبان ۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۱ھ ہجری تک جد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے ساتھ۔ ۴۰ھ ہجری تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ۔ اور ۴۹ھ یا ۵۰ھ ہجری تک اپنے برادر عالی قدر کے ہمراہ رہے اُسی وقت مسلمانوں کے حقیقی تیسرے امام ہوئے اور ۶۱ھ ہجری کی ۱۰ محرم کو کربلا میں شہید ہوئے۔

ولادت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حمل اور ولادت امام حسنؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا اور علامہ واقدی کہتے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حمل حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی پچاس راتوں کے بعد قرار پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے اور نزل الابرار میں علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ سب روایتوں میں قابل ترجیح یہی روایت ہے۔

اسم گرامی ابواحمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام (حسنؑ و حسینؑ) زمانہ جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور مفضل نے کہا اللہ تعالٰے نے یہ دو نام حسنؑ و حسینؑ چھپا رکھے تھے یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے دونوں صاحب زادوں کا نام حسنؑ و حسینؑ اور تیسرے فرزند کا نام محسن رکھا۔ اس کے بعد فرمایا میں ان تینوں

کے وہ نام رکھتا ہوں جو حضرت ہارون پیغمبرؑ کے بیٹوں کے نام تھے۔ یعنی شبرؑ۔ شبیر۔ اور مشبر۔

کنیت والقاب حضرتؑ کی کنیت ابو عبداللہ اور القاب سید طیب۔ زکی سبط رشید۔ وفی مبارک۔ تابع لمرضات اللہ۔ دلیل علےٰ ذات اللہ۔ شہید اکبر اور سید الشہداء تھے۔ اور حضرتؑ اور آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ حضرت رسولخدا کے ارشاد کے مطابق سید اشباب اھل الجنتہ (جوانان اہل بہشت کے سردار) مشہور ہیں۔ اور بالاتفاق آپ دونوں بزرگ سبطا نبی الرحمتہ (نبی رحمت کے دونواسے) بھی کہے جاتے ہیں اور حضرت رسولخداؐ کے کل اہل و اولاد میں یہ دونوں صاحب زادے آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔

حضرت رسولخدا سے بہت مشابہت حضرت امام حسنؑ اپنے سینہ سے سر تک اور حضرت امام حسینؑ اپنے سینہ سے پاؤں تک بالکل حضرت رسولخدا کے مشابہ تھے۔ حضرت رسولخدا فرماتے تھے کہ حسنؑ و حسینؑ میری دنیا کے بہار ہیں۔

عقیقہ و ختنہ جب حضرتؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ساتویں روز عقیقہ کیا اور ایک یا دو مینڈھا ذبح کیا اور جناب سیدہ سے فرمایا کہ ان کے بالوں کو وزن کر کے اس کے برابر چاندی خیرات کرد۔ اور ساتویں ہی روز آپ کا ختنہ بھی کرادیا۔

آیۃ تطہیر کے مصداق حضرت امام حسین علیہ السلام اہل کسا کے پانچویں شخص ہیں شداد ابن عبداللہ کہتا تھا کہ میں نے واثلہ بن اسقع سے سنا کہ جب امام حسینؑ کا سر (بعد شہادت) لایا گیا تو اہل شام سے ایک شخص نے آپ کو اور آپ کے والد کو گالیاں دیں تو واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ و جناب سیدہ کو اُس وقت سے برابر دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے حضرت رسولخدا کی ان کے متعلق حدیثیں سنیں۔ میں ایک دن نبی صلعم کے حضور میں ام سلمہ کے مکان پر گیا تھا اتنے میں حضرت حسنؑ آئے۔ انھیں رسولخدا صلعم نے اپنے داہنے زانو پر بٹھالیا اور پیار کیا۔ پھر حضرت امام حسین آئے تو انھیں حضرتؑ نے اپنے بائیں زانو پر بٹھالیا۔

اور پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں انھیں حضرت نے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلایا بعد اس کے فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اے میرے اہلبیت! خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے کہ تم لوگوں سے ہر برائی دور کئے رہے اور جس قدر ممکن ہو تم لوگوں کو پاک و پاکیزہ رکھے (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۶) اس قسم کی متعدد حدیثیں صحیح مسلم مشکوۃ۔ کنز العمال وغیرہ میں بھی ہیں۔

حضرتؑ کی عبادات حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی پچیس حج پا پیادہ کئے اور جس قدر حج آپ نے کئے وہ سب عراق جانے سے پہلے کئے۔ عراق سے آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ عراق سے آنے کے بعد صرف بیس سال اور چند مہینے زندہ رہے آپ عراق سے مدینہ ۴۱ھ ہجری میں آئے تھے اور شروع ۶۱ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ آپ بہت ہی بزرگ۔ زیادہ روزہ رکھنے والے۔ نماز پڑھنے والے اور حج و صدقہ اور تمام امور خیر کے زیادہ بجالانے والے تھے۔ آپکی قبر مشہور ہے اسکی زیارت کی جاتی ہے (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱) نماز کی حالت واقعات کربلا سے ظاہر ہے کہ ایسی عبادت آجتک کسی نے بھی نہیں کی۔

حضرتؑ کی منزلت عیزار بن حریب سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت امام حسینؑ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کہا آج کے دن یہ شخص اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے (اصابہ جلد ۲ ص ۱۵) اس سے زیادہ جناب ابو ہریرہ کا قول ہے۔ ایک جنازہ میں بہت سے لوگ جاتے تھے۔ مشہور صحابی ابو ہریرہ بھی تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تشریف لے گئے تھے۔ راہ میں ابو ہریرہ اپنے کپڑوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے تو حضرتؑ نے فرمایا اے ابو ہریرہ تم میرے پاؤں جھاڑتے ہو؟ اسکے جواب میں ابو ہریرہ نے کہا دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم اے حضرتؑ آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کام سے نہ روکئے۔ آپ کے فضائل و مناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں وہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو لوگ آپ کو پیدل چلنے ہی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر لئے پھریں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۹)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرتؑ کے کل فضائل لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔

حضرتؑ کے بارے میں خلیفہ دوم کا قول مذکورہ بالا اقوال سے زیادہ اہم حضرت عمر کا قول ہے حضرت امام حسینؑ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں۔ یہ دیکھکر میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا میرے باپ کے منبر پر سے اُتر جائیے اور اُس منبر پر جاکر بیٹھئے جو آپ کے باپ کا ہو۔ حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے۔ پھر انھوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور جب اس سے اُترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لیتے گئے۔ وہاں پہونچکر پوچھنے لگے۔ کیوں جی یہ بات تم کو کس نے سکھائی تھی؟ میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں سکھائی (میں نے خود اپنے دل سے کہی)۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ تم پر فدا ہو جائے۔ تم کبھی کبھی میرے ہاں آیا کرو۔ اس پر میں ایک دن انکے ہاں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ معویہ اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر تھے۔ وہ بھی اندر نہیں جاسکے بلکہ پلٹ آئے۔ تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہنے لگے صاحبزادے! تم میرے ہاں آئے نہیں؟ میں نے کہا میں تو آیا تھا مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں بھی عبد اللہ بن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ یہ سنکر حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ تمہارا حق ہے فانما انبت ما ترے فی رؤسنا اللہ ثم انتم کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ حضراتؑ (اہل بیت طاہرین) کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے (اصابہ جلد ۲ ص۲۵ وکنز العمال جلد ۷ ص۱۰۵ و ازالۃ الخفار جلد ۲ ص۱۰ وغیرہ) جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کا دلی اعتقاد یہ تھا کہ حضرت حسنؑ وحسینؑ وغیرہ خدا کے ایسے پیارے بندے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا دنیا کو پیدا نہیں کرتا۔ صرف انھیں حضراتؑ کے طفیل میں دوسرے بھی پیدا ہوئے اور حضرت عمر کا رویاں رویاں تک انھیں حضراتؑ کے برکات وجود کا ممنون احسان ہے۔ اور ممدوح نے اپنے اس اعتقاد کو حضرت امام حسینؑ کے سامنے ظاہر بھی کر دیا۔

جناب ابن عباس کا برتاؤ جناب ابن عباس حضرت رسولخدا صلعم کے چچا زاد بھائی اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ سوار ہونے لگے

تو انھوں نے حضرتؑ کی رکاب پکڑ کر حضرتؑ کو سوار کیا۔ اس پر کسی نے کہا اے ابن عباس آپ رشتے اور عمر دونوں میں امام حسینؑ سے بڑے ہیں۔ پھر آپ ان کے سامنے ایسی ذلت برداشت کرتے ہیں؟ اس پر وہ بگڑ کر بولے یالکع وماتدری ہذین ہذان ابنا رسول اللہ او لیس مما انعم اللہ بہ علیّ ان امسک لھما واسوی علیھما۔ اے کم بخت تجھے کیا معلوم کہ یہ دونوں بزرگ کون ہیں۔ یہ دونوں حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں ان کے مقابلہ میں کیا میں انکی رکاب بھی نہ پکڑاوں اور انھیں گھوڑے پر سوار بھی نہ کروں (ناسخ جلد ۶ ص ۴۵)

حضرتؑ کی سخاوت مشہور صحابی رسول اسامہ بن زید ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام انکی عیادت کو تشریف لے گئے۔ پہونچے تو سنا کر وہ کہتے ہیں واغماہ ہائے میرا غم واندوہ۔ امام حسینؑ نے پوچھا اے بھائی تمہیں کس بات کا غم ہے؟ اُنھوں نے کہا اپنے قرض کا جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کچھ غم نہ کرو میں اسے ادا کردوں گا۔ انھوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے ادا کرنے سے پہلے میں مرجاؤں گا اور یہ بوجھ لے کر دنیا سے جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہاری زندگی ہی میں اسے ادا کردوں گا۔ غرض حضرتؑ نے ان کے مرنے سے قبل ان کا پورا دین (ساٹھ ہزار درہم) ادا کردیا۔ ایک دفعہ کوئی دیہاتی عرب شہر مدینہ میں آکر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہاں سب سے زیادہ کریم کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت امام حسینؑ۔ وہ گیا تو حضرتؑ کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرتؑ کی بغل میں کھڑا ہوکر حضرتؑ کی مدح میں شعر پڑھنے لگا۔ حضرتؑ نے نماز سے سلام پھیرا تو قنبر سے پوچھا کہ مال حجاز سے کچھ بچا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں چار ہزار اشرفیاں۔ حضرتؑ نے سب منگا کر دو چادروں میں باندھیں اور دروازے سے ہاتھ بڑھا کر اس دیہاتی عرب کو وہ کل اشرفیاں دے دیں اور شرم کی وجہ سے اسکے سامنے نہیں آئے بلکہ معذرت کے اشعار پڑھے۔ دیہاتی عرب آپ کی کل اشرفیاں لے کر رونے لگا۔ حضرتؑ نے یہ دیکھکر فرمایا تو میرے مال کو کم سمجھکر روتا ہے؟ اُس نے کہا نہیں یا حضرتؑ بلکہ یہ خیال کرکے روتا ہوں کہ مٹی حضرتؑ کے جود کو کسطرح کھائیگی۔ ایک شخص شعیب خزاعی بیان کرتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ جب کربلا میں شہید

ہو چکے تو آپ کی پیٹھ میں بہت سے گھٹے ملے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ سے اسکی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ حضرتؑ اپنی پشتِ مبارک پر غلوں اور روپیہ اشرفیوں کی گٹھریاں لادکر بیواؤں۔ یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہونچایا کرتے تھے۔ انھیں کے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔ عبدالرحمن سلمی نے حضرتؑ کے کسی لڑکے کو (جو امام نہیں تھے) بچپن میں سورہ الحمد یاد کرایا تھا۔ جب حضرتؑ نے صاحب زادے سے سن لیا کہ یاد ہے تو عبدالرحمن کو ایک ہزار اشرفیاں۔ ایک ہزار قیمتی خلعتیں دیں اور اُسکے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے عرض کی حضور نے اسے اتنا کیوں دے دیا؟ فرمایا اس نے جو عظیم الشان خدمت کی ہے اسکے مقابلہ میں میرا یہ انعام کیا حقیقت رکھتا ہے!!! (مناقب جلد ۴ ص۶۷)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی نظروں میں مالِ دنیا کی کوئی حقیقت تھی ہی نہیں

حضرتؑ کی حاضر جوابی ایک دفعہ معویہ۔ عمرو عاص اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے تھے۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو خفیف اور ذلیل کرنے کے لئے حضرتؑ سے مذاق کرنا شروع کیا۔ کہا اے فرزند علیؑ۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی اولاد زیادہ ہوتی اور آپ لوگوں کی کم ہوتی ہے۔ حضرت نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

بغاث الطیر اکثرھا فراخا ✦ وام الصقر مقلاة نزور (کمزور اور حقیر و ذلیل چڑیوں کے بچے کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور شکاری پرندے جیسے باز شاہین بحری وغیرہ کی ماں ایک ہی دفعہ جنتی اور قلیل الاولاد ہوا کرتی ہے)

پھر عمرو عاص نے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی مونچھ کا بال آپ لوگوں کی مونچھ سے بہت پہلے سفید ہو جاتا ہے۔ حضرتؑ نے فوراً جواب دیا وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کی عورتیں گندہ دہن ہوتی ہیں جب تم لوگوں کا منہ اپنی بیویوں کے منہ کے پاس پہونچتا ہے تو انکے گندے بخارات اور بدبودار نفسوں کا اثر تمہارے منہ پر پڑکر اسکو جھلس دیتا ہے جس سے تم لوگوں کے منہ کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ اب عمرو عاص نے پوچھا اور اسکی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھیاں گھنی اور انکے بال بھرپور ہوتے ہیں اور ہم لوگوں کی ڈاڑھی کے بال اُچٹے ہوئے رہتے ہیں۔ اس پر حضرتؑ نے فوراً یہ آیت پڑھ دی والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا ؏ ده

زمین سے اُس کا سبزہ اچھا ہی نکلتا ہے اور جو زمین بُری اور خبیث ہوتی ہے اُس کی
پیداوار بھی خراب ہی ہوتی ہے (ش ع ۱۴۱) ابھی یہیں تک باتیں ہوئی تھیں کہ حضرت کی
فصاحت و بلاغت سے پریشان ہو کر معویہ نے عمرو عاص سے کہا تم کو میرے حق کی قسم اب
چپ ہو جاؤ۔ جانتے نہیں یہ کون ہیں۔ ارے بھائی یہ علیؑ ابن ابی طالب کے فرزند ہیں
(ان سے کسی بات میں بھی کوئی جیت سکتا ہے؟) تب حضرتؑ نے یہ شعر پڑھا ؎

ان عادت العقرب عدنا لها + فکانت النعل لها حاضره
قد علم العقرب واستیقنت + ان لا لها دنیا ولا آخره

اگر پھر بچھو پلٹیگا تو میں بھی اسکی طرف پلٹوں گا اور اسکو مارنے کے لئے میری جوتی
اسی طرح حاضر رہیگی۔ بچھو کو خوب معلوم بلکہ یقین ہے کہ اسکے حصہ میں نہ دنیا ہے اور
نہ آخرت ہی (مناقب جلد ۴ ص۷۵ و بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۴۵)

حضرتؑ کی مناجات

ایک مرتبہ انس بن مالک رات کو حضرتؑ کے ساتھ جا رہے تھے۔ جاتے جاتے حضرت خدیجہ کی قبر پر پہونچے۔ اُسے دیکھکر حضرتؑ
رونے لگے اور انس سے کہا بھائی تم اب اپنے گھر جاؤ (اور مجھے یہیں چھوڑ دو)۔
انس کہتے تھے کہ میں حضرتؑ کے پاس سے کھسک گیا مگر قریب ہی ایک جگہ چھپ کر
دیکھنے لگا کہ حضرتؑ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے وہاں نمازیں پڑھنی
شروع کیں۔ اسکے بعد خدا سے اس طرح مناجات کرنے لگے ؎

یا رب یا رب انت مولاه ؞ فارحم عبیداً الیک ملجاه
یا ذا المعالی علیک معتمدی ؞ طوبیٰ لمن کنت انت مولاه
طوبیٰ لمن کان خائفاً ارقا ؞ یشکو الی ذی الجلال بلواه
وما به علة ولا سقم ؞ اکثر من حبه لمولاه
اذا اشتکیٰ بثه وغصته ؞ اجابه الله ثم لباه
اذا ابتلی بالظلام مبتهلا ؞ اکرمه الله ثم ادناه

اے میرے رب۔ اے میرے رب تو ہی میرا آقا اور مولا ہے۔ پس تو اپنے اس حقیر
بندے پر رحم فرما جو تیری پناہ چاہتا ہے۔ اے بلندیوں والے تجھ ہی پر میرا بھروسہ

ہے۔ جس کا تو مولا ہو گیا اُسکی خوش قسمتی کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ جو بندہ ہوشیار اور بیدار رہے اور تجھ ہی ایسے ذوالجلال والاکرام سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرے وہ کیسا مبارک اور نیک بخت ہے۔ اس کو کوئی شکایت اور مرض اپنے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جب وہ اس سے اپنے غم واندوہ کی شکایت کرے تو فوراً اللہ اسکی دعا قبول کرلے۔ اور اسکے استغاثہ پر لبیک کہنے لگے۔ اور جب وہ اندھیری رات میں اسکی درگاہ میں گڑگڑائے تو اللہ اسکی عزت بڑھا دے اور اسکو اپنے دربار میں مقرب کرلے۔

حضرتؑ کی مناجاۃ ابھی یہیں تک پہونچی تھی کہ خدا کی طرف سے ہاتف غیبی نے اس طرح جواب دیا ؎

لبیک عبدی وانت فی کنفی ∴ وکلما قلت قد علمناہ

صوتک تشتاقہ ملائکتی ∴ فحسبک الصوت قد سمعناہ

دعاءک عندی یجول فی حجب ∴ فحسبک الستر قد سفرناہ

لو هبت الریح من جوانبہ ∴ خر صریعا لما تغشاہ

سلنی بلا رغبۃ ولا رھب ∴ ولا حساب انی انا اللہ

اے میرے بندے میں تیرے لئے حاضر ہوں تو میری خاص بارگاہ میں داخل ہو گیا اور جو کچھ تو نے کہا وہ سب میں نے سن لیا۔ تیری آواز اتنی پیاری ہے کہ میرے فرشتے اسکے مشتاق رہتے ہیں۔ تو نے اپنی آواز سے اس وقت جو مناجاۃ کی وہ سب میں نے خوب سن لی۔ تیری دعا میرے ہاں حجابوں میں جولانیاں کر رہی ہے۔ تو نے جو دعا کی اسی قدر کافی ہے۔ میں نے تیرے اوپر سے تردد کے پردے ہٹا دیئے۔ اگر اسکے اطراف وجوانب سے ہوائیں چلیں تو لوگوں پر اس سے ایسی کیفیت طاری ہو جس سے وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے بغیر کسی بات کی پروا یا خوف یا حساب (کے خیال) کے مانگ لے۔ کیونکہ یقیناً میں اللہ ہوں (مناقب جلد ۴ صـ۲ وبحار الانوار جلد ۱۰ صـ۱۴۴)

حضرتؑ کی شہادت کی پیشین گوئیاں

جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے امام حسینؑ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ اسکو

مجبور کرینگے تو اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔ اُسی طرح خدا و رسولؐ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی تھی کہ حضرتؐ کی امت آپ کو قتل کرڈالے گی مثلاً مشکوۃ میں ہے کہ ایک بی بی ام الفضل بنت حارث ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس گئیں اور کہا اے رسولخدا میں نے آج کی رات ایک بُرا خواب دیکھا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا دیکھا۔ کہا یا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا سُنوں بھی تو کہ کیا دیکھا۔ انھوں نے کہا میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا ہے۔ یہ سُنکر حضرت رسولخدا نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے اگر خدا نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہیگا۔ غرض جناب فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوئے اور میری گود میں رہنے لگے اور وہی ہوا جو حضرت رسولخدا نے فرمایا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میں حسینؑ کو لے کر آنحضرتؐ کے پاس گئی اور انھیں حضرتؐ کی گود میں رکھکر دوسری طرف متوجہ ہوگئی۔ اب جو مُڑی تو دیکھا کہ حضرت رسولخدا کی دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو دریا جاری ہیں۔ ام الفضل نے کہا اے رسولخدا آپ پر میرے باپ ماں فدا ہوں آپ رونے کیوں لگے؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت بہت جلد میرے اس فرزند کو قتل کر دیگی۔ میں نے کہا یا حضرتؐ کیا اس فرزند کو؟ حضرت نے فرمایا ہاں اور وہ میرے پاس انکے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے (مشکوۃ مطبوعہ لاہور جلد ۸ صفحہ ۱۴۰) اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت سی کثرت سے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر تھی اور حضرت دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرماتے تھے۔

بیعت یزید کے لئے معویہ کی کوشش

حضرت امام حسنؑ کو معویہ نے بار بار زہر دلوا کر شہید کرادیا اور اُسی وقت سے اسکی کوشش کرنے لگا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنا دے۔ تمام بخت و پز کر کے اس نے پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے لی اور ۵۶ ہجری میں ہزار سواروں کی جمعیت سے حجاز کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب پہونچا تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی آپ کو دیکھکر معویہ نے کہا خوشی اور بھلائی نہ ہو اُس شتر قربانی کو جس کا خون پھڑک رہا ہے

اور اللہ اس کا خون بہانے والا ہے۔ امام حسینؑ نے کہا اے معویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سزاوار نہیں ہوں۔ معویہ نے بد زبانی کی اور کہا بلکہ اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہو۔ بعد ازاں مدینہ میں پھر مکہ میں جاکر اور لوگوں کو تلوار کا خوف دلا کر جبراً بیعت لے لی۔ مگر حضرت امام حسین علیہ السّلام کے استقلال میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونے پایا۔

اروےٰ بنت حارث اور معویہ کی گفتگو

اس زمانہ میں تقریباً ہر شخص معویہ سے نفرت کرتا اور منہ پر اُسکو ظالم و غاصب کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک معظمہ اروےٰ جو حارث کی بیٹی تھیں (اور بہت بوڑھی ہو چکی تھیں) معویہ کے پاس آئیں اور اُن سے اور معویہ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں:-

معویہ- مرحبا اے خالہ۔ کہو کیسی ہو۔

اروےٰ- اے بھانجے اچھی ہوں۔ تونے کفران نعمت کرکے اپنے ابن عم (حضرت علیؑ) کے ساتھ بدی کی۔ اور اپنے لئے تونے وہ لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہیں ہوسکتا اور اہلبیتؑ سے وہ حق لے لیا جس کا تو مستحق نہیں تھا۔ اے معویہ اس دین میں مصائب و آفات کے لحاظ سے اہلبیتؑ رسولؐ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب خدا نے رسولؐ مقبول کو اپنے پاس بلالیا تو انکے بعد بنی تیم اور بنی عدی (یعنی خاندان ابوبکر و عمر والے) اور بنی امیہ نے جھپٹ کر خاندان رسولؐ سے ان کا حق چھین لیا اور تم لوگ ہم پر حاکم بن بیٹھے۔ حالانکہ اہلبیتؑ کا مرتبہ تم سب میں ایسا تھا جیسا بنی اسرائیل کا مرتبہ آل فرعون میں۔ اور حضرت رسولؐ خدا کے ساتھ حضرت علیؑ کی وہ منزلت تھی جو حضرت موسٰیؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کی تھی۔

(یہ سُنکر معویہ کے وزیر عمرو عاص نے کہا)

عمرو عاص- اے گمراہ ضعیفہ چپ اور بیہودہ گوئی ختم کر۔ تیری عقل سلب ہوگئی ہے۔

اروےٰ- اے زنِ باغیہ کے فرزند! تو مجھ سے باتیں کرنے کی جرأت کرتا ہے؟ اور اپنی حقیقت کو نہیں دیکھتا کہ تیری ماں مکہ میں مشہور زناکار عورت تھی اور سستی اجرت پر اپنی عفت و حرمت بیچا کرتی تھی۔ چنانچہ تجھ پر پانچ مردوں نے دعوے کیا تھا اور اُن میں سے ہر شخص تجھے اپنا ہی بیٹا کہتا تھا۔ آخر کار تیری ماں سے پوچھا گیا تو اُس نے جواب دیا

کہ مجھ سے ان پانچوں آدمیوں سے تعلق رہتا تھا۔ اب پانچوں شخصوں کی صورت سے اس لڑکے کی صورت ملاؤ اور جس سے مشابہ پاؤ اُس کا بیٹا قرار دے دو۔ تب تو عاص بن وائل کے ساتھ زیادہ مشابہ ہونے کی وجہ سے اُس کا لڑکا قرار دیا گیا۔

(اروے کا یہ کلام سنکر)

معویہ۔ گزشتہ باتوں کا ذکر نہ کرو۔ اللہ نے اس کو معاف کردیا (تاریخ ابوالفدا جلد صفحہ ۱۸۸ و روضۃ المناظر جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۴)

حضرتؑ پر یزید کی سختی

ماہ رجب سنہ ۶۰ ہجری میں معویہ نے انتقال کیا اور یزید خلیفہ ہوا جو ظالم۔ بے رحم۔ دغاباز تھا۔ گانے بجانے۔ ناچ رنگ۔ اور شراب خواری ہی میں دن رات بسر کرتا تھا۔ اس کے مصاحب کمینہ اور بدکار تھے۔ علماء دین کی توہین اس طرح کرتا کہ جہاں جاتا ایک سجائے ہوئے شامی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے ایسے کپڑے پہنا کر ساتھ لئے پھرتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مدینہ کے حاکم ولید بن عتبہ کو فرمان بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ۔ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے میری بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو ان کے سر روانہ کردو۔ عبداللہ بن عمر نے فوراً بیعت کرلی۔ لیکن ابن زبیر اور امام حسینؑ نے انکار کیا اور حاکم مدینہ کی سختی پر مکہ معظمہ چلے آنے کا ارادہ کیا۔ امام حسینؑ نے شب کو روضۂ رسولؐ پر حاضر ہوکر زیارت پڑھی اور حضرتؐ کی امت کے برتاؤ کو ذکر کیا۔ پھر رات بھر نماز میں مشغول رہکر صبح کو واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر گئے اور قبر مبارک پر سر رکھکر سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ رسولخدا صلعم نے مع جماعت ملائکہ تشریف لاکر امام حسینؑ کا سر اپنے سینے پر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا بیٹا میں دیکھتا ہوں عنقریب میری امت تم کو کربلا میں قتل کریگی۔ حضرتؑ نے فرمایا اے نانا مجھے دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ اس قبر میں رکھ لیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا نہیں ابھی تم کو دنیا میں رہنا ضروری ہے تاکہ درجۂ شہادت پر فائز ہو۔ حضرتؑ بیدار ہوئے تو اب مکہ معظمہ کا پختہ ارادہ کرلیا اور ۲۸ رجب کو مدینہ سے نکل کر اس خیال سے مکہ میں آرہے کہ خانۂ خدا میں کسی کو ستانا منع ہے۔ یہاں امن ملیگا۔ مکہ معظمہ میں ۳ شعبان کو حضرتؑ پہونچ گئے۔ یہاں آکر عبداللہ بن زبیر

توخلافت حاصل کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہوگئے اور امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کے بیشمار خطوط آنے شروع ہوگئے۔ جنھوں نے بنی امیہ کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے اور حضرت کو اپنا امام و پیشوا بنانے کی غرض سے طلب کیا۔ حضرتؑ نے پہلے تو اُن خطوط کا کچھ جواب نہیں دیا مگر کوفیوں نے حضرت کو لکھا کہ یا ابن رسول اللہ، ہم بنو امیہ کے ظلم وستم سے عاجز آگئے ہیں اور یزید کی بدکاریوں اور خلاف شریعت افعال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لاکر ہماری امامت قبول فرمائیں۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیش خدا آپ کے گریباں گیر ہونگے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کے لئے بلایا اور وہ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے بکثرت خطوط پہونچے تو آپ پر کوفہ جانا ضروری ہوگیا۔ کیونکہ اُن لوگوں نے حجت قائم کردی تھی۔ آپ کے بعض اعزہ نے منع بھی کیا مگر حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلعم نے عالم خواب میں ایک حکم دیا ہے اور اسکی تعمیل مجھے ضروری ہے۔ پس آپ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا جن کے پہونچتے ہی ۱۸ یا ۳۰ ہزار کوفیوں نے بیعت کرلی۔ پھر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو حضرتؑ بھی اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیکر مکہ سے کوفہ روانہ ہوگئے۔ یزید ان حالات پر مطلع ہوا تو ابن زیاد حاکم بصرہ کو تاکیدی حکم بھیجی کہ جلد کوفہ جاکر مسلم بن عقیل کو قتل کر۔ ابن زیاد فوراً کوفہ پہونچا اور لوگوں کو ڈرا کر جناب مسلم سے جدا کرنے لگا۔ ۸ ذی الحجہ تک سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ۹ ذی الحجہ کو آپ نے تن تنہا لشکر ابن زیاد سے یادگار جنگ کی۔ تین ہزار کی لشکر نے آپکی جائے قیام کو گھیر لیا۔ اُس پر آپ تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور سب کو بھگا دیا۔ دوبارہ وہ لوگ حملہ آور ہوئے آپ نے پھر حملے کرکے سب کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ آپ ایسے قوی تھے کہ ابن زیاد کے سپاہیوں کی کمر ہاتھ سے پکڑ کر آسمان کی طرف پھینکتے اور وہ مثل گیند کے گرتے تھے۔ جس طرف حملہ کرتے لشکر ابن زیاد اس طرح بھاگتا جس طرح شیر کے حملہ سے بکریاں بھاگتی ہیں [۱]

[۱] جناب مسلم کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ملی تو ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے اور مثل شیر اُس فوج پر حملہ آور ہو کر سب کو قتل کرنے لگے۔ تب سردار فوج نے ابن زیاد سے کمک طلب کی۔ اُس نے کہلایا میں نے تجھکو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کو بھیجا اور اُس نے تم سب کو اس طرح تہ وبالا کر دیا؟

جب کسی طرح وہ لوگ مقابلہ پر نہ جم سکے تو دھوکا فریب کی صورت نکالی۔ راہ میں ایک گڑھا کھود کر اس کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ جناب مسلم کو گڈھے کی خبر نہیں تھی۔ لڑتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے کہ اسی گڈھے میں گر گئے۔ پھر کیا تھا فوج آپ پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ مشکیں باندھکر دربار ابن زیاد میں لے گئے۔ پھر اسکے حکم سے آپ کو کوٹھے پر لے گئے قتل کر کے سر کاٹ لیا۔ اور دھڑ کو کوٹھے سے نیچے گرا دیا۔ یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ سنہ۶۰ ہجری کا ہے۔ اس کے بعد آپ کے دونوں مظلوم بچے محمد اور ابراہیم بھی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو جو بتاریخ ۸ ذی الحجہ عراق کی طرف روانہ ہوگئے تھے ان واقعات کی اطلاع مقام ثعلبیہ میں ہوئی جو کوفہ سے قریب تھا۔ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ابن زیاد کا سردار فوج حر بن یزید ریاحی دو ہزار سواروں کے ساتھ پہونچکر امام حسین علیہ السّلام کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا اور کہا میں آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے چلنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ غرض حر کے ساتھ حضرتؑ آگے بڑھے تو راہ میں ابن زیاد کا خط حر کے نام اس مضمون کا آیا کہ حسینؑ کو ایسی جگہ روکو جہاں پانی نہ ہو۔ چنانچہ حضرت کربلا میں ۲ محرم سنہ۶۱ ہجری کو اتر پڑے۔ دوسرے یا تیسرے دن عمر بن سعد کوفہ سے بہت بڑی فوج کے ساتھ کربلا پہونچا۔ پھر شمر بھی آپہونچا اور ساتویں سے عمرو بن الحجاج بڑی فوج کے ساتھ گھاٹ پر اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ وہ لوگ امام حسینؑ اور ان کے ساتھ والوں کو پانی لے جانے سے روکیں۔ غرض امام حسینؑ پر ہر ساعت ظلم و تعدی بڑھتی گئی۔ بچے پیاس سے تڑپنے لگے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔ جناب زینبؑ و ام کلثوم بھائی کے مصائب پر سخت پریشان تھیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ نہایت استقلال سے اسلام کی حفاظت پر آمادہ تھے۔ بار بار ابن زیاد اور عمر سعد کی طرف سے پیغام آتا تھا کہ بیعت یزید کر لیجئے تو ہر مصیبت سے نجات ملے مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴) تو سردار فوج نے ابن زیاد کے ہاں کہلا یا کہ کیا تو نے مجھے کسی بقال یا حلوائی سے لڑنے کو بھیجا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے اس شیر ببر کے مقابلہ کو بھیجا ہے جو اپنی تیغ براں سے بڑے بڑے بہادروں کا خون گرا دیتا ہے (روضۃ الشہداء)

حضرتؑ خدا اور رسولؐ کی مرضی کے خلاف کسی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ شمر نے کربلا میں پہونچکر حضرت عباسؑ اور اُن کے بھائیوں کو بُلا بھیجا اور کہا میں تم کو امان دیتا ہوں۔ جناب عباس نے فرمایا خدا تجھ پر اور تیری امان پر بھی لعنت کرے۔ اے بے حیا تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں ہے؟ پھر واپس چلے آئے۔ ۹ محرم سہ پہر کو عمر سعد اپنی فوج لے کر حضرتؑ کی طرف بڑھا۔ حضرتؑ اپنے خیمے کے آگے سر بزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ حضرت زینب نے لشکر مخالف کی آواز سنکر امام حسینؑ کو جگا دیا۔ آپ نے سر اُٹھا کر فرمایا اے بہن اس وقت نانا نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ تم ہمارے پاس آرہے ہو۔ یہ سُنتے ہی حضرت زینبؑ نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا ہائے یہ کیا مصیبت ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بہن کچھ مصیبت نہیں ہے۔ پھر جناب عباسؑ نے کہا اے بھائی دشمن آپہونچے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں سوار ہوتا ہوں۔ یہ کہکر اٹھے مگر جناب عباسؑ نے عرض کی آپ زحمت نہ فرمائیں۔ میں جاتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا سوار ہو اور جاکر ان سے دریافت کرو کہ کیوں آئے ہو۔ جناب عباسؑ گئے تو وہ لوگ رُک گئے اور آپ نے واپس آکر کہا کہ لشکر مخالف کہتا ہے یا بیعت یزید کرو یا ہم سے لڑو۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر ممکن ہو تو پھر جاکر ان لوگوں سے کل صبح تک کی مہلت مانگو تاکہ آج کی شب ہم لوگ عبادت الٰہی اور دعا و استغفار میں بسر کریں۔ حضرت عباسؑ مکرر گئے شب بھر کی مہلت لے کر پلٹے اور لشکر عمر سعد واپس گیا۔ شب عاشورا حضرتؑ نے اپنے اصحاب و اعزہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اپنے اصحاب و اعزہ سے زیادہ وفادار اور پرہیزگار کسی دوسرے کے اصحاب و اعزہ کو نہیں پاتا۔ خدا تم سب کو میری جانب سے جزاے خیر عطا فرمائے۔ اب میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ کہ دشمن کا مطلب صرف مجھ سے ہے۔ یہ تقریر سنکر حضرتؑ کے بھائی بیٹے۔ بھتیجے۔ بھانجے اور اصحاب نے جانے سے انکار کیا۔ یہاں تک لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں یہ جان لوں کہ آپکی رفاقت میں قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا اور زندہ ہونے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جاؤں گا اور اسی طرح ستر بار میرے ساتھ کیا جائیگا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ پہ اپنی جان نثار کروں۔ اس پر حضرتؑ نے ان لوگوں کے حق میں دعاے خیر

فرمائی۔ پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر زمین میں لکڑی بھر دی تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہونچ سکیں (جیساکہ حضرت رسولخدا نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا)۔ پھر امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب تمام رات نماز و استغفار و دعا و تضرع میں مشغول رہے۔ میدان کربلا میں اُس شب اُن حضرات کی عبادت کی آواز اس طرح گونجتی رہی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ ۱۰ محرم (روز عاشورا) صبح کو لشکر ابن سعد نے جسکی تعداد ۲۲ ہزار سے ۴۰ ہزار تک بیان کی جاتی ہے حضرتؑ کے لشکر پر جس میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے یا کچھ زیادہ تھے حملہ کر دیا۔ حضرتؑ صفِ اعداء کے مقابل آئے اور اُن لوگوں کو بہت سمجھایا کہ کیوں میرا خون ناحق بہاتے ہو۔ کئی بار حضرتؑ نے وعظ و پند کا فرض ادا کیا۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسینؑ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے نہیں سُنا جو حسینؑ کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۲) امام حسینؑ کا خطبہ سُنکر حر بن یزید ریاحی امام حسینؑ کی طرف چلے آئے اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔ پھر اصحاب امام حسینؑ یکے بعد دیگرے جہاد کر کے شہید ہوتے رہے مگر شہید ہونے سے پہلے ایک ایک صحابی بیس پچیس پچاس دشمنوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ مثلاً مسلم بن عوسجہ مخالف کے ۵۶ شخصوں کو ہلاک کر کے شہید ہوئے۔ اسکے بعد شمر نے لشکرِ امام حسینؑ پر ہر طرف سے حملہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر امام حسینؑ کے اصحاب نے لشکرِ اعداء سے خوب جنگ کی اور اگرچہ وہ کل ۳۲ سوار تھے مگر جس طرف رخ کرتے صفِ اعدا کو درہم و برہم کر دیتے تھے۔ یہ حال دیکھکر عزرہ بن قیس نے عمر سعد سے کہلا بھیجا کہ تم دیکھتے نہیں ان معدودے چند حسینی لشکر والوں نے ہماری افواج پر کیا آفت برپا کر رکھی ہے۔ اب جلد اور سپاہیوں اور تیر اندازوں کو مدد کے لئے بھیجو (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۵) اصحاب امام حسینؑ نے مخالفین سے دو پہر تک ایسی شدید جنگ کی جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ سوا ایک سمت کے اور کسی طرف سے حملہ کر سکیں۔ پھر عمر نے خیام کی جانب بڑھکر آواز دی کہ میرے پاس آگ لاؤ تاکہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سُن کر مخدراتِ عصمت چلا اٹھیں

تو امام حسینؑ نے شمر کو للکارا کہ کیا تو میرے خیام اور اہل و عیال کو جلائیگا؟ آخر شمر باز رہا۔
دوران جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا تو ابو ثمامہ صائدی نے حضرتؑ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے حضور کے ساتھ یہ نماز ادا کرکے میں خدا سے ملاقات کروں۔ یہ سن کر حضرتؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا اللہ تم کو مصلیین ذاکرین کا درجہ عطا کرے کہ تم نے نماز کا ذکر کیا۔ بیشک یہ اول وقت نماز کا ہے مخالفین سے کہو کہ ہم کو نماز کی مہلت دیں۔ حصین بن نمیر بولا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ اس پر حبیب ابن مظاہر نے غضب ناک ہوکر حصین کو ڈانٹا تو اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ جنگ چھڑ گئی اور آخر حبیب شہید ہوئے جس سے امام حسینؑ بہت ہی شکست اور افسردہ ہوگئے۔ پھر حُر اور زہیر بن قین نے دشمنوں سے خوب ہی جہاد کیا۔ یہ دیکھکر شمر نے آواز دی کہ سب مل کر حُر کو گھیر لیں جسکے بعد وہ گھوڑے سے گرے اور آواز دی کہ اے فرزند رسولؐ اس جان نثار کی خبر لیجئے۔ امام حسینؑ میدان جنگ میں جا کر حُر کو اُٹھا لائے اور اُن کا سر اپنے زانو پر رکھکر آستین سے ان کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حُر میں جان باقی تھی۔ اپنا سر حضرتؑ کی گود میں دیکھکر خوش ہوگئے اور کہا اے فرزند رسولؐ آپ مجھ سے راضی ہیں؟ امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور میرا خدا بھی۔ حُر نے یہ بشارت سُنکر خلد بریں کی راہ لی۔ پھر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ظہر بعنوان صلوۃ خوف پڑھی مگر اعداء دین شدید نرغہ کرکے حضرتؑ کی جانب تیر برسانے لگے تو سعید بن عبداللہ اور زہیر بن القین حضرتؑ کے آگے کھڑے ہوگئے کہ جو تیر آئیں ان کو اپنے جسم پر لیں امام حسینؑ تک نہ پہونچنے دیں۔ چنانچہ اس قدر تیر سعید بن عبداللہ کے بدن پر لگے کہ وہ گر کر شہید ہوگئے اور زہیر بھی شہید ہوئے۔ اصحاب کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بہادر جہاد کرکے شہید ہونے لگے۔ جن میں حضرت قاسم بن امام حسنؑ بھی تھے۔ باوجودیکہ وہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے مگر ۳۰ پیادے اور ۵۰ سوار تہ تیغ کر دیئے۔ یہ حال دیکھکر اعداء نے ایسی تیر باری کی کہ حضرت قاسم کا گھوڑا بیکار ہوگیا پھر جناب قاسمؑ مجروح ہوکر گرے اور آواز دی اے عم محترم میری خبر لیجئے۔ حضرتؑ شکاری پرندکی طرح جھپٹ کر ان کے پاس پہونچے اور مثل شیر غضب ناک حملہ آور ہوئے مگر افسوس جناب قاسمؑ کی لاش پامال ہوگئی۔ پھر حضرت عباسؑ نے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں عبداللہ و جعفر

وعثمان کو آمادہ کیا کہ جا کر جہاد کریں اور امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کریں۔ تینوں بہادر شہید ہو گئے تو خود حضرت عباسؑ آمادہ ہوئے (آپکی شہادت کا واقعہ صفحہ ۲۹۳ میں گزر چکا ہے) پھر جناب علی اکبرؑ آمادۂ جہاد ہوئے تو حضرتؑ نے ان کے بدن پر ہتھیار لگائے۔ زرہ اور جوشن پہنایا۔ حضرت علیؑ کا کمر بند زیب کمر کر کے خود فولادی سر پر رکھا اور اسپ عقاب پر سوار کیا۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا تو گواہ رہنا اب ان سے لڑنے کو وہ جوان جاتا ہے جو صورت سیرت رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ اور میں جب حضرتؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ لیتا تھا غرض آپ میدانِ کارزار میں پہونچے۔ آپکی عمر اُس وقت ۱۸ سال کی تھی چہرہ آفتاب ایسا تھا۔ میدانِ قتال آپ کے نور جمال سے منور ہو گیا۔ آپ فوج میں گھس پڑے اور جس طرف رخ کرتے کشتوں کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ ۱۲۰ آدمیوں کو قتل کر کے جب پیاس شدید ہوئی تو امام حسینؑ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے اے باباجان پیاس مجھے مارے ڈالتی ہے اور ہتھیاروں کی گرانی پریشان کرتی ہے۔ اگر تھوڑا پانی مل جاتا تو اس قوم جفاکار کو اسکے ظلم و ستم کا مزہ چکھا دیتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنی زبان میرے منہ میں دے دو۔ آپ نے زبان دی اور پھر فوراً کھینچ کر کہا اے بابا آپکی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر دوبارہ میدانِ جنگ میں جا کر لڑنے لگے۔ عمر سعد نے محکم اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ آپ سے لڑنے کو بھیجا۔ آپ نے ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ سب پسپا ہو گئے۔ اس دفعہ بھی آپ نے ۸۰ شخصوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھکر اشقیاء نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور نیزہ و تیر و شمشیر سے زخمی کرنا شروع کیا۔ آپ زخموں سے چور چور ہو کر گرے اور حضرتؑ کو آواز دی۔ حضرتؑ میدان جنگ میں پہونچے اور بیٹے کی لاش در خیمہ پر اٹھا لائے۔ حضرتؑ فرماتے تھے اے فرزند! تمہارے بعد زندگانی دنیا پر خاک ہے۔ پھر حضرتؑ اپنے چھوٹے بچے علی اصغر کو لائے اور دشمنوں سے کہا کہ پیاس سے یہ جاں بلب ہے اس کو پانی پلا دو۔ عمر بن سعد نے حرملہ سے کہا امام حسینؑ کی بات کاٹ دے۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ علی اصغر امامؑ کے ہاتھ پر تڑپ کر شہید ہو گئے۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اُس ظالم نے پہلے علی اصغر کو تیر مارا

پھر خنجر سے ذبح کیا (تاریخ کامل جلد ۴ صا۳) حضرتؑ نے وہ تیر علی اصغرؑ کے حلق سے کھینچکر پھینک دیا اور اس طفل معصوم کا خون بطور کفن کے ان کے بدن پر ملکر فرمایا تمہارا مرتبہ خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے بڑھکر ہے (تاریخ یعقوبی) پھر حضرتؑ نے اپنی تلوار سے تھوڑی زمین کھود کر علی اصغرؑ کو دفن کر دیا (روضۃ الصفا جلد ۳ صا۷)

اب حضرتؑ نے آوازِ استغاثہ بلند کی تو امام زین العابدینؑ عصا پر ٹیکتے اور تلوار کھینچتے ہوئے بے اختیار خیمہ سے نکل پڑے مگر حضرتؑ نے دیکھ لیا تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرمایا ان کو پکڑ کر اندر لے جاؤ ایسا نہ ہو کہ نسل آل محمدؐ سے دنیا خالی ہو جائے۔ جناب ام کلثوم کسی طرح آپ کو خیمہ میں واپس لے گئیں۔ حضرتؑ نے پھر استغاثہ بلند کیا تو اب حضرتؑ کے بھتیجے عبد اللہ بن امام حسنؑ نکل پڑے اور دوڑے ہوئے چچا کے پاس پہونچ گئے۔ وہاں ایک شقی نے اس بچے کو بھی حضرتؑ کی گود میں ذبح کر ڈالا۔ جب حضرت امام حسینؑ خود جہاد کے لئے آمادہ ہوئے تو ایک پرانا کپڑا منگایا اور اُس کو جا بجا سے چاک کر کے پہنا تاکہ آپکی شہادت کے بعد دشمن اسکے لئے طمع نہ کریں۔ اتنے میں دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ لیکن جب امام حسینؑ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے تو اُس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیتے تھے اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو اُن سب کو مار کر ہٹا دیتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت قدم اور قوی دل کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جو ہر طرح مغلوب ہو چکا ہو اور جسکے بھائی بھتیجے۔ عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے ہوں۔ بخدا دشمنوں کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی جس طرح بھیڑیئے کے حملہ کرنے سے بکریاں بھاگتی ہیں (تاریخ طبری جلد ۶ صا۲۵۹) اسی اثنار میں حضرت زینبؑ باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ کاش اس وقت آسمان زمین پر گر پڑے۔ اے عمر بن سعد امام حسینؑ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھتا ہے۔ یہ سنکر عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ منہ پھیر کر رونے لگا۔ تھوڑی دیر میں حضرتؑ گھوڑے سے گر پڑے اور غروب آفتاب سے پہلے ہی حضرتؑ کا سر مبارک جسد اطہر سے جدا کر لیا گیا۔ حضرتؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے حضرتؑ کا لباس اُتار لیا۔ حتے کہ پیرجامہ تک بدن پر نہ رہنے دیا۔ کل مال و متاع لوٹ لیا یہاں تک کہ عورتوں

کے سروں کی چادریں بھی چھین لیں۔ پھر امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ حضرتؑ کے واقعہ شہادت پر مدینہ میں سب سے پہلے حضرت ام سلمہ نے نوحہ و بکا کیا کیونکہ رسولِ مقبول نے ان کو ایک شیشہ پُر از خاک کربلا دیکر فرمایا تھا کہ جس وقت یہ مٹی خونِ تازہ ہو جائے سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہوئے۔ چنانچہ جب بروز عاشورا ام سلمہ نے خواب میں رسول اللہ کو اس حال سے دیکھا کہ رو رہے ہیں اور حضرتؐ کے سر اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے تو پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میں مقتل حسینؑ پر گیا تھا۔ یہ خواب دیکھکر جناب ام سلمہ بیدار ہوئیں تو رونے لگیں اور اُس شیشہ کو دیکھا کہ وہ خاک خون ہو گئی تو ام سلمہ نے واحسینا کی صدا بلند کی اور ان کی صدائے واویلا سُنکر عوراتِ مدینہ میں ایسا شور ماتم برپا ہوا کہ کبھی نہیں سنا گیا تھا (تاریخ یعقوبی)۔

معتبر مورخین اسلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۷) یہ بھی علمائے محققین نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے خون برس رہا ہے روز شہادت امام حسینؑ بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا (سر الشہادتین ص ۹۳)

علامہ سیوطی وغیرہ نے آیہ فما بکت علیہم السماء کے ماتحت لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو چار مہینے تک آسمان سُرخ رہا۔ عطا کہتے تھے کہ آسمان کے رونے سے اسکے کناروں کا سُرخ ہو جانا مراد ہے۔ اور جمیل بن مرہ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اونٹ یزید کے لشکر والے پکڑ لے گئے اور ذبح کرنے کے بعد پکا کر چکھا تو وہ گوشت مثل حنظل کے کڑوا ہو گیا تھا جس کو کوئی بھی کھا نہ سکا (سر الشہادتین ص ۹۵)

بعد شہادت لشکر ابن سعد نے امام حسینؑ کے خیموں میں آگ لگا دی پھر دو روز وہیں رہا اور اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر شہدائے امام حسینؑ کی لاشیں اسی طرح چھوڑ دیں۔ جب وہ کربلا سے روانہ ہو گیا تو نزدیک پاس کے مسلمانوں نے ان حضرات کی لاشیں دفن کیں۔ جب عمر سعد مخدرات اہلبیتؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ کو قیدی بنا کر اور ساتھ لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور یہ قافلہ اُدھر سے گزرا جہاں امام حسینؑ اور حضرتؑ کے اعزہ و احباب

کی لاشیں پڑی تھیں تو جناب زینبؑ وغیرہ ان لاشوں کو دیکھکر نوحہ و بکا کرنے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگیں اور فریاد کرتی تھیں کہ اے نانا آپ کا حسینؑ جلتی ریت پر پڑا ہے۔ آپکی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں اور آپکی ذریت مقتول ہوئی (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۳) یہ قیدی قافلہ کربلا سے چلکر کوفہ میں پہونچا۔ جب دربار ابن زیاد میں داخل ہوا تو ابن زیاد امام حسینؑ کے سر کو سامنے رکھکر حضرتؑ کے لب و دندان پر چھڑی لگانے لگا۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ وہاں موجود تھے بگڑ گئے اور کہا اے ابن زیاد اپنی چھڑی ہٹالے۔ واللہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں اور ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۳) ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ خدا نے یزید کو فتح دی اور کذاب بن کذاب حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ یہ سنکر عبداللہ بن عفیف ازدی نے کہا کہ اے مرجانہ کے بیٹے (حسینؑ بن علیؑ کذاب تھے بلکہ) تو خود کذاب تیرا باپ کذاب تیرا دہ (یزید) کذاب اور اس کا باپ کذاب جس نے تجھکو یہاں کا حاکم بنایا ہے۔ اے ابن مرجانہ تو اولاد نبیؐ کو قتل کرتا ہے اور صدیقوں ایسی باتیں بناتا ہے۔ یہ سنکر ابن زیاد نے غصہ میں کہا کہ اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ۔ لوگ بیچارے کو پکڑ لے گئے اس نے ان کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا اور امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کی گلیوں میں پھرایا (تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۲۶۴ و کامل جلد ۴ صہ ۳۴) جب امام حسینؑ کا سر مبارک نیزے پر بلند کر کے پھرایا جانے لگا تو ایک جگہ سے گزرا جہاں کوئی شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا تھا جب وہ اس آیۃ پر پہونچا کہ ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا (کیا تم جانتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی عجیب و غریب نشانیوں سے تھے) تو خدا نے امام حسینؑ کے سرِ مبارک کو گویا کیا جس نے فصیح زبان سے کہا اعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی میرا قتل اور میرے سر کا نیزے پر تمام پھرایا جانا اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب و غریب ہے (سر الشہادتین صہ ۹۹)۔ اسکے بعد ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر اور مخدرات اہلبیتؑ کو شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے حضرت امام حسینؑ اور دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۴) اس سفر میں ایک جگہ لوگوں نے ایک دیر کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ؎ اترجوا امۃ قتلت حسینا۔ شفاعۃ

جدّہ یوم الحساب (جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ بروز قیامت اُنکے نانا اُن کی شفاعت کرینگے) لوگوں نے اس دیر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اُس نے کہا یہ اِس زمانہ کا نہیں ہے بلکہ تمہارے پیغمبرؐ (محمد مصطفیٰؐ) کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۳) جب یہ حضرات ملک شام در بار یزید میں پہونچے تو۔ یزید ایک طشت میں حضرتؑ کا سر رکھکر حضرتؑ کے دانتوں پر چھڑی لگانے لگا۔ یہ دیکھکر ایک صحابی رسولؐ ابو برزہ سلمی سے نہ رہا گیا۔ بگڑ کر کہا اے یزید اپنی چھڑی کو ان دانتوں پر سے ہٹالے۔ میں نے بارہا رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں کو چوستے تھے۔ اے یزید اس کو بھی جان لے کہ جب تو بروز قیامت میدانِ حشر میں آئیگا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور امام حسینؑ کے شفیع ان کے جد حضرت رسولِ خدا ہونگے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵) یزید حضرتؑ کے دانتوں کو چھڑی سے مارکر یہ کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شہدوا ؛ جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا واستھلوا فرحا ؛ ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القرم من ساداتھم ؛ وعدلنا قتل بدر فاعتدل

لست من عتبۃ ان لم انتقم ؛ من بنی احمد ما کان فعل

لعبت ھاشم بالملک فلا ؛ ملک جاء ولا وحی نزل

کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہوکر مجھکو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لے لیا اور مجھکو دعا دیتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ بیکار نہ ہو۔ میں نے اُن کے چُنے ہوئے بزرگوں اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا اور جنگ بدر کا انتقام لیا تو عوض پورا ہوگیا۔ محمدؐ نے جو کچھ کیا تھا اگر میں اُن سب کا انتقام اُن کی اولاد سے نہ لیتا تو بے شک عتبہ کی نسل میں شمار ہونے کے قابل نہ رہتا۔ در حقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان (محمدؐ) کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸ وغیرہ) یزید نے کچھ دنوں ان حضرات کو قید رکھا پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں آلِ رسولؐ کی حمایت میں فساد

نہ پھیل جائے ان کو رہا کر دیا۔ اور نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ سامان سفر کر کے اہلبیتؑ رسالت کو مدینہ پہونچا دے ۔ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ اے فرزند رسُول آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہی حال جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کا تھا کہ لوگ ہماری اولاد کو قتل کرتے ہیں ۔ ہمارے سردار اور بزرگ کو بر سر منبر بُرا کہتے ہیں اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے (طبقات ابن سعد)۔ کتابوں سے اس امر کا صحیح پتا نہیں چلتا کہ حضرات اہلبیتؑ کوفہ سے کب روانہ ہوئے ۔ شام کب پہونچے ۔ وہاں سے کب رہا ہوئے اور مدینہ میں کس تاریخ کو واپس آئے ۔ اور نہ اس کا یقینی پتا چلتا ہے کہ سر مبارک کہاں دفن کیا گیا۔

امام حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

اس زمانہ میں بعض سادہ لوح حضرات کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ابن زیاد یا عمر سعد نے اپنی رائے سے امام حسینؑ کو قتل کیا ۔ یزید نے اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (۱) علامہ جلال الدین محدث نے لکھا ہے یزید نے ولید حاکم مدینہ کو لکھا کہ "حسینؑ فرزند علیؑ کا سر میرے خط کے جواب کے ساتھ روانہ کردو" (روضتہ الاحباب نسخہ قلمیہ) (۲) جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے لکھا ہے " اس میں شک نہیں کہ یزید پلید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا ۔ اس فعل پر راضی رہا اور اس واقعہ سے خوش ہوا "۔ جمہور اہلسنت وجماعۃ کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد علیہ کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ ۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات ۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین ص۲۷) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے کچھ شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اُس نے اہلبیتؑ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا دیئے ۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا ۔ امام حسینؑ کو قتل اور آپ کے اہل وعیال کو قید کیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص۱۸) (۴) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہو گیا ۔ اور حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیتؑ نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص۸۵) (۵) بالکل وہی عبارت

علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی ص۱۸۱ میں بھی ہے (۶) یزید نے اپنے حاکم عراق ابن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو (تاریخ الخلفاء ص۱۴۱) اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے۔ تو یزید نے بھی ابن زیاد کو یہی حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر ان کو قتل کر دو (۷) مورخ جلیل علامہ مسعودی نے لکھا ہے "جب بنی عباس نے بنی امیہ سے سلطنت چھین لی اور خاندان بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیاں خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس گرفتار کر کے لائی گئیں تو ان سب نے رحم کی درخواست کی۔ اس پر صالح بن علی نے ان سب پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ انہیں یہ بھی کہا کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد حضرت رسولخدا صلعم کے حرم کو قید کر کے یزید پاس نہیں لایا اور ان مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے امام حسینؑ کے سر کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ ص۲۱) یہ واقعہ ۱۳۲ھ ہجری یعنی واقعۂ کربلا سے صرف ۷۱ سال بعد کا ہے جب اس کے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے (۸) انہیں علامہ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے "جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یزید نے حضرت رسولؐ کے نواسے کو قتل کر دیا تو اسکے عامل مدینہ کو وہاں سے نکال دیا" (مروج الذہب بر تاریخ کامل جلد ۶ ص۱۴۸) جس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام جانتے تھے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا (۹) علامہ ممدوح پھر لکھتے ہیں "یزید کے عجیب وغریب حالات ہیں۔ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسولؐ کو قتل کر دیا۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا اس میں آگ لگا دی" (جلد ۶ ص۱۵۲) (۱۰) خود ابن زیاد نے کہا ہے اما قتلی الحسینؑ فانہ خرج علی امام وامۃ مجتمعۃ وکتب الی الامام یامرنی بقتلہ۔ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے اس کا حکم دیا کہ ان کو قتل کر دوں (اخبار طوال مطبوعہ مصر ص۲۷۹) اس اخبار طوال کے مصنف مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابوحنیفہ دینوری ہیں جنکی وفات ۲۸۱ھ ہجری میں ہوئی تھی (۱۱) علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا اما قتلی الحسینؑ فانہ اشار الی یزید بقتلہ اوقتلی فاخترت قتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے حکم دیا کہ حضرتؑ کو قتل کروں ورنہ وہ مجھے ہی قتل کر دے گا۔ لہذا میں نے امام حسینؑ

ہی کا قتل کرنا اختیار کیا اور اپنے کو بچالیا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۵۵) (۱۲) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لیتی شروع کی اور جناب عبداللہ بن عباس نے اس سے انکار کیا تو یزید سمجھا کہ ابن عباس میری طرف ہیں۔ اس پر اُس نے آپ کو ایک خط لکھا کہ میں آپ کو بہت انعام دوں گا آپ میری حمایت کرتے رہئے۔ اسکے جواب میں جناب ابن عباس نے یزید کو ایک طویل خط بھیجا۔ اس میں یہ بھی لکھا "تو کس عقل سے مجھ سے اِن باتوں کی امید رکھتا ہے وقد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب حالانکہ تو ہی نے امام حسینؑ اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کرڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین وایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے" (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۵۰) (۱۳) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے ایک فرمان میں لکھا "پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم یہ کیا کہ حضرت رسولخدا کے فرزند اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے پارۂ جگر امام حسینؑ کو شہید کرڈالا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کافروں کو قتل کررہا ہے" (تاریخ طبری جلد ۱۱ ص ۳۵۸) (۱۴) خود یزید کا بیٹا معویہ جب خلیفہ ہوا تو ایک طولانی خطبہ بیان کیا جس میں یہ بھی کہا میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت پر بیٹھا اور اُس نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کرڈالا (تحریرالشہادتین ص ۱۰۳ وصواعق محرقہ ص ۱۳۴ وحیوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۵۸ وتاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۳۲ وغیرہ)

امام حسینؑ کے قتل میں کون لوگ شریک تھے؟

باوجودے کہ امام حسینؑ کو انھیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ جانتے تھے اور وہ وہی تھے جو اسکے پہلے معویہ۔ حضرت عثمان وحضرت عمر وحضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ بھی زمانہ کا انقلاب عظیم ہے کہ آج بعض ناواقف لوگ دعوے کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے خطوط لکھکر کوفہ میں بلایا اور پھر انھیں لوگوں نے آپکو قتل کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں۔ سب کے سب غیر شیعہ بھرے ہوئے تھے اور انھیں غیر شیعہ مسلمانوں نے حضرتؑ کو دھوکا دینے کے لئے خطوط بھیجکر کوفہ میں بلایا۔ اگر ان خطوط لکھنے والوں میں دو ایک شیعہ تھے بھی تو وہ نہ کربلا میں گئے نہ امام حسینؑ سے لڑے بلکہ حضرتؑ کی شہادت

کے بعد بغاوت کی اور امام حسینؑ کا انتقام لینے کی کوشش کرتے رہے۔ اُس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے کہ معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا۔ ان کو دھمکیاں دیں۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ انکی آنکھوں میں سلائیاں پھروادیں۔ ان کو درختوں پر سولی دی۔ ان کو عراق سے نکال باہر اور آوارہ وطن کر دیا یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی پہچانا ہوا شخص عراق میں نہیں بچا (نصائح کافیہ صـ۷ـ)

اس پر بھی غور کرو کہ جب امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو جناب ابن عباس نے آپ کو منع کیا اور کہا عراق والے دھوکا فریب کی جماعت ہیں۔ آپ ان کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ یمن تشریف لے جائیں کہ وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں (تاریخ طبری جلد ۶ صـ۲۱۷ـ) جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں اُس وقت شیعہ نہیں تھے ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے کہ لا بیک بھا شیعۃ یعنی جناب ابن عباس حضرت امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے تھے کہ وہاں حضرتؑ کے شیعہ تھے۔ پس اگر اُس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص اُن کا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں مگر چونکہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے اس وجہ سے اِس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے حکم سے ابن زیاد کوفہ آیا اور حضرت مسلم کے میزبان جناب ہانی کو گرفتار کرا کے اپنے ہاں بلایا تو ان سے کہا اے ہانی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا تو یہاں جس قدر شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا سوائے تمہارے باپ اور حجر کے کسی شیعہ کو نہیں چھوڑا۔ پھر حجر بھی جس طرح قتل کئے گئے تم کو معلوم ہے (تاریخ طبری جلد ۶ صـ۲۰۲ـ) اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ میں جن لوگوں نے بلایا اُن میں کوئی شیعہ نہیں تھا۔ بلکہ سب کے سب غیر شیعہ تھے اس لئے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا۔

امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کرلی؟ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کرلی امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کی مگر اسکی وجہ حضرت امام حسینؑ کی صلح کے موقع پر لکھی جاچکی ہے کہ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ میں کفار سے جہاد نہیں کیا اسی طرح حضرت کے بڑے فرزند امام حسنؑ نے اپنے مخالفین سے جنگ نہیں کی۔ اور جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے مدینہ میں آکر انھیں کفار سے جنگ کی اُسی طرح حضرت کے چھوٹے فرزند امام حسینؑ نے اپنے مخالفین سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں حضرتؑ تو اپنے جد بزرگوار کے احکام کے تابع تھے۔ جو حکم حضرت رسولخدا نے دیا اسکے خلاف نہیں کرسکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے تو دوسروں سے بھی فرمادیا تھا کہ حسینؑ جہاد کریں تو تم لوگ انکی مدد کرنا۔ فرمایا تھا میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائیگا۔ تم میں سے اُس وقت جو لوگ موجود ہوں انھیں چاہیئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں (کتاب ثبت بالسنۃ صا) اور خواب میں بھی آنحضرت صلعم امام حسینؑ سے اس کی تاکید فرماتے رہے۔ علامہ ابن اثیر جزری و دیار بکری نے لکھا ہے "جب معویہ کی وفاۃ ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ وہیں اہل کوفہ کے خطوط حضرتؑ کے پاس پہونچے لہذا اُنھوں نے سفر کا سامان تیار کرلیا۔ بہت لوگوں نے حضرتؑ کو منع کیا۔ ایمیں محمد بن حنفیہ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسولخدا کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا چنانچہ وہ عراق چلے گئے (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۷ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۳۲) علامہ طبری وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اُن لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولخدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اُس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کرسکتا خواہ اس سے میرا نقصان ہی ہو (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۹ و کامل جلد ۴ ص ۱۷)

حضرتؑ کی اولاد حضرت امام حسینؑ کی پانچ بیویوں سے چھ اولاد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں) ہوئیں۔ پہلی زوجہ جناب شہربانو سے حضرت امام زین العابدینؑ۔ دوسری

زوجہ لیلےٰ سے جناب علی اکبرؑ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسری زوجہ قبیلہ قضاعہ سے تھیں جن سے ایک فرزند جعفر پیدا ہوئے تھے وہ مدینہ ہی میں بہت پہلے انتقال کر گئے تھے۔ چوتھی زوجہ رباب سے جناب علی اصغرؑ اور چھوٹی بیٹی سکینہ تھیں۔ پانچویں زوجہ ام اسحاق سے بڑی بیٹی فاطمہؑ تھیں (ارشاد ص۲۷۷) جناب علی اصغر کربلا میں تیر کھا کر شہید ہوئے۔ اور دونوں صاحبزادیوں میں سے بڑی جناب فاطمہؑ کی شادی امام حسنؑ کے بیٹے جناب حسن مثنٰی کے ساتھ اور چھوٹی جناب سکینہ کی شادی بھی امام حسنؑ ہی کے بیٹے عبد اللہ کے ساتھ واقعہ کربلا کے پہلے ہی ہو چکی تھی (اعلام الورےٰ ص۱۲۷)

شہداء کربلا کتنے اور کون کون تھے۔ اس میں بہت اختلاف ہے۔ علامہ سماوی کی کتاب ابصار العین۔ ناسخ التواریخ۔ بحار و جلاء العیون زیادہ معتبر کتابیں ہیں مگر سب کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس وجہ سے زیارت ناحیہ مقدسہ میں جن حضرات کے نام مذکور ہیں وہی اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں (۱) مالک بن عبد بن سریع (۲) شبیب بن حارث بن سریع (۳) شوذب مولےٰ شاکر (۴) عابس بن ابی شبیب شاکری (۵) عمار بن ابی سلامۃ ہمدانی (۶) عبد الرحمن بن عبد اللہ الکدری الارحبی (۷) حنظلہ بن اسعد شیبانی (۸) ابو ثمامہ عمر بن عبد اللہ صائدی (۹) عمر بن جندب حضرمی (۱۰) قاسم بن حبیب ازدی (۱۱) زہیر بن سلیم ازدی (۱۲) اسلم بن کثیر ازدی (۱۳) سالم مولےٰ بنی المدینۃ الکلبی (۱۴) جبلہ بن علی شیبانی (۱۵) زاہد مولےٰ عمرو الحمق الخزاعی (۱۶) یزید بن زیاد بن مظاہر کندی (۱۷) سعید مولےٰ عمر (۱۸) عمرو بن خالد صیداوی (۱۹) جندب بن حجر خولانی (۲۰) حیان بن حارث سلمانی ازدی (۲۱) عمار بن حسان (۲۲) مجمع بن عبد اللہ عائذی (۲۲) مسعود بن حجاج (۲۳) فرزند مسعود بن حجاج (۲۴) حجاج بن مسروق جعفی (۲۵) زید بن معقل جعفی (۲۶) زہیر بن بشر خثعمی (۲۷) سیف بن مالک (۲۸) سالم مولےٰ عامر بن مسلم (۲۹) قعنب بن عمرو نمری (۳۰) عامر بن مسلم (۳۱) و (۳۲) عبد اللہ و عبید اللہ فرزندان یزید بن ثبیت (۳۳) یزید بن ثبیت قیسی (۳۴) عمرو بن ضبیعۃ ضبعی (۳۵) حوی بن مالک ضبعی (۳۶) ضرغامہ بن مالک (۳۷) کنانہ بن عتیق (۳۸) و (۳۹) قاسط و کرش فرزندان ظہیر تغلبی (۴۰) حجاج بن زید سعدی (۴۱) شبیب بن عبد اللہ نہشلی (۴۲) عون بن حوی مولا ابوذر غفاری (۴۳) و (۴۴) عبد اللہ و

عبد الرحمن فرزندان عروہ بن حراق (۴۵) قیس بن مسہر صیداوی (۴۶) انس بن کاہل اسدی (۴۷) نافع بن ہلال بجلی (۴۸) عبداللہ بن عمیر کلبی (۴۹) حر بن یزید ریاحی (۵۰) حبیب بن مظاہر اسدی (۵۱) عمرو بن قرظہ انصاری (۵۲) زہیر بن قین بجلی (۵۳) عمر بن کعب انصاری (۵۴) یزید بن حصین ہمدانی (۵۵) بشر بن عمر حضرمی (۵۶) سعد بن عبداللہ حنفی (۵۷) مسلم بن عوسجہ اسدی (۵۸) قارب موالے امام حسینؑ (۵۹) منجح موالے امام حسینؑ (۶۰) سلیمان موالے امام حسینؑ (۶۱) سوار بن ابی عمیر (۶۲) عمرو بن عبداللہ جندعی (۶۳) نعیم بن عجلان

جناب عقیل کی اولاد (۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) ابو عبداللہ بن مسلم (۳) عبداللہ بن مسلم (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل

عبداللہ بن جعفر کی اولاد (۱) محمد (۲) عون

حضرت امام حسنؑ کی اولاد (۱) جناب قاسم (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب ابوبکر

اولاد حضرت امیر المومنینؑ (۱) محمد (۲) عبداللہ اکبر (۳) جعفر اکبر (۴) عثمان اکبر (۵) حضرت عباسؑ

اولاد حضرت امام حسینؑ (۱) حضرت علی اکبرؑ (۲) حضرت علی اصغرؑ (عبداللہ) - مگر یقین نہیں کہ زیارت میں سب نام صحیح مرقوم ہیں

چوتھا باب

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

(آپ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے صاحب زادے اور شیعوں کے چوتھے امام ہیں۔ بنا بر قول جناب شیخ مفید و شیخ طوسی علیہما الرحمہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۳۸ھ (۶۵۹ء) کو مدینہ منورہ میں آپکی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۲ سال چند ماہ تک جد بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی۔ پھر ۵۰ھ ہجری تک عم معظم اور پدر بزرگوار کے ہمراہ اور محرم ۶۱ھ ہجری تک محض والد ماجد کے ساتھ رہے۔ بعد واقعہ کربلا خاندان رسالت کے سردار اور شیعوں کے ظاہری امام قرار پائے۔ ۳۴ سال مشغول ہدایت و ارشاد ناس ہوکر ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری (۷۱۴ء) کو طرف عالم جاودانی کے رحلت فرمائی اور جنۃ البقیع میں اپنے

عم معظم حضرت امام حسنؑ کی بغل میں دفن کئے گئے۔ آپ کے عہد امامت میں "خلفاء اسلام سے یزید معویہ پھر معویہ بن یزید۔ پھر مروان بن الحکم پھر عبدالملک بن مروان پھر ولید بن عبدالملک کی دنیوی سلطنت رہی اور اسی ولید کے زمانہ میں حضرتؑ نے زہر سے وفات پائی)

اسم گرامی

حضرت امام حسین علیہ السّلام کو اپنے پدر بزرگوار سے اس قدر الفت تھی کہ اپنے تینوں فرزند کے نام علی ہی رکھا جس پر یزید نے (جب یہ حضرات قید ہو کر اسکے دربار میں پہونچے) تعجب سے کہا تھا عجب! آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھا؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں میرے پدر بزرگوار کو اپنے والد ماجد سے نہایت محبت تھی اس سبب سے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھتے رہے (مناقب جلد ۲ ص ۱۳۰) چونکہ حضرتؑ ہی امام حسینؑ کے ولد اکبر تھے اس سبب سے علی اکبر آپ ہی کا نام تھا لیکن عوام نے غلط طور پر یہ مشہور کر دیا کہ علی اکبرؑ وہ بزرگ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ خواجہ محمد پارسا وغیرہ اسکی وجہ یہ لکھتے ہیں "امام حسینؑ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بڑے علی اصغر تھے جو امام زین العابدینؑ ہیں۔ آپ کا لقب اصغر اس سبب سے ہوا کہ اپنے جد امجد حضرت علیؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور دو سال تک حضرتؑ کے ساتھ رہے پس آپ کے جد حضرت علی علیہ السّلام اکبر تھے اور آپ علی اصغر" (ینابیع المودۃ ص ۳۱۵) مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ کو علی اصغر کہنا اکثر احادیث کی مخالفت کرنا ہے جو اس پر دال ہیں کہ آپ اُن علی سے بڑے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے (بحار جلد ۱۱ ص ک) اِس زمانہ میں آپ امام زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہیں اور جو علی کربلا میں شہید ہوئے اور جو آپ سے چھوٹے تھے علی اکبر مشہور ہیں۔

والدہ گرامی

آپکی والدہ کے حالات میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف ہے پہلا اختلاف نام میں ہے۔ بعض غزالہ۔ بعض شاہ زنان بنت یزدجرد۔ بعض سلافہ بعض شہر بانویہ۔ بعض شہر بانو۔ بعض خولہ۔ بعض جید اور بعض برہ بنت النوشجان کہتے ہیں لیکن سید المحققین جناب شیخ مفید و علامہ طبرسی وغیرہ آپ کا نام شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد لکھتے ہیں۔ ممکن ہے اصل نام یہی اور مشہور شہر بانو ہو۔ دوسرا اختلاف اسمیں ہے کہ آپ اپنے وطن (ایران) سے مدینہ میں کب آئیں اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت سے

کیونکر مشرف ہوئیں۔ اس امر میں کئی قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن مشہور صرف دو ہیں پہلی یہ کہ آپ حضرت عمر کے زمانہ میں فتح مدائن کی غنیمت میں اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ تشریف لائیں اور جناب امیر علیہ السّلام نے آپکو خرید کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں دیا۔ اور دوسری یہ کہ حضرت امیر المومنینؑ نے حریث بن جابر کو بعض بلاد مشرق (ایران) کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تھا اُس نے جناب شاہ زنان کو آپ کی بہنوں کے ساتھ جناب امیرؑ کے پاس بھیجا اور حضرتؑ نے آپکی شادی امام حسینؑ سے کر دی۔ پہلی روایت کہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں فتح مدائن کی غنیمت میں آئیں اس وجہ سے غلط معلوم ہوتی ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ مدائن ماہ صفر سنہ ۱۶ھ میں فتح ہوا ہے (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۴۱۳ اردو ترجمہ فتوح العجم ازواقدی صفحہ ۱۶۰ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۰ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۸ وغیرہ) اور یزدجرد سنہ ۱۴ھ کے شروع میں تخت نشین ہوا ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و کامل جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ و ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۸۷ و ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۵۶ وغیرہ) اور جنگ قادسیہ بقول ابوالفدا وغیرہ سنہ ۱۵ ہجری میں ہوئی ہے اور تخت نشینی کے وقت یعنی سنہ ۱۴ ہجری میں معتبر مورخین نے یزدجرد کی عمر ۲۱ سال لکھی ہے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۸۱ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ تاریخ ابن خلدون بقیہ جلد ۲ صفحہ ۹۱ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۶۶) اس حساب سے فتح مدائن کے وقت یعنی سنہ ۱۶ ہجری کے شروع میں یزدجرد کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور وہ عرب جیسے گرم ملک کا باشندہ نہیں تھا کہ ۱۴ سال کی عمر میں عورتوں سے مباشرت کے قابل ہو جاتا۔ ضرور ۱۷-۱۸ سال کی عمر میں اسکی شادی ہوئی ہوگی۔ اب اگر جناب شہزبانو یزدجرد کی پہلی اولاد بھی مانی جائیں اور یزدجرد کے اٹھارہویں انیسویں سال بھی پیدا ہوئی ہوں تو فتح مدائن کے وقت انکی عمر کسی طرح پانچ چھ سال سے زائد نہیں ہوسکتی۔ اُس وقت حضرت عمر کا اُن کو امام حسینؑ کی زوجیت کے لئے بخشنا یا جناب امیرؑ کا خرید کر امام حسینؑ سے انکی شادی کرنا بالکل خلاف عقل ہے درصورتیکہ اُس وقت امام حسینؑ بھی بالغ نہیں بلکہ صرف ۱۲ سال کے تھے (کیونکہ حضرتؑ کی ولادت سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی) اُس وقت اگر امام حسینؑ اس امر کو چاہتے بھی تو جناب امیرؑ سختی سے روکتے اور اس امر کو

آپکی صحت کے لئے نہایت خطرناک سمجھتے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی شادی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ جناب امیرؑ کی شادی بھی اُس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ پھر امام حسینؑ کے ساتھ یہ دشمنی کیوں کی جاتی کہ جب آپؑ ۲۵ سال کے ہوئے نہ ۲۰ سال کے نہ ۱۸ سال کے بلکہ بالغ تک نہیں ہوئے صرف ۱۲ سال کے تھے کہ شہر بانو آپ کے حوالہ کردی جاتیں؟ غرض کسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں شہر بانو کا مدینہ آنا اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں داخل ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔ زمانہ حال کے نامور مورخ شمس العلمار مولوی شبلی نعمانی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ لکھتے ہیں" اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُن کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے اُن کی قیمت اعلےٰ سے اعلےٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خود اُن کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے سوا طبری۔ ابن اثیر۔ یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد۔ مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہونچا۔ جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہونچکر ۳۰ھ ہجری میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہونگے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد

میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے۔ اور فارس سنہ ۱۷ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؑ نے اُن کی نابالغی میں اُن پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت بہت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علیؑ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)۔ مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ایک اور زبردست وجہ ایسی ہے جس سے اس قصہ کا غلط ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب امیرؑ کے دو صاحب زادے تھے امام حسنؑ و امام حسینؑ۔ اور سنہ ۱۶ ہجری میں دونوں نابالغ تھے لیکن امام حسنؑ پھر بھی بڑے تھے۔ اگر جناب امیرؑ نے اپنے فرزند سے شادی کے لئے جناب شہر بانو کو تجویز بھی کیا تو حضرت امام حسنؑ کو کیوں نہیں دیا۔ یا حضرت ہی سے شادی کیوں نہیں کی؟ بڑے لڑکے کی فکر پہلے ہوتی ہے۔ پس اگر واقعاً جناب شہر بانو سنہ ۱۶ ہجری میں مدینہ آئیں اور حضرت عمر یا حضرت امیر المومنینؑ انھیں جناب امیرؑ کے فرزند کو مرحمت فرماتے تو یہ بڑے صاحب زادے امام حسنؑ کے حصہ میں آئیں نہ امام حسینؑ کے۔

رہی دوسری روایت کہ حضرت امیر المومنینؑ کی ظاہری خلافت میں آپ آئیں اور حضرتؑ نے امام حسینؑ سے انکی شادی کر دی۔ یہ البتہ ایسی ہے جو نقل اور عقل دونوں سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ نے حریث بن جابر جعفی کو بعض بلاد مشرق (خراسان) کا والی مقرر کر کے بھیجا اور حریث نے یزدگرد کی دو بیٹیاں حضرتؑ کی خدمت میں ایران سے بھیجیں۔ حضرتؑ نے ایک بیٹی شہر بانو اپنے صاحب زادے امام حسینؑ کو دی اور دوسری بیٹی گیہان بانو محمد بن ابی بکر کے حوالہ کی۔ جناب شہر بانو سے حضرت امام زین العابدینؑ اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۹ مطبوعہ مطبع نولکشور) علامہ اربلی نے کشف الغمہ مطبوعہ ایران صفحہ ۲۰۱ میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱ میں نیز جامع التواریخ صفحہ ۱۴۹ و عمدۃ الطالب صفحہ ۱۷۱ میں بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ نیز دوسری کتب تاریخ و حدیث میں بھی یہی روایت ہے اور عقلاً بھی اسکی صحت کا گمان ہوتا ہے۔ کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت سنہ ۳۶ ہجری سے سنہ ۴۰ ہجری

تک تھی۔ اس زمانہ میں جناب شہربانو کی عمر بھی کافی تھی اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تیس سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ اور حضرت امام حسنؑ کی شادی اُس سے پہلے ہو چکی تھی۔

حضرتؑ کا شرف نسبی آپ دادیہال اور نانیہال دونوں طرف سے اعلےٰ خاندان کے جوہر تھے۔ دادا حضرت رسولخدا صلعم اور نانا بادشاہ ایران کسریٰ۔ نزدگرد۔ اس مضمون کو عربی شاعر ابوالاسود دئلی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

وان غلاما بین کسریٰ وهاشم :. لاکرم من نیطت علیہ التمائم

یقیناً وہ صاحب زادے جن کے نانا بادشاہ کسریٰ اور دادا حضرت ہاشم ہیں دنیا بھر کے لڑکوں سے زیادہ شریف اور کریم ہیں (اصول کافی ص۲۵۵) اس موقع پر بعض علماء اہلسنت نے لکھا ہے:۔ انظر والی برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارک وتعالیٰ الائمۃ المهدیین من بنت یزدجرد المنتسب الی کسریٰ نوشیروان الملک العادل دون سائر زوجاتہ۔ عدل وانصاف کی برکت کا یہ تماشہ دیکھو کہ خدا نے حضرات ائمہ طاہرین کو امام حسینؑ کی اُنھیں بیوی (شہربانو) سے پیدا کیا جو مشہور نوشیروان عادل شہنشاہ ایران کی اولاد سے تھیں اور حضرتؑ کی دوسری بیویوں کی اولاد کو یہ شرف نہیں دیا (فصل الخطاب قلمی ورق ۱۲۶ و ینابیع المودۃ ص۳۱۵ وغیرہ) اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے امام حسینؑ کے بیٹوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہیں انھیں سے حضرت امام حسینؑ کی نسل بڑھی کیونکہ حضرتؑ کی کئی اولاد ہوئیں۔ مگر روز عاشورا سوائے حضرت زین العابدینؑ کے کوئی لڑکا زندہ نہیں بچا۔ خدا نے آپ ہی کے صلب سے رسولخدا صلعم کی اولاد اس کثرت سے پیدا کی جنکی تعداد کو وہی جان سکتا ہے اور اس نسل میں خدا نے اتنی برکت دی کہ ان کو پورب سے پچھم تک پھیلا دیا یہاں تک کوئی ملک کوئی شہر ان لوگوں (سادات اور آل رسولؐ) سے خالی نہیں ہے۔ اس کے خلاف یزید کا انجام ہوا کہ اُسکی یا اُسکی اولاد۔ یا اُسکے خاندان والوں کی نسل سے ایک شخص بھی نہیں بچا۔ بلکہ کوئی چراغ جلانے والا یا آگ روشن کرنے والا بھی نہیں رہا۔ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم سے کیسا سچا وعدہ فرمایا تھا کہ اے رسولؐ ہم تمہاری نسل کو بہت بڑھائیں گے اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہیگا (قرآن مجید پ۳۰ سورہ کوثر۔ اسمار

رجال مشکوۃ قلمی ص۳۶) اور جناب ملا مبین صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں " امام حسینؑ کی
نسل بیٹوں میں صرف امام زین العابدینؑ سے اور بیٹیوں میں محض جناب فاطمہ سے بڑھی
جو جناب حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں۔ خدا نے امام زین العابدینؑ کے سلب سے بکثرت اولاد
پیدا کی اور آپ کی نسل (سادات اور آل رسولؐ) کو عجم اور پورب ہر طرف پھیلا دیا۔ یہاں
تک کہ دنیا کا کوئی حصہ بلکہ کوئی شہر حضرتؑ کی اولاد سے خالی نہ ملے گا۔ اس کے خلاف
یزید اور اسکی اولاد کی نسل سے ایسا بھی کوئی نہیں بچا جو ایک ہی گھر آباد کرتا یا کسی جگہ
بھاڑ ہی جھونکتا باوجود اسکے کہ امام حسینؑ شہید ہوئے تو آپ کے صرف ایک بیٹے امام زین العابدینؑ
بچے تھے (انہیں کی نسل اس قدر بڑھی) اور جب یزید مرا تو اس کے ۱۵ بیٹے موجود تھے (جن
سب کی نسل ہوتی تو کس قدر ترقی کرتی)۔ واقعاً خدا کا قول سب سے زیادہ سچا ہے
جس نے حضرت رسولخدا صلعم کو خوشخبری دے دی تھی کہ اے رسولؐ ہم نے تم کو بہت بڑی
نسل دی ہے اور تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہیگا (وسیلۃ النجاۃ ص۳۱۲)

حضرت کا ذاتی شرف

حضرات اہلسنت کے امام زہری وابن عیینہ وغیرہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ سے افضل ہم نے کسی کو نہیں پایا اور
حضرتؑ سے زیادہ علم فقہ کا جاننے والا بھی نہیں پایا اور آپ سے زیادہ ورع و تقوےٰ کسی
شخص میں نہیں پایا (تاریخ ابن خلکان جلد ا ص۳۲۰) امام زین العابدینؑ حدیث بیان
کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایۃ تھے۔ آنحضرتؑ سے بکثرت حدیثیں روایت
کی ہیں۔ بہت بڑے عالم تھے اور اہلبیت میں اُن کا مثل ونظیر کوئی نہیں تھا (حیوۃ الحیوان
جلد ا ص۱۲۱) آپ کے خوف خدا ومناجاۃ وغیرہ کے واقعات کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

حلیۂ مبارکہ

حضرتؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ اوسط قد وقامت کے نحیف وزار تھے
(نور الابصار ص۱۲۶ واخبار الدول ص۱۰۹)۔ آنحضرت جمال وجلال
وصولت باکمال داشت ہر کرا نظر بر چہرۂ مبارک می افتاد بجز اعزاز واحترام وعزت و
اکرام چارہ نمی دید۔ حضرتؑ کو اعلےٰ درجہ کا جمال۔ جلال اور صولت حاصل تھی۔ حضرتؑ
کے چہرۂ مبارک پر جس شخص کی بھی نظر پڑتی وہ حضرتؑ کے اعزاز واحترام وعزت واکرام کرنے پر
مجبور ہو جاتا (وسیلۃ النجاۃ ص۳۱۹) حضرتؑ کو دیکھ کر حاجیوں کا حجر اسود کے پاس سے ہٹ جانا مشہور واقعہ ہے
جو آگے آتا ہے۔

کنیت اور القاب

آپ کی کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی اور القاب یہ تھے۔ زین العابدینؑ۔ سید العابدین۔ عابد۔ سجاد۔ سید الساجدین۔ زین الصالحین۔ وارث علم النبیین۔ امام المومنین۔ منار القانتین۔ الخاشع۔ المتہجد۔ الزاہد العدل۔ البکاء۔ ذو الثفنات۔ امام الائمہ۔ ابو الائمہ۔ الزکی۔ الامین الخالص۔ سید الصابرین۔

حضرتؑ کے عہد طفولیت کی معرفت

حضرتؑ بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تو امام حسینؑ نے فرمایا تم کو جس چیز کی خواہش ہو۔ بیان کرو۔ حضرتؑ نے عرض کی میری خواہش یہ ہے کہ میرا شمار اُن لوگوں میں ہو جو خدا کی قضا و قدر کے خلاف کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے۔ امام حسینؑ نے یہ سُنکر فرمایا شاباش تم اپنی اس خواہش میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے مشابہ ہو گئے۔ کیونکہ جب جناب جبرئیلؑ نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپکی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا میں اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی امر نہیں چاہتا کیونکہ خدا مجھے کافی اور بہترین کارساز ہے" (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۲)

حضرتؑ کی عبادت

اس حد کی ہوئی کہ آپ کا لقب ہی زین العابدین ہو گیا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اسکی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی۔ فرمایا تھا۔ بروز قیامت ایک منادی پکارے گا کہ زین العابدین کہاں ہیں۔ اس پر میرا فرزند علی بن الحسینؑ صفوں سے جھومتا ہوا نکلے گا اور وہ حالت اِس وقت میرے پیشِ نظر ہے (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲) اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ ایک شب کو حسب معمول محراب عبادت میں کھڑے نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ اس اثناء میں ایک اژدہا آپ کے سامنے آیا لیکن حضرت اس سے کچھ بھی نہ ڈرے اُسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ پھر وہ اژدہا قریب آیا اور حضرتؑ کا انگوٹھا اپنے منہ میں لے لیا جب بھی حضرت اسی طرح مشغول رہے۔ پھر اس نے زور سے انگوٹھے میں کاٹا۔ پھر بھی حضرتؑ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو اس اژدہے کو نکالا۔ اُس کے بعد سُنا کہ کوئی آواز آتی ہے انت زین العابدین تم ہی عبادت کرنے والوں کی زینت ہو۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا جس سے معلوم ہوا کہ غیبی آواز تھی (کشف الغمہ صفحہ ۱۹۸) حضرتؑ اس کثرت سے سجدہ کرتے کہ آپکی پیشانی۔ دونوں ہتھیلیوں۔ دونوں گھٹنوں اور دونوں انگوٹھوں پر اتنے اونچے گٹے پڑ جاتے جو سال

میں دو مرتبہ ترشوائے جاتے اور ہر مرتبہ گھٹے کی پانچ تہ نکلتی تھی۔ اس سبب سے لوگ آپکو ذو الثفنات بھی کہتے (بحار جلد ۱۱ صـــ ۳) مورخ ابن عساکر کا بیان ہے کہ دمشق میں امام زین العابدینؑ کی مسجد مشہور ہے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں مشہد علیؑ بجامع دمشق زبان زد ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـــ ۱۲۱) معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قیدی ہوکر دمشق تشریف لے گئے تو کسی مسجد میں کثرت سے عبادت کرتے تھے اس سبب سے لوگ اُس مسجد کو مشہد علیؑ (امام زین العابدینؑ کی مسجد) کہتے تھے۔

حضرتؑ کا حلم ایک شامی بیان کرتا تھا کہ میں ایک دفعہ مدینہ گیا تو ایک وجیہ شخص کو دیکھا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ علی ابن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) ہیں۔ یہ سُنتے ہی میں اُن کے پاس آیا اور اُن کے دادا حضرت علیؑ کو گالیاں دینے لگا۔ وہ کھڑے سُنتے رہے۔ جب میرا کلام ختم ہوگیا تو اُنھوں نے کہا میں سمجھتا ہوں تم مسافر ہو۔ میں نے کہا ہاں انھوں نے کہا تو آؤ میرے ساتھ چلو اور میرے مکان میں ٹھہرو۔ اگر تم کو یہاں رہنے کے لئے کسی مکان کی ضرورت ہو گی تو میرا مکان حاضر ہے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو حسب خواہش مال بھی پیش کروں گا۔ اور اگر کوئی دوسری حاجت ہو تو میں اسکے پوری کرنے میں بھی مدد کروں گا۔ یہ سُنکر میں آپکے پاس سے واپس آیا لیکن اس طرح کہ آپ سے زیادہ میرے دل میں کسی شخص کی محبت نہیں تھی" (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـــ ۱۲۱) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص میرے سامنے آپکی غیبت کرتا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا اچھا میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ جب وہاں پہونچے تو فرمایا اے بھائی تم نے اس شخص کے سامنے میرے متعلق جو کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا مجھے بخش دے۔ اور اگر تم نے غلط کہا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو بخش دے۔ یہ فرماکر وہاں سے واپس تشریف لائے" (نور الابصار صـــ ۱۲۶) ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا بھائی تم نے اُس شخص کی ہم نشینی کے حق کا ذرہ بھی لحاظ نہیں کیا کہ اُسکی برائیاں مجھ تک پہونچادیں۔ اور نہ میرا حق ادا کیا کیونکہ ایک بھائی کی مجھ تک ایسی شکایت کی بات پہونچائی جس کو میں جانتا نہ تھا۔ موت ہر شخص کو آنے والی ہے اور بروز قیامت ہم سب زندہ ہوکر ایک جگہ جمع ہونگے اور روز

محشر سب کے فیصلہ کے لئے مقرر ہے جب کہ خدا ہم سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیگا۔ دیکھو پھر کبھی غیبت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے۔ اور جان لو کہ جو شخص لوگوں کی زیادہ غیبت کرتا ہے وہ خود اپنے عیوب کی گواہی دیتا ہے" (احتجاج طبرسی ج صفحہ ۳۰۰) ایک روز حضرت مسجد سے نکلے تو آپ کو ایک شخص گالیاں دینے لگا۔ آپ کے غلام وغیرہ اسکی طرف بڑھے لیکن حضرتؑ نے سب کو روکا اور اُس سے فرمایا میرے جو حالات تم سے پوشیدہ ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ اب یہ بتاؤ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے کہ میں اُسکے رفع کرنے میں تمہاری مدد کروں؟ یہ حلم دیکھکر وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا۔ پھر حضرتؑ نے اسکو چند قیمتی کمل اور پانچ ہزار درہم عطا فرمائے۔ یہ دیکھکر وہ بول اُٹھا اشھد انک من اولاد المصطفٰے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے خلف صالح ہیں۔ ایک اور شخص حضرتؑ کو گالیاں دینے لگا تو فرمایا بھائی میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی ہے اگر میں اس پر سے عبور کر گیا تو مجھے کچھ پروا نہیں جو چاہے کہو۔ اور اگر مجھ میں اس گھاٹی سے گزرنے کی قابلیت نہیں ہے تو پھر جس قدر بھی تم گالی دیتے ہو اس سے زیادہ کا میں مستحق ہوں (نور الابصار صفحہ ۱۲۸)

قصیدہ فرزدق ایک مرتبہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام بن عبدالملک (جو ۱۰۵ھ ہجری سے ۱۲۵ھ ہجری تک بادشاہ رہا) اپنی شہزادگی کے زمانہ میں حج کرنے گیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرکے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر حاجیوں کے ہجوم سے اُس تک نہیں پہونچ سکا۔ مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب حجر اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا اور حضرتؑ نے اطمینان سے اس کو بوسہ دیا۔ ہشام کے ساتھ شام کے جو لوگ آئے تھے یہ حال دیکھکر ہشام سے اُنھوں نے پوچھا یہ باعظمت شخص کون ہے جس کی ہیبت و جلال سے سب حاجی ہٹ گئے ہشام تو واقف تھا مگر اس خوف سے کہ حضرتؑ کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔ اتفاقاً اس زمانہ کے مشہور شاعر فرزدق بھی وہاں موجود تھے وہ اس بے ادبی کو برداشت نہ کرسکے اور کھڑے ہو کر ایک زبردست قصیدہ حضرتؑ کی شان

میں پڑھ دیا جو گویا دنیا میں گونج گیا اور آج تک کتابوں میں نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ کہتے ہیں ؎ [۵]

(۱) هٰذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ⁂ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
یہ وہ ہے جانتا ہے مکہ جس کے نقش قدم ⁂ خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرم

(۲) هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمُ ⁂ هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ
جو بہترین خلائق ہے اُس کا ہے فرزند ⁂ پاک زاہد و پاکیزہ و بلند حشم

(۳) إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا ⁂ إِلَىٰ مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ
قریش دیکھتے ہیں جب اُسے تو کہتے ہیں ⁂ بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم

(۴) يَنْمِي إِلَىٰ ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِي قَصُرَتْ ⁂ عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْإِسْلَامِ وَالْعَجَمُ
پہونچ گیا ہے یہ عزت کی اُس بلندی پر ⁂ جہاں پہ جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم

(۵) يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ ⁂ رُكْنُ الْحَطِيمِ إِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ
یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکن حطیم ⁂ جو چومنے حجر الاسود آئے نزد حرم

(۶) فِي كَفِّهِ خَيْزُرَانٌ رِيحُهُ عَبِقٌ ⁂ فِي كَفِّ أَرْوَعَ فِي عِرْنِينِهِ شَمَمُ
چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو ⁂ وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم

(۷) يُغْضِي حَيَاءً وَيُغْضَىٰ مِنْ مَهَابَتِهِ ⁂ فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ
نظر جھکائے ہیں سب یہ حیا سے، رعب سے لوگ ⁂ جو مسکرائے تو آجائے بات کرنے کا دم

(۸) يَنْشَقُّ نُورُ الْهُدَىٰ مِنْ نُورِ غُرَّتِهِ ⁂ كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ إِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ
جبیں کے نور ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں ⁂ ضیاء مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم

(۹) مَنْ جَدُّهُ دَانَ فَضْلُ الْأَنْبِيَاءِ لَهُ ⁂ وَفَضْلُ أُمَّتِهِ دَانَتْ لَهُ الْأُمَمُ
فضیلت اور نبیوں کی اسکے جد سے ہے پست ⁂ تمام امتیں امت سے اس کی رتبہ میں کم

(۱۰) مُشْتَقَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ نَبْعَتُهُ ⁂ طَابَتْ عَنَاصِرُهُ وَالْخِيمُ وَالشِّيَمُ
یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسول ⁂ اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

(۱۱) هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ ⁂ بِجَدِّهِ أَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوا

---

[۵] یہ اردو منظوم ترجمہ رسالہ حقائق لکھنؤ محرم ۱۳۴۵ہجری سے نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ متعدد اشعار کا ترجمہ شعر کے مطابق نہیں ہے مگر اردو نظم ہونے کی وجہ سے اسی کا درج کر دینا بہتر معلوم ہوا ۱۲ امو عفی عنہ

یہ فاطمہ کا ہے فرزند تو نہیں واقف ∴ اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

(۱۲) اللہ شرّفہ قدماً و عظّمہ ∴ جرى بذاک لہ فی لوحہ القلم

ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عزت ∴ چلا اسی کے لئے لوح پر خدا کا قلم

(۱۳) اللیث اھون منہ حین تغضبہ ∴ والموت ایسر منہ حین یقتحم

جو کوئی غیظ دلا دے تو شیر سے بڑھ جائے ∴ ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

(۱۴) فلیس قولک من ھذا بضائرہ ∴ العرب تعرف من انکرت والعجم

ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان ∴ اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

(۱۵) کلتا یدیہ غیاث عمّ نفعھما ∴ یستوکفان ولا یعروھما عدم

برستے ابر ہیں ہاتھ اسکے جن کا فیض ہے عام ∴ وہ برسا کرتے ہیں یکساں کبھی نہیں ہوئے کم

(۱۶) سھل الخلیقۃ لا تخشی بوادرہ ∴ یزینہ اثنان حسن الخلق والشیم

وہ نرم خو ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں ∴ ہے حسن عادت و خلق اسکی زینت باہم

(۱۷) حمّال اثقال اقوام اذا افتدحوا ∴ حلو الشمائل تحلو عندہ نعم

مصیبتوں میں قبیلوں کے بار اٹھاتا ہے ∴ ہیں جتنے خوب شمائل ہیں اتنے خوب کرم

(۱۸) ما قال لا قط الا فی تشھدہ ∴ لولا التشھد کانت لاءہ نعم

کبھی نہ اس نے کہا لا بجز تشہد کے ∴ اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا لا بھی نعم

(۱۹) لا یخلف الوعد میمون نقیبتہ ∴ رحب الفناء اریب حین یعتزم

خلاف وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات ∴ ہے میزبان بھی عقل و ارادہ بھی ہے بہم

(۲۰) عمّ البریۃ بالاحسان فانقشعت ∴ عنھا الغیاھب والاملاق والعدم

تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا ∴ اسی سے اٹھ گیا افلاس و رنج و فقر اک دم

(۲۱) من معشر حبھم دین وبغضھم ∴ کفر وقربھم منجی ومعتصم

محبت اسکی ہے دین اور عداوت اسکی ہے کفر ∴ ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم

(۲۲) ان عدّ اھل التقی کانوا ائمتھم ∴ او قیل من خیر اھل الارض قیل ھم

شمار زاہدوں کا ہو تو پیشوا یہ ہو ∴ کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں ہم

(۲۳) لا یستطیع جواد بعد غایتھم ∴ ولا یدانیھم قوم وان کرموا

پہونچنا اسکی سخاوت کو غیر ممکن ہے .:. سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اسکی گردِ قدم

(۲۴) هُمُ الْغُيُوثُ إِذَا مَا أَزْمَةٌ أَزَمَتْ .:. وَالْأُسْدُ أُسْدُ الشَّرَى وَالْبَأْسُ مُحْتَدِمُ

جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابرِ باراں ہے .:. جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

(۲۵) لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ أَكُفِّهِمُ .:. سِيَّانِ ذَٰلِكَ إِنْ أَثْرَوْا وَإِنْ عَدِمُوا

نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر .:. کہ اسکو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

(۲۶) يُسْتَدْفَعُ السُّوءُ وَالْبَلْوَى بِحُبِّهِمُ .:. وَيُسْتَزَادُ بِهِ الْإِحْسَانُ وَالنِّعَمُ

اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی .:. اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

(۲۷) مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللهِ ذِكْرُهُمُ .:. فِي كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُومٌ بِهِ الْكَلِمُ

اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکرِ خدا .:. اسی کے نام پہ ہر بات ختم کرتے ہیں کم

(۲۸) يَأْبَى لَهُمْ أَنْ يَحُلَّ الذَّمُّ سَاحَتَهُمْ .:. خُلْقٌ كَرِيمٌ وَأَيْدٍ بِالنَّدَى هُضُمُ

مذمت آنے سے اسکے قریب بھاگتی ہے .:. کریم خلق ہے ہوتی نہیں سخاوت کم

(۲۹) أَيُّ الْخَلَائِقِ لَيْسَتْ فِي رِقَابِهِمُ .:. لِأَوَّلِيَّةِ هَذَا أَوْ لَهُ نِعَمُ

خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر .:. اسی گھرانے کے احسان سے ہوا ہو نہ خم

(۳۰) مَنْ يَعْرِفِ اللهَ يَعْرِفْ أَوَّلِيَّةَ ذَا .:. فَالدِّينُ مِنْ بَيْتِ هَذَا نَالَهُ الْأُمَمُ

خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے .:. اسی کے گھر سے ملا امتوں کو دین بہم

اس قصیدے کو سنکر ہشام غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا اور فرزدق کو قید کردیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ کو اسکی خبر ہوئی تو حضرتؑ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس بھیجدیئے مگر انھوں نے یہ کہکر واپس کیا کہ میں نے یہ قصیدہ کسی صلہ کی طمع میں نہیں کہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے کہلایا کہ ہم اہلبیت رسولؐ کا یہ دستور ہے کہ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ خدا تمہاری نیت سے واقف ہے اور وہی اس (حمایت دین) کا اجر دے گا۔ مجبوراً فرزدق نے وہ درہم قبول کرلئے (نور الابصار ص۱۴۱ و مجانی الادب جلد ۶ ص۲۵۴ وصواعق محرقہ ص۱۲۰ و وسیلۃ النجاۃ ص۳۲۰ وغیرہ)

حضرتؑ کے علمی کمالات بھی بے حد و حساب ہیں۔ جب آپ دربار یزید میں قید ہو کر تشریف لے گئے تو باوجودیکہ وہاں کی دیوار تک حضرتؑ کی دشمن تھی مگر

حضرتؑ نے اس فصاحت و بلاغت کا خطبہ ارشاد فرمایا جس سے شام والے متحیر ہو گئے اور ایسے موثر طریقہ سے مقاصد وعظ و پند بیان فرمائے کہ سنگ دلوں کے دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگے۔ فرمایا اے اہل شام تم میں سے جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں فرزند رسولؐ مختار ہوں۔ میں فرزند سرورِ اخیار ہوں۔ میں فرزند شہسوارِ میدان ہل اتٰی ہوں۔ میں فرزندِ فاطمۂ زہرا ہوں۔ میں سبطِ رسولؐ حسنؑ مجتبٰے کا بھتیجا ہوں۔ میں نور دیدۂ مصطفٰے سرورِ سینۂ مرتضٰے۔ مبتلائے کرب و بلا حسینؑ شہیدِ کربلا کا بیٹا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اہل مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر موذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ موذن نے اٹھ کر کہا اللّٰہُ اکبر۔ اللّٰہ اکبر حضرت امام زین العابدین نے فرمایا کہ یقیناً اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر موذن نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ حضرتؑ نے فرمایا سچ ہے میرا گوشت اور پوست اس بات کا گواہ ہے۔ پھر موذن نے کہا:۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ اب تو حضرت زین العابدینؑ نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا اے موذن تجھے انھیں حضرت محمدؐ کی قسم ذرہ ٹھہر جا۔ یہ کہکر یزید سے فرمایا اے معویہ کے بیٹے سچ بتا یہ محمد رسولؐ اللہ میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے۔ اور اگر میرا جد کہے تو بتا تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آل رسولؐ تھے کیوں قتل کرایا۔ کیوں انکی مخدرات عصمت وطہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بشہر پھرایا۔ کیوں مجھے یتیم کیا اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا۔ یہ کہکر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کیا میرے سوائے تم میں کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا رسولؐ اور حبیب ہو۔ حضرتؑ کی یہ تقریر سنکر اہل شام اس قدر روئے کہ ان میں سے اکثر بے ہوش ہو گئے۔ یزید ڈرا اور اس نے موذن کو اقامتہ کہنے کا حکم دیکر سب کو نماز میں مشغول کر دیا (روضتہ الاحباب)

حضرتؑ کے علمی اور دینی کمالات کے لئے حضرتؑ کی مشہور کتاب صحیفہ کاملہ کافی ہے جس کو زبور آل محمدؐ کہا جاتا ہے اور جس کی ایک ایک دعا انسان کی معرفت کو آسمان پر پہونچاتی ہے اور جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب پہونچ جائے۔ اس کتاب کی

عربی زبان اور نورانی معنے دونوں ہی اپنی آپ نظیر ہیں۔

حضرتؑ کا خشوع عبادت حضرتؑ جب وضو کرتے تو آپ کا رنگِ مبارک زرد ہو جاتا لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا تم جانتے نہیں کہ میں کس معبود کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں (صواعق محرقہ صـ۱۱۹)

ایک دفعہ حضرتؑ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ اُس وقت سجدے میں تھے لوگ آگ آگ پکارنے لگے مگر حضرتؑ نے سجدہ سے سر نہیں اُٹھایا یہاں تک کہ جب آگ بجھ گئی تو لوگوں نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ آپ کو کس چیز نے اس آگ سے غافل کر دیا تھا؟ فرمایا آخرت کی آگ نے (وسیلۃ النجاۃ صـ۳۱۲) ایک دفعہ حضرتؑ کھڑے نماز پڑھتے تھے اتنے میں آپ کے صاحب زادے امام محمد باقر علیہ السلام جو ابھی بچے تھے کنوئیں میں گر گئے۔ حضرتؑ کی ماں نے شور کرنا شروع کیا کہ باقرؑ گر گئے اور دوڑ کر خود کنوئیں کے پاس آئیں اور اسمیں ڈوری وغیرہ پھینکنے لگیں۔ پھر حضرتؑ سے خطاب کر کے کہا اے فرزند رسولؐ آپ کے فرزند محمد (باقرؑ) کنوئیں میں گر گئے۔ مگر حضرتؑ اب بھی انکی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اسی طرح نماز پڑھتے رہ گئے۔ جب اس میں دیر ہوگئی تو حضرتؑ کی بیوی نے کہا اے اہل بیت رسولؐ۔ آپ لوگوں کے دل کس قدر سخت ہو گئے ہیں لیکن حضرتؑ اب بھی اُسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ جب اسے پورے کمال کے ساتھ ختم کر چکے تو بیوی کے ساتھ کنوئیں پر تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اسکے اندر بڑھا کر حضرت محمد باقرؑ کو نکال لیا۔ اور بیوی سے فرمایا اے خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی اپنے بچے کو لو۔ آپ کی بیوی بچے کو صحیح و سالم دیکھکر خوش تو ہو گئیں مگر حضرتؑ کے قول "خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی" سے رونے لگیں تو حضرتؑ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا کہ میں اُس جبار کے دربار میں حاضر تھا جسکی طرف سے اگر منہ موڑ لیتا تو وہ بھی میری جانب سے اپنی رحمت پھیر لیتا تو تم اس درجہ مضطرب نہ ہوتیں۔ بتاؤ تو خدا سے بڑھکر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ (مناقب جلد ۴ صـ۱۰۹)

حضرتؑ کی فقراء نوازی اہل مدینہ کہا کرتے تھے جب تک امام زین العابدینؑ

تقیہ پر حضرات اہلسنت بہت پر زور اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ کلام خدا و رسولؐ و عقل سے اس کی ضرورت و لزوم ثابت ہے۔ اسی سبب سے اس کے متعلق ایک خاص کتاب رسالہ تقیہ لکھکر اس میں حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا السید حامد حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث رسولؐ کی بکثرت عبارات ایسی تحقیق سے جمع فرما دی ہیں کہ آج تک اہلسنت اس کا جواب نہیں دے سکے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ کرکے شائع کر دیا گیا ہے قیمت صرف ۹/ حجم ۳۶ صفحہ

حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل پنجاب کے مشہور اہلحدیث مناظر مولوی حاجی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر نے پٹنہ میں آکر جناب مولانا السید فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم مدرس اعلیٰ مدرسہ سلیمانیہ کو دعوت دی تھی کہ قرآن مجید سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت کیجیے۔ مولانا مرحوم نے آیہ انما ولیکم اللہ الآیۃ کو پیش کیا۔ اس پر دیر تک زبانی بحث ہوتی رہی پھر مدت دراز تک دونوں صاحبوں میں تحریری مناظرہ بھی ہوتا رہا۔ اس مناظرے اور مولانا مرحوم کی کل تحریروں کو ایک کتاب انوکھی میں درج کرکے شائع کر دیا گیا ہے۔ قابل دید علمی اور مذہبی ذخیرہ۔ اور خلافت بلافصل حضرت علیؑ ثابت کرنے کا زبردست خزانہ ہے۔ حجم ۲۱۶ صفحہ قیمت ۱۴/

حضرت امام غائبؑ حضرت حجۃ اللہ صاحب العصر والزمان امام زمانہ علیہ السلام کے وجود اور غیبت کے متعلق لاہور کی ایک سنی انجمن نے بکثرت اعتراضات کرکے ایک زہریلی کتاب شائع کی تھی اس کا محققانہ تشفی بخش اور نہایت مفصل جواب جناب مولانا سید محمد رضی صاحب نگی پی پروفیسر مدرسہ جوادیہ بنارس نے کشف الظلام میں دیکر مخالفین کو مبہوت کر دیا ہے حجم ۳۲ صفحہ قیمت صرف ۹/

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا شیعہ اور سنی کے درمیان ایک بڑی نزاع یہ بھی ہے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنی چاہیے یا کھول کر۔ جناب مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ گوپالپوری دام ظلہ نے رسالہ البسط الیدین میں نہایت تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم خدا اور رسولؐ نے دیا ہے۔ بہت ہی قابل قدر یہ کتاب ہے۔ اس رسالہ میں اسکو بھی ثابت کیا ہے کہ حی علی خیر العمل اذان کا جزو ہے اور الصلوۃ خیر من النوم بدعت ہے۔ حجم ۱۶ صفحہ قیمت ۳/

ہاضوم تخمہ، قے، کھٹی ڈکاریں، اسہال اور بدہضمی وغیرہ میں مفید قبض کا دافع ہے۔ بھوک بڑھاتا اور درد شکم معدہ کی حالت کو زائل کرتا ہے۔ بعد غذا ایک ماشہ تازہ پانی یا حبس کی حالت میں نیم گرم پانی سے کھانا چاہیے قیمت فی شیشی ۸/

ملنے کا پتہ: حکیم سید محمد بشیر صاحب حسن پورہ ضلع سارن۔

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا رسالہ توضیح الطہور میں بہت تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا خلاف حکم خدا اور رسول اور پاؤں پر مسح کرنا صحیح اور عمل رسول و صحابہ ہے۔ اس کے ساتھ مسئلہ قرطاس۔ میراث انبیاء۔ فدک۔ جناب شہربانو کے متعلق بھی نہایت مفید تحقیقات ہیں۔ حجم ۱۵۲ صفحہ قیمت ۱۰/

حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرات اہلسنت دعوے کرتے ہیں کہ خلیفہ دوم سے ہوا تھا اسکی رد میں دفتر اصلاح سے دو عظیم الشان کتابیں کنز مکتوم اور دفع الوثوق شائع ہوئی تھیں افسوس ان دونوں کا اب کوئی نسخہ دفتر میں موجود نہیں ہے۔ مگر رسالہ تائید حق میں بھی اسکی رد کافی طور پر کر دی گئی ہے۔ جو قابل دید ہے حجم ۴۲ صفحہ قیمت صرف ۲/

تنقید بخاری حصہ اول حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العلام مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب ہے جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور اوسکی صحت و عظمت کا دعوے اخاک میں ملا دیا گیا ہے اسکا جواب لکھنے کے لئے فرقہ اہلحدیث کے صرف ایک عالم نے نہیں بلکہ پوری اہلحدیث کانفرنس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کر سکی اسکی پہلی اور دوسری جلد مدت دراز سے ختم تھی۔ اب بفضلہ پہلی جلد چھپوائی گئی ہے۔ حجم ۹۶ صفحہ قیمت صرف ۶/

تحریف قرآن اہلسنت کہتے ہیں کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں حالانکہ خود انہیں کی کتابوں میں تحریف قرآن کے مضامین بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک سنی عالم نے اڈیٹر النجم پر اعتراض کیا کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں۔ پھر آپ شیعوں پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ قابل دید ذخیرہ ہے آج تک اڈیٹر النجم سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ قیمت صرف ۸/

جناب شیخ جیلانی جناب شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کو اہلسنت غوث اعظم اور بڑے پیر کہتے ہیں اور ان کو صاحب معجزات سمجھتے ہیں۔ اس رسالہ میں ممدوح کے مفصل حالات لکھکر ثابت کیا ہے کہ وہ سید نہیں تھے بلکہ شیخ تھے اور ان کے معجزات بہت قابل مضحکہ ہیں۔ دفتر اصلاح سے کئی مرتبہ چھپکر شائع ہو چکا ہے [illegible] صفحہ قیمت [illegible] سید موسی کاظم۔ دفتر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

(سید فاذی الدین حیدر پرنٹر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپا کر شائع کیا)

مستقی ہی نہیں ثابت کیا بلکہ اپنے والد کا مطیع بھی اس حد تک دکھایا جسکی مثال بمشکل مل سکتی ہے۔

حضرت ابوطالب جناب عبدالمطلب کے صاحب زادے اور جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے ۔ دونوں بزرگوں کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں جناب عبداللہ سے آپ بڑے تھے ۔ بلکہ جناب عبداللہ جناب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے ۔ فاضل معاصر دہلوی نے لکھا ہے " یوں تو عبدالمطلب کی اولاد کو بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں زیادہ باوقار اور عقلمند ابوطالب تھے یہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالت و تربیت ان ہی سے متعلق تھی ۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنار عاطفت میں نشو و نما پایا اور جب تک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے " (امہات الامہ صفحہ ۴۱)

اور جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے ۔ اوس وقت آنحضرتؐ کی عمر آٹھ برس کی تھی ۔ عبدالمطلب کا جنازہ اوٹھا تو آنحضرتؐ بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے ۔ عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرتؐ کی تربیت سپرد کی ۔ ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اوسکی تفصیل آگے آتی ہے ... عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے ۔ ان میں سے آنحضرتؐ کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے ۔ اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ابوطالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا ۔ ابوطالب آنحضرت صلعم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے ۔ سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لیکر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لیکر جاتے " (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) ۔ حضرت رسولخدا صلعم پر بھی آپ کی شفقت کا خاص اثر تھا چنانچہ جناب امیرؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی تھیں کہ جب جناب عبدالمطلب پر آثار موت ظاہر ہوئے تو آپ نے اپنے لڑکوں سے دریافت کیا کہ میرے فرزند محمدؐ کی کفالت کون کریگا [لہ]

لہ جناب عبدالمطلب آنحضرت صلعم کو نہایت عزیز رکھتے اور برابر اپنے ساتھ بٹھاتے اٹھاتے کھلاتے پلاتے ۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے " عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور اوس پر اون کے بیٹوں میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا محض اونکی تعظیم کی غرض سے

سب نے کہا وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ سمجھدار ہیں آپ انھیں سے کہئے کہ کسی کو تجویز کر لیں۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا محمدؐ! تمہارا دادا تو قیامت تک کے لئے تم سے رخصت ہوتا ہے۔ اب تم اپنے چچا اور پھوپھی سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہو؟ محمدؐ نے سب کی طرف نظر کی۔ پھر دوڑ کر ابوطالب کے پاس آگئے۔ یہ دیکھکر جناب عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا ابوطالب! میں تمہاری دیانت اور امانت سے اچھی طرح واقف ہوں دیکھو تم بھی محمد کے لئے ویسے ہی مہربان اور سینہ سپر ثابت ہونا جیسا میں رہا ہوں۔ پھر جب جناب عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا تو ابوطالب نے محمدؐ کو اپنے متعلق لے لیا"۔

جناب ابوطالب بھی مکارم اخلاق اور انسانی خدمات جلیلہ کے اعتبار سے اپنے بزرگوں ہی کے مثل ثابت ہوئے اور خصوصاً حضرت رسولخداؐ صلعم کی حفاظت وحمایت و تربیت تو آپ نے اس طرح کی کہ حقیقی باپ بھی عموماً نہیں کرتے۔ آپ کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ یتیم ہوگئے ہیں۔ یا آپ کی ماں کا انتقال ہوگیا ہے یا شفیق دادا کا سایہ سر سے اوٹھ گیا ہے۔ ایک دُرِیگانہ کی طرح آپ کو اپنے سے لپٹائے اور اپنی جان خطرے میں ڈال حضرتؐ کی کفالت کرتے رہے۔ کسی وقت اپنے سے الگ نہ ہونے دیتے۔ اپنے پہلو میں لٹاتے بہ نفس نفیس آپکی خدمات انجام دیتے۔ کھانے پینے پہننے اور جملہ اسباب راحت میں اپنے اور اپنے اہل وعیال پر آپ کو مقدم رکھتے۔ اور خاص کر کفار قریش اور اشرار یہود سے آپکی حراست و نگہبانی فرماتے (روضتہ الاحباب جلد ۱ ص ۹۷) حضرت ابوطالب جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے (ایروِنگ ص ۱۶) ان کو علاوہ اوس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی حفاظت کے سبب حاصل تھی یہ وجاہت بھی تھی کہ قوم قریش کے تاجروں میں سے تھے اور اوس قافلہ کے ساتھ جو آپ کے جد امجد ہاشم نے جاری کیا تھا اور جو ملک شام اور یمن میں تجارت کرتا تھا بڑے کوشاں رہے (ایروِنگ ص ۲۱)

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "شام کا سفر۔ ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷) اور رسولخداؐ جب تشریف لاتے تو اوسی پر مبیٹھتے۔ پس آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ میرے بیٹے کو یہیں بیٹھا رہنے دو کہ میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۷)

نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرتؐ کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپکی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصرے میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کو دیکھکر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا۔ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۱۲۹) اس کے بعد اس راہب نے جناب ابوطالب سے کہا کہ جلد اس لڑکے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ اور اسے یہودیوں سے بچاؤ کیونکہ اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیں اور جو شان اسکی میں جانتا ہوں وہ بھی پہچان لیں گے تو مجھے خوف ہے کہ وہ ان سے شرارت کریں گے فانہ کائن لہ شان عظیم اس لئے کہ اس لڑکے کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ غرض جناب ابوطالب اپنے اسباب تجارت وہیں فروخت کرکے واپس آئے (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۳ وغیرہ)

جناب ابوطالب برابر حضرت رسولخدا صلعم کی بھلائی اور ترقی کی فکر میں رہتے مگر خاندان بنی ہاشم کی سخاوت اور کثرت اولاد کی وجہ سے اب اسکی مالی حالت ویسی نہیں رہی تھی اور ہوتی بھی کیونکر جو لوگ اپنی دولت دن رات دوسروں کی ذات میں صرف کرتے رہتے ان کے اپنے لئے کہاں بچتی۔ مگر جناب ابوطالب کے دماغ نے اس ناداری میں بھی آپ کو بیکار نہیں رہنے دیا آپ نے یہ تدبیر نکالی کہ لوگوں کا مال تجارت اُجرت پر باہر بھیجنا چاہئے۔ چنانچہ اُس زمانہ میں شہر مکہ میں ایک شریف مالدار اور نہایت معزز بی بی جناب خدیجہ تھیں۔ وہ بھی قبیلہ قریش ہی سے تھیں۔ انکی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر جاری تھا اور دولت بھری ہوئی تھی اس سبب سے بھی خاص عظمت کی نظر سے دیکھی جاتیں۔ انھیں بی بی خدیجہ کے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکم کی سفارش سے جو آنحضرت صلعم کے بڑے دوست تھے۔ جناب خدیجہ نے حضرت سے فرمائش کی کہ آپ میرا مال باہر لے جاکر بیچا کریں اور اس کا معاوضہ بھی حضرتؐ کو اوروں سے دوگنا منظور کیا جناب ابوطالب نے حضرتؐ کو صلاح دی کہ اسکو منظور کر لیں اور خدیجہ کا مال لے جاکر فروخت کیا کریں۔ آنحضرتؐ نے اس حکم کی تکمیل اور جناب خدیجہ کی درخواست منظور کی اور ان کے اسباب تجارت کے نگراں ہوکر شام کی طرف تشریف لے گئے۔

اس سفر کے حالات سنکر قافلہ تجارت واپس آنے کے ۲۵ ہی دنوں کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرت صلعم سے نکاح کی خواہش کی جسے جناب ابوطالب نے منظور کرلیا تو آنحضرتؐ کی طرف سے خود جناب ابوطالب اور جناب خدیجہ کی طرف سے ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہوگیا۔ جناب ابوطالب کا خطبہ یہ تھا الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمعیل وضیئضئ معد وعنصر مضر۔ وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علے الناس۔ ثم ان ابن اخی ھذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن بہ رجل من قریش الا رجح وان کان فی المال قل فان المال ظل زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابتہ وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد وبذل لھا ما آجلہ وعاجلہ من مالی کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نبأ عظیم وخطر جلیل جسیم۔ ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم کی ذریت جناب اسمعیل کی اصل معد کی نسل اور مضر کی شاخ میں قرار دیا اور اس نے ہم لوگوں کو خانہ کعبہ کا محافظ اور اس کے حرم کا نگراں مقرر کیا۔ اور ہمارے لئے اپنا وہ گھر بنایا جس کا لوگ حج کرتے ہیں اور ہمیں اپنا وہ حرم عنایت کیا جو جاے امن ہے اور اس نے ہم کو لوگوں کا حاکم اور سردار بنایا (یہ تو ہمارے پورے خاندان کی حالت ہے) اور خاصکر میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ کی تو یہ شان ہے کہ قریش کا کوئی شخص بھی ان کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ جو بھی آپ کے مقابلہ میں لایا جائیگا یہ اوس سے ضرور ہی بڑھ جائیں گے۔ یہ درست ہے کہ ان کے پاس مال کم ہے مگر سب جانتے ہیں کہ مال تو چلتی ہوئی چھاؤں اور بدل جانے والا حال ہے۔ برخلاف اس کے محمدؐ کے جو ذاتی مفاخر قرابت اور تعلقات ہیں ان سب کو تم لوگ خوب پہچانتے ہو۔ یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنی چاہتے ہیں اور اس کے لئے میرے موجودہ مال اور آیندہ مال سے اس قدر مہر عطا کرینگے اور خدا کی قسم اس کے بعد ان کی شان نہایت عظیم القدر اور انکی عزت بہت بڑی اور ان کا دبدبہ و اقتدار بہت بلند ہونے والا ہے۔ جب حضرت ابوطالب اپنا خطبہ تمام کرچکے تو جناب خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے حسب ذیل خطبہ پڑھا:۔ الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا علے ما عددت۔ فنحن سادۃ العرب وقادتھا وانتم اھل ذلک کلہ لا تنکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقدر رغبنا

فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد من محمد بن عبد اللہ علی اربع مائۃ دینار ـ ثم سکت ـ ہر طرح کی حمد وثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو وہی عزت دی ہے جس کا (ابوطالب) تم نے ذکر کیا اور ہم لوگوں کو اسی طرح شرف وفضل عطا کیا جس طرح تم نے شمار کیا۔ بے شک ہم لوگ عرب کے سردار اور اس کے مقتدا ہیں اور تم لوگوں کو یقیناً وہ سب فضائل وامتیازات حاصل ہیں جن کا تم نے ذکر کیا۔ کوئی قبیلہ تمہارے فضل کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور ایک آدمی بھی تمہارے فخر و شرف کا جواب نہیں دے سکتا۔ یقیناً ہم لوگوں کو رغبت ہوئی کہ تمہارے خاندان اور تمہارے شرف سے ہم لوگوں کا پیوند ہو۔ اب اے معاشر قریش تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح چار سو دینار پر محمد بن عبد اللہ سے پڑھ دیا۔ اس نکاح کے بعد جناب ابوطالب کی حالت لکھی ہے کہ وفرح ابوطالب فرحا شدیدا وقال الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب ودفع عنا الھموم۔ جناب ابوطالب خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے تھے خدا کا لاکھ شکر ہے جس نے (محمدؐ کے متعلق) ہمارے کل کرب و اندوہ کو موقوف اور سب ہموم و غموم کو دفع کر دیا (تاریخ خمیس صفحہ ۲۹۹ جلد ۱)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب

حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے تمام حالات تھے اوپر لکھے گئے۔ ضرورت ہے کہ اس جگہ ان حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کر دی جائے۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا "ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے تو مذہب سے ہماری مراد ہے دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔ پھر دین فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قوانین امن وعافیت پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو صرف قوانین دعافیت پر بولا جاتا ہے۔ پہلی قسم دین کامل ہے اور اوس کے مقابلہ میں دوسری قسم دین ناقص ... پیغمبر صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کا دین فطرت پیغمبر صاحب ہی کے جد اعلیٰ ابراہیمؑ نے ایجاد کیا اور ایجاد نہیں بھی کیا تو شد و مد کے ساتھ اس کو رواج دیا کہ ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہے ... یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لیکر آئے تھے اور دین کے نیچے تلے خیالات خود اون کے دل سے پیدا ہوتے تھے مگر

خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیمؑ کے بعد دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دارد۔ فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبدالمطلب اور ابو طالب میں از سر نو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دو بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔ پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبدالمطلب نے پرورش کیا۔ اُن کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابو طالب نے۔ اور عبدالمطلب اور ابو طالب کے حالات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ اون کا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے" (امہات الامہ صہ۲۱)

اور علماء اہلسنت کے ایک جلیل القدر بزرگ علامہ سیوطی نے نو کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد ذکور و اناث سب کے سب با ایمان اور دین حنیف (دین ابراہیمی) پر تھے۔ یہ کل کتابیں ریاست حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع کر دی گئی ہیں۔ ان سب میں اونھوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد کبھی مشرک نہیں تھے۔ کبھی کفر نہیں اختیار کیا۔ بلکہ برابر دین ابراہیمؑ کے پیرو رہے۔ مثلاً لکھتے ہیں:۔ ان آباء النبیؐ لم یکن فیھم مشرک حضرت کے آباء و اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا (مسالک الحنفاء صہ۱۹) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد کرام حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہ تک سب کے سب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے اور علماء متاخرین نے اسکی دلیلوں کو تحریر کیا ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرتؐ کے کل آباء و اجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ (کافروں کے صلب اور رحم) میں رکھے اور آخرت میں اُن کے کافر آباء و اجداد پر عذاب کر کے حضرت رسولخدا صلعم کو رسوا کرے (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صہ۲۵۲) اور علاّ

فخرالدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے: ان اٰباء الانبیاء ما کانوا کفاراً[1]
انبیاء کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے۔ وبھذا التقدیر الآیۃ دالۃ علی ان جمیع آباء محمد[2]
کانوا مسلمین۔ اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ کے کل آباء و اجداد مسلمان
تھے۔ ومما یدل علی ان آباء محمد ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل
من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات۔ اس امر کی دلیل کہ حضرت رسولخدا صلعم
کے آباء و اجداد مشرک نہیں تھے حضرت رسولخدا صلعم کی یہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا ہے
کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کے صلبوں سے پاکیزہ ہی بیویوں کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا۔
(مسالک الحنفاء ص۱۸) اور مذہب شیعہ کے بڑے عالم بلکہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے
کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے والد۔ والدہ۔ بلکہ کل اجداد
وجدات تک صحیح مذہب پر تھے۔ اور آپ کا نورِ مبارک نہ کسی مشرک مرد کے صلب میں داخل ہوا نہ
کسی مشرک عورت کے رحم میں۔ بلکہ متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے
باپ دادا سب کے سب انبیاء۔ اوصیاء اور دین خدا کے حامل تھے اور حضرت اسمٰعیل کے فرزند
جو آنحضرت صلعم کے اجداد کرام تھے حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء اور خلائق کے مرجع تھے۔
اور ملت ابراہیمی ان کے درمیان باقی تھی اور حضرت موسٰی و عیسٰی کی شریعت کی وجہ سے
ملت ابراہیمی منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ حضرات اس کے محافظ تھے اور ایک دوسرے کو
اس کی حفاظت کی وصیت کرتے آتے تھے۔ اور بسند معتبر حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے
آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم نہ میرے والد نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے جد عبدالمطلب نے
نہ ان کے پدر بزرگوار ہاشم نے۔ نہ ان کے والد عبدمناف نے بلکہ یہ کل حضرات خانہ کعبہ کی
طرف نماز پڑھتے اور دین حضرت ابراہیمؑ پر قائم تھے" (حیوۃ القلوب جلد ۲ باب فصل ۳)
بلکہ جناب فاطمہ بنت اسد (والدہ حضرت امیرالمومنینؑ) کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان
کی عورتیں بھی کافر یا مشرک نہیں بلکہ دین ابراہیمی پر تھیں۔ چنانچہ جب جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت
قریب پہونچا اور جناب فاطمہ کو وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور
کہا پروردگارا! میں تجھ پر اور جو پیغمبر تیرے پاس سے آئے ہیں اور جو کتابیں تیرے
ہاں سے نازل ہوئی ہیں ان سب پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیمؑ کے کلام کی تصدیق

کرتی ہوں پس جس بزرگ نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے میں تجھ کو اوسی کے حق کا واسطہ دیتی ہوں
اور جو مولود میرے بطن میں ہے میں اُس کے حق کا بھی واسطہ دیتی ہوں کہ تو وضع حمل کو مجھ پر آسان
کردے (مناقب ابن شہر آشوب صــ۱۳۳)

اسی خاندان بنی ہاشم کے ایک بڑے رکن جناب ابو طالب بھی تھے۔ آپ بھی حضرت رسولخدا
صلعم کی بعثت تک دین ابراہیمی ہی پر تھے اور جب آنحضرت صلعم نے لوگوں کو اسلام کی طرف
بلایا اوسی وقت آپ بھی دین ابراہیمی سے دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ مولوی نذیر احمد صاحب
لکھتے ہیں "جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابو طالب زندہ
تھے اور گو اونھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا سلہ مگر دل سے پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر
اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض تشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے
نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے اُن کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔ الٰہی صدقہ
اپنے پیغمبر کا ابو طالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب۔ ہر چند ابو طالب
اپنے والد عبد المطلب کے بعد تمام قبیلۂ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے۔ اور ان کی حمایۃ
کے ہوتے ہوئے پیغمبر صاحب کو کسی کی حمایۃ کی ضرورت نہ تھی مگر خرابی یہ آکر پڑی تھی کہ اپنے
ہی خاندان میں پھوٹ تھی۔ ایک چچا ابو طالب تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح
دیتے تھے۔ جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود۔ اور ایک چچا ابو لہب تھا جو
اسلام کے نام سے چڑتا تھا اور پیغمبر صاحب کو دیکھکر اوسکی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا۔ پس

سلہ بظاہر اسلام کس طرح قبول کرتے؟ جس طرح حضرت شروع سے دین ابراہیمی پر اور کفر
و شرک سے بالکل علحدہ تھے بالکل اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم کے نبی مبعوث ہونے پر دین
اسلام کے پیرو ہو گئے۔ اور دین ابراہیمی و دین اسلام تو درحقیقت دو چیز تھے ہی نہیں۔
وہی اسلام تھا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیمؑ نے کی اور اسی اسلام کی گویا تجدید کے لئے حضرت
رسولخدا صلعم تشریف لائے پس اب جناب ابو طالب کیا نیا کام کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے بظاہر
اسلام قبول کیا مگر بظاہر بھی آپ نے وہ سب کیا جو بڑے بڑے بظاہر اسلام قبول کرنے والوں سے نہیں ہو سکا اپنی
جان سپر کر کے آنحضرت کو بچاتے رہنا اپنی اولاد کو قربان کر کے آپکو محفوظ رکھنا۔ اور تمام قریش سے حضرت کی
حمایۃ میں جنگ مول لینا کیا ایسے شخص سے ہو سکتا تھا جو مسلمان نہیں تھا ۱۲

ابوطالب کی حمایۃ پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں" (امہات الامہ صفحہ ۹۷)
اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح ترمانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر انکے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔
ابوطالب نے آنحضرتؐ کے لئے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپکی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا کیا یہ محبت۔ یہ جوش۔ یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ ابوطالب آنحضرتؐ سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہؐ کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرتؐ انکی عیادت کے لئے گئے تو انھوں نے کہا بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھکو اچھا کردے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے۔ آنحضرتؐ سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۱۲) جناب ابوطالب کا اسلام اس قدر زبردست ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری ایسے محدث تک نے آپکا ذکر اپنی کتاب الاصابہ میں کیا جو صحابہ کے حال میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہے کہ صحابی وہی ہے جو حالت اسلام میں حضرت رسولخدا صلعم سے ملا ہو۔ اور جو کفر میں مرا اس کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ بھی حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور برابر حضرتؐ سے ملتے رہے مگر ان کا ذکر علامہ مذکور نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ اسی وجہ سے تو کہ وہ دونوں کافر تھے۔ جب وہ مسلمان ہی نہیں ہوئے

توصحابہ نہیں قرار پائے اور جب یہ صفت ان میں نہیں آئی توصحابہ کے حالات میں جو کتاب لکھی گئی اس میں ان کا حال کس اصول سے لکھتے۔ لیکن جناب ابوطالب کا حال تفصیل سے لکھا اور کامل پانچ بڑے صفحوں میں درج کیا ہے۔ جو اسکی واضح دلیل ہے کہ علامہ مذکور نے آپ کو صحابی رسول سمجھا اور مسلمان تسلیم کیا۔ علامہ مذکور ہی لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا مبعوث برسالت ہوئے تو جناب ابوطالب آپکی حمایت پر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے دشمنوں کو آپ سے دفع کرنے لگے۔ اور آپکی مدح میں کثرت سے قصیدے لکھے۔ انھیں قصائد میں وہ بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

وابیض یستسقے الغمام بوجہہ ۞ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

اور حضرت رسولخدا ایسے نورانی ہیں کہ ان کے چہرے کا واسطہ دیکر خدا سے طلب باران کیا جاتا ہے وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوؤں کے بچانے والے ہیں۔ آپکے ایک اور قصیدہ میں یہ شعر ہے

وشق لہ من اسمہ لیجلہ ۞ فذوالعرش محمود وھذا محمد

خدانے حضرت رسولخدا صلعم کی جلالت قدر کے لئے اپنے نام سے ایک نام مشتق کرکے رکھا اس طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسولخدا محمدؐ ہیں۔

ابن عیینہ کہتے تھے کہ اس سے بہتر شعر میں نے کبھی نہیں سُنا۔ جناب ابوطالب کہا کرتے تھے ماکذب ابن اخی قط۔ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولا (اصابہ جلد ۷ ص۱۱۳) مذکورہ بالا عبارت کا ہر جملہ پکار کر کہتا ہے کہ حضرت ابوطالب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر اور اسلام پناہ تھے (۱) مرتے وقت کلمہ شہادتین جاری کرنا جو اس اصول پر نہیں تھا کہ آخر میں اسلام قبول کر لیا بلکہ ویسا ہی تھا جیسا ہر مومن کا شعار ہے کہ انتقال کے وقت کلمہ شہادتین پڑھتا ہوا دنیا سے جاتا ہے اور جناب عباس کا جو اس وقت تک کافر مانے گئے کہنا کہ ابوطالب وہی کلمہ اسلام کہہ رہے ہیں جس کی خواہش رسول کرتے تھے زبردست شہادت ہے بلکہ اس سے قوی تر شہادت کیا ہو سکتی ہے (۲) رسولخدا سے کہنا کہ میری صحت کے لئے خدا سے دعا کرو۔ اگر آپ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا کو پیغمبر برحق نہیں جانتے تھے تو آپ سے یہ فرمائش کیوں کی۔ کیا کافر نے بھی کبھی حضرت سے ایسی مذہبی درخواست کی تھی؟ (۳) جب آپ کو صحت ہو گئی تو آنحضرتؐ سے یہ کہنا کہ خدا تیرا کہنا مانتا ہے ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے۔ جب ابوطالب کو یقین ہوا کہ خدا حضرتؐ کی بات مانتا ہے تو پھر آپکا فر کیسے رہ سکتے تھے۔ اگر جناب ابوطالب جانتے کہ حضرت پیغمبر نہیں ہیں تو ضرور یہ بھی

یقین رکھتے کہ خدا ان کا کہنا نہیں مانتا ہے کیونکہ ہر شخص اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو شخص جھوٹا مدعی نبوت ہوگا خدا مذہبی باتوں میں اوس کا کہنا کبھی نہیں ملنے گا (۴) یہ کہنا کہ خدا نے اپنے نام سے لفظ محمد کو مشتق کر کے حضرتؐ کا یہ نام اس غرض سے رکھا کہ (خدا کی طرح) حضرت کی جلالت وعظمت بھی اچھی طرح واضح ہوجائے واضح کرتا ہے کہ جناب ابوطالب کو قطعاً حضرت کا نبی بلکہ سید الانبیاء ہونا معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسی وجہ سے خدا نے آپ کا یہ نام رکھا تاکہ کلمہ اسلام میں اللہ کے ساتھ آپ کا نام بھی رہے اور جو جلالت خدا کو حاصل ہے وہ آپ کو بھی ملے (۵) آپکا یہ کہنا بھی کہ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہ بولا آپ کے ایمان کی حتمی دلیل ہے۔ جب حضرت ابوطالب کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو اون کو یہ بھی یقین ہوا کہ آپ اپنے دعوے رسالت میں سچے ہیں۔ اور جب حضرتؐ کو سچا نبی تسلیم کرلیا تو پھر اسلام نہ لانے کا معنے کیا ہوگا۔ اسلام کی تعریف تو یہی ہے کہ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا صلعم کو سچا نبی مانے۔

مختصر یہ کہ حضرت ابوطالب کا ایمان ویسا ہی یقینی تھا جیسا حضرت رسولخدا صلعم کا پیغمبر ہونا اور جس طرح حضرت رسولخدا صلعم کے دشمنوں نے حضرتؐ کی نبوت ہی سے انکار کردیا اسی طرح حضرت ابوطالب کے دشمن بھی حضرت کے اسلام ہی سے انکار کرتے ہیں۔ غرض دونوں جماعتیں حق کی منکر ہیں۔ علامہ ابن حجر ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ جناب ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی شان میں یہ اشعار بھی کہے ہیں ۔ ودعوتنی وعلمت انک صادق ؛؛ ولقد صدقت فکنت قبل امینا ۔ ولقد علمت بان دین محمد ؛؛ من خیر ادیان البریۃ دینا ۔ اے محمدؐ تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً صادق ہو۔ اور (اس دعوے پیغمبری میں بھی) تم سچے ہو اس لئے کہ تم پہلے سے امین ہو۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بہتر اور افضل ہے (اصابہ جلد ۷ ص۱۱۳ و تاریخ خمیس جلد ۱ ص۲۷۴ وغیرہ)

علامہ سید احمد بن سید زینی دحلان نے جو اجلہ علماء اہلسنت سے ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب یہ کتاب مصر میں بڑی تقطیع کے ۴۶ صفحہ پر چھپ گئی ہے۔ اس میں جناب ابوطالب کا یہ شعر بھی ہے

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ؛؛ رسولا کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا جیسے نبی حضرت موسےٰؑ تھے اور ان کی نبوت کی پیشینگوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں (اسنی المطالب ص۵)
حضرت ابو طالب کے ایمان پر آپ کا وہ قصیدہ لامیہ بھی زبردست دلیل ہے جس کو آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی حقیت وحمایت میں کہا ہے اور جو بکثرت کتب حدیث وسیرۃ و تاریخ میں منقول ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس قصیدہ میں اسی سے زیادہ شعر ہیں۔ اور علامہ ابن ہشام کی سیرۃ الرسول میں اس کے ۹۴ شعر منقول ہیں (ملاحظہ ہو مطبوعہ مصر جلد ا ص۱۴۷) اس قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں ؎

حلیما رشید احازما غیر طائش ::: یوالی الہ الخلق لیس بماحل
وایدہ رب العباد بنصرہ ::: واظہر دینا حقہ غیر باطل
الم یعلموا ان ابننا لا مکذب ::: لدینا ولا یعبأ بقول الاباطل

محمد (مصطفیٰؐ) بردبار سمجھدار۔ ہوشیار۔ تجربہ کار ہیں۔ ہلکی عقل کے نہیں ہیں۔ وہ خدا جہاں کو دوست رکھتے ہیں اور بات بنانے والے نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے اپنی مدد سے انکی تائید کی ہے اور انھوں نے اس دین حق کو جو باطل نہیں ہے اچھی طرح ظاہر و واضح کر دیا ہے۔ کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ہمارے فرزند کا کوئی کلام جھوٹ نہیں نکلا اور نہ وہ باطل اقوال کی طرف توجہ کرتا ہے (سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ا ص۱۴۷ وغیرہ)
دنیا کا یہ دستور بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باپ جس امر کو پسند کرتا ہے اسکی تاکید اپنی اولاد پر کرتا ہے اور جس امر کو برا سمجھتا ہے اس سے اپنے لڑکوں کو منع کرتا ہے۔ اب آؤ دیکھیں حضرت ابوطالب نے اپنی اولاد کو مذہب کے متعلق کیا تعلیم دی۔ اگر ان سے فرمایا ہو کہ تم لوگ کافر رہو۔ بت پرستی کرو۔ دین اسلام کو قبول نہ کرو۔ محمد مصطفیٰؐ کی پیروی نہ کرو تو ماننا پڑے گا کہ آپ بھی معاذ اللہ غیر مسلم تھے اور دین اسلام سے اسی طرح علحدہ رہے جس طرح دوسرے کفار مکہ تھے۔ لیکن اگر واقعات اس کے خلاف ہوں اور اگر آپ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تاکید کی ہو تو کون صاحب عقل کہے گا کہ خود تو آپ نے اسلام قبول نہیں کیا مگر اپنے فرزندوں پر اسکے لئے زور دیا۔ اس سے فیصلہ بآسانی ہو جائیگا۔ تاریخ و حدیث و رجال کے اوراق سے پوچھو تو وہ تم کو بتائیں گے کہ (قال ابو طالب لعلی ما ھذا الدین الذی انت علیہ قال یا ابت

آمنت باللہ ورسولہ وصلیت معہ فقال اما انہ لا یدعونا الا الی الخیر فالزمہ
جناب ابوطالب نے حضرت علیؑ سے (بطور امتحان) پوچھا کہ بتاؤ یہ کون دین ہے جس پر
تم ہو؟ فرمایا اے اباجان میں بھی خدا اور اوس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسولؐ
کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں تو آپ نے کہا ہاں محمدؐ ہم لوگوں کو خیر (بہتر مذہب) ہی کی طرف بلاتے
ہیں تم اس (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رہو (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۲۱)
ان ابا طالب قال لجعفر لما اسلم صل جناح ابن عمک فصلے جعفر مع النبیؐ
ابوطالب نے اپنے تیسرے فرزند جعفر سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد کہا اب اپنے چچازاد
بھائی (رسولؐ) کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا کرو۔ تو وہ حضرتؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے
لگے (اصابہ جلد ۷ صہ ۱۱۳)۔ باوجود اس قدر دلائل کے پھر کیوں آپ کے ایمان سے
لوگ انکار کرتے ہیں؟ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے والد ماجد تھے پس جب
حضرت علیؑ ہی افترا اور بہتان سے نہیں بچے تو آپ کے والد کیونکر بچتے۔ اور ایک ہلکی وجہ
یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نماز پڑھتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو بلا لیتے تھے کہ
آپ کے ساتھ نماز جماعت پڑھیں مگر حضرت ابوطالب کو نہیں بلاتے تھے کیونکہ آپ کو ادب منع کرتا
تھا کہ چچا کے آگے کھڑے ہوں اور وہ حضرتؐ کے پیچھے رہیں۔ اس سبب سے جناب ابوطالب
اپنے گھر نماز پڑھتے ہوں گے جس کو سب لوگ اس طرح نہیں دیکھتے تھے۔ اس سبب سے سمجھے کہ
اگر ابوطالب بھی مسلمان ہوتے تو آنحضرت ان کو بھی نماز جماعت میں بلا لیا کرتے۔ آخر میں ایک
حضرت ابوطالب کی ایک اور زبردست دلیل ذکر کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں:۔
حضرت ابوطالب کی شادی جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوئی تھی۔ یہ فاطمہ بھی حضرت ابوطالب
کے ایمان کی زبردست حجت اور لاجواب دلیل ہیں کیونکہ موصوفہ کو تمام مورخین و محدثین حضرت
ابوطالب کی زوجہ تسلیم کرتے اور اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ممدوحہ سب سے پہلی اسلام
قبول کرنے والی بیویوں میں تھیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ممدوحہ نے سنہ ہجری میں مدینہ
میں انتقال کیا۔ اور حضرت ابوطالب ان سے چھ سات برس پہلے مکہ معظمہ میں انتقال کر چکے
تھے اور کل تاریخیں اسکی گواہی بھی دیتی ہیں کہ وفات ابوطالب تک جناب فاطمہ بنت اسد
انکی زوجیت میں رہیں (یعنی آنحضرت صلعم نے ان کو اون سے جدا نہیں کیا) اور چونکہ

عورتوں میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر سب کا اتفاق ہے اس سبب سے جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کی تاریخ بھی سلسلہ بعثت ہی ہے۔ اس طرح فاطمہ بنت اسد ایمان لانے کے بعد دس سال تک حضرت ابوطالب کی زوجیت میں باقی رہیں کہ نہ فاطمہ بنت اسد نے ان کو چھوڑا نہ جناب ابوطالب نے جناب فاطمہ بنت اسد کو جدا کیا۔ نہ رسولخدا صلعم نے یہ حکم دیا کہ چونکہ فاطمہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورت غیر مسلم شخص کی بیوی نہیں رہ سکتی لہذا ان کو ان سے الگ کردو۔ عقل صاف طور پر کہتی ہے کہ اگر جناب ابوطالب بھی جناب فاطمہ بنت اسد کی طرح مسلمان نہیں ہوتے تو وہ ضرور اپنی بیوی کو اس سے روکتے۔ یا بیوی ہی ان کو اسلام پر آمادہ کرتیں اور بغیر ان کے مسلمان ہوئے ان کے ساتھ نہ رہتیں۔ یا حضرت رسولخدا صلعم نے دونوں میں تفریق کرادی ہوتی کیونکہ اسلام کا حکم مشہور ہے کہ مسلمان عورت کافر مرد کی بیوی نہ رہے پس اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو فاطمہ بنت اسد انکی زوجیت میں کیونکر رہ سکتیں۔ اسلام نے تو ان لوگوں میں علحدگی کرادی تھی جو معرفت و مذہب کے بالکل ہی ادنے مرتبہ تک پہونچے تھے۔ چنانچہ مشہور ترین کتب تاریخ و سیر سیرۃ ابن ہشام میں جو تمام معتبر کتب تاریخ مثل طبری۔ کامل۔ ابن خلدون وغیرہ کی ماخذ ہے۔ ذیل کا واقعہ موجود ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے طفیل ابوعمر والاوس بیان کرتا تھا کہ جب میں اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے وطن واپس آیا تو میری زوجہ میرے پاس آئی مگر میں نے اوس سے کہا علحدہ رہ۔ اب میں نہ تیرا شوہر رہا نہ تو میری زوجہ رہی۔ اوس نے گھبرا کر پوچھا کیوں؟ میں نے کہا اسلام نے تجھ کو مجھ سے علحدہ کردیا میں مسلمان ہوگیا۔ اوس نے کہا جو تمہارا مذہب وہی میرا بھی۔ میں نے کہا اچھا تو حمی ذی الشرے میں جا کر غسل کر آ جب وہ نہا کر آئی تو میں نے اوسکو بھی اسلام سکھایا اور وہ بھی مسلمان ہوگئی (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زادالمعاد ابن القیم مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۲۰۵) پس جب معمولی عورت و مرد تک اسلام و کفر کے سبب سے علحدہ کردیئے جاتے تو عقل سلیم کب قبول کرسکتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابوطالب کی زوجیت سے علحدہ نہ کراتے۔ اب بغیر اس کے چارہ نہیں کہ جناب ابوطالب کے ایمان کا بھی ویسا ہی یقین کیا جائے جیسا اونکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کا علم ہے۔ ورنہ خود رسولخدا کی ذات پر اعتراضات کی بوچھار ہوتی رہیگی۔

اگرچہ عام علماء اس دلیل کو بیان نہیں کرتے مگر حضرات ائمہ طاہرینؑ نے جو علوم نبوت کے اصلی وارث تھے ایمان ابوطالب کے بارے میں اس دلیل کو بھی فرمایا ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے ایمان ابوطالب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ سوال عجیب و غریب ہے! خدا نے تو اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ کسی مسلمان عورت کو اس کے کافر شوہر کی زوجیت میں نہ رہنے دیں بلکہ دونوں کو الگ کر دیں۔ پھر اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو آنحضرت صلعم اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت اسد کو جو سابقات الاسلام سے تھیں جناب ابوطالب کی زوجیت سے کیوں علیحدہ نہیں کرا دیتے؟" (بحار الانوار جلد ۹ صـ ۳۲ حالات جناب فاطمہ بنت اسد) اس سے زیادہ جناب ابوطالب کے ایمان کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ مخالفین تو اسلام تک سے انکار کرتے ہیں جو اُن کا علاج ہے وہی ان کا بھی۔

غرض جب حضرت ابوطالب اسلام قبول کر چکے تھے تو بانیٔ اسلام حضرت رسولِ خداؐ کی حمایت و اعانت کو بھی آپ اپنا فرض سمجھتے.. چنانچہ آپ نے سمجھا اور اسے بہترین طور پر انجام دیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں رؤسائے قریش شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ "جانِ عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اُٹھا نہ سکوں"۔ رسول اللہؐ کی ظاہری پشت و پناہ جو تھے ابوطالب تھے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لاکر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا رسول اللہؐ سے

کہا جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۸۲ و سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۸۹)
اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ جب قریش اس دفعہ بھی ابوطالب کے جواب سے مایوس ہوئے تو ایک جوان عمارہ بن الولید کو لے کر پھر ان کے ہاں گئے اور کہا اے ابوطالب دیکھو یہ عمارہ بن الولید قریش کا وہ جوان ہے جو شاعری میں ان سب سے بڑھا ہوا اور حسن و جمال میں سب سے بہتر ہے۔ تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو کہ یہ بڑا عقلمند بھی ہے اور تمہاری مدد بھی کرے گا اور اپنے بھتیجے کو ہمیں حوالہ کر دو کیونکہ وہ ہم لوگوں کو احمق کہتے۔ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے دین کی مخالفت کرتے اور تمہاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ انھیں قتل کر کے قصہ ہی ختم کر دیں۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمہارا ایک شخص مارا جائیگا۔ اس کے عوض ہم اپنا ایک شخص تم کو دیئے دیتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ جناب ابوطالب کا چہرہ بگڑ گیا اور کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے بدترین معاملہ پیش کیا ہے۔ کیا خوب ! یہ فرزند تو مجھے اس لئے دیتے ہو کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں۔ پہناؤں اور ہر طرح پالوں۔ اور مجھ سے میرا فرزند اس غرض سے طلب کرتے ہو کہ تم اسکو قتل کر دو۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳)
غرض آنحضرت صلعم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے... مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے... مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملیگا۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (جو پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ یہ

فرار ایڈیٹر النجم — مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ کا مناظرہ ... جدید کا قبلہ ... رسالہ اصلاح سے مناظرہ کرنے کے لئے آ کر عین مناظرہ سے شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۲ر

فتح الرحمان — ایڈیٹر النجم دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا قیمت ۲ر

فتح مبین — اس رسالہ میں بھی ایڈیٹر النجم کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے قیمت ۲ر

فتح القدیمہ — ایڈیٹر النجم نے بمبئی میں جا کر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے قیمت ۳ر

قول کریم — ایک سنی عالم کا ایڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری پڑی ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے۔ جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک ایڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہ ہو سکا قیمت ۵ر

معراج شہادۃ — شہادۃ حضرت امام حسینؑ کے متعلق خان بہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب نور ایمان کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے قیمت ۲ر

آل و اصحاب — اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ سے کس درجہ بے رخی کی۔ واقعہ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۲ر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا — فرقہ اہل قرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اس کے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کر کے ثابت کر دیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل قرآن کو بھی مان لینا پڑا۔ قیمت ۲ر

اسلامی خدا — توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کر کے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۵

نورانی مجالس — خدا کے فضل سے گھر گھر ہونے لگیں مگر افسوس حدیث کی ایسی کوئی کتاب

(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کجھوا میں چھپکر شائع کیا)

اصلاح

نمبر ۴	ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ	جلد ۴۱

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ قسم اول
پانچ روپیہ

چندہ سالانہ قسم دوم
تین روپیہ

یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر جب ان سے کتاب کے اوراق نکال کر جلد بندھوانے کا ارادہ ہوتا ہے اور کئی کئی نمبر غائب پاتے ہیں تو دفتر میں شکایت کرتے ہیں کہ فلاں فلاں نمبر ہم کو نہیں ملے۔ ان کے بغیر سوانح عمری مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسے حضرات کو خیال کرنا چاہیے کہ دفتر ان نمبروں کو مکرر کیونکر روانہ کر سکتا ہے بغیر سوانح عمری کے لئے کسی طرح پچھلے نمبر روانہ کر دیے جاتے ہیں مگر آیندہ کے لئے کل حضرات سے التماس ہے کہ رسالہ جس وقت پہونچے پڑھکر اپنے صندوق یا الماری میں قفل لگا کر بند کر دیا کریں۔ اور جب آخر سال میں تاریخ ائمہ ختم ہو جائے تو ہر نمبر سے اس کے اوراق نکال کر جلد بندھوا لیں۔ کل حضرات اس کا خیال رکھیں کہ ایک نمبر پہونچنے پر اگر دفتر میں شکایت آئیگی کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو دفتر اس کو مکرر روانہ کر دے گا لیکن اگر چار یا پانچ نمبر کے بعد قبل کا پرچہ طلب کیا جائیگا تو اسکی قیمت فی نمبر ۴ر آنے پر وہ بھیجا جائیگا۔ مثلاً نمبر ۳ پہونچنے پر اگر کوئی صاحب خبر دیں کہ نمبر ۲ نہیں ملا تو مکرر بغیر قیمت بھیج دیا جائیگا۔ لیکن اگر نمبر ۵ پہونچنے پر خط آیا کہ نمبر ۱ و نمبر ۳ نہیں ملا تھا تو دونوں کی قیمت ۸ر پہونچنے پر دوبارہ مکرر بھیجے جائیں گے پس آپ حضرات اپنے پرچوں کی حفاظت کیا کریں۔ دیکھنے کے بعد کسی جگہ پر وہاں سے نہ چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ لیجائیں۔ یہ رسالہ اس قدر نہیں چھپتا کہ ناظرین کو سو دو سو بھیجے مکرر جایا کریں۔

۵۵ و ۵۶ ہجری کا چندہ جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجا وہ فوراً منی آرڈر سے روانہ کر دیں۔ ورنہ آیندہ نمبر بذریعہ وی پی جائیگا جس میں ۳ر پیسہ زائد خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا۔ خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھیں اور نہ اتنا مال ہے کہ اس کے لئے پوسٹ کارڈ خریدا جائے۔ آپ حضرات اس اطلاع کو کارڈ کی خبر تصور کرکے فوراً چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں نہایت شکر گزار ہونگا کہ وی پی بھیجنا ایک مصیبت بھی ہے۔

کاغذ کی مصیبت بہت بڑھتی جاتی ہے۔ قیمت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ دوسرے اخبارات نے اپنا چندہ بڑھا دیا۔ اب اصلاح کیا کرے؟ اگر آپ حضرات صرف دو جدید خریدار عنایت فرمائیں تو بغیر چندے میں اضافہ کئے رسالہ آسانی سے شائع ہو سکتا ہے۔

تاریخ ائمہ جو مومنین حضرات ائمہ طاہرین کے معرفت نیز حالات جاننا چاہتے ہیں وہ جلد اصلاح کے خریدار ہو جائیں ورنہ تاریخ ائمہ کے طبع ثانی کا انتظار بھی انکے لئے افسوسناک ہوگا۔



اصلاح

نمبر ۴ | ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ | جلد ۱۴

الحمد للہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اصلاح ماہ ربیع الثانی کو بھی جلد شائع کرا کے اسی ماہ میں ناظرین تک پہونچا دیا۔ گزشتہ تینوں ماہ کا رسالہ بہت تاخیر سے شائع ہوا۔ جس کا ہمیں بھی کمال صدمہ ہے۔ مگر ہم بھی مجبور تھے۔ ہم نے وقت پر شائع کرنے میں کوئی کوشش اوٹھا نہیں رکھی لیکن جو امر اپنے اختیار میں نہ ہو اوس کو کیونکر انجام دے سکتے خصوصاً جب ہماری صحت ہی درست نہ ہو اور ضعف قلب کی وجہ سے کام ہی نہ ہو سکے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ خداوند عالم اپنے فضل و کرم سے ایسا سامان فرمادے کہ آیندہ بھی ہر ماہ کا رسالہ اصلاح اوسی مہینہ میں ناظرین تک پہونچ جایا کرے۔ اور خدا اس قدر قوت بھی مرحمت فرمائے کہ ماہ رجب سے خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ شائع ہونے لگے اور ایسا اچھا انتظام بھی کرادے کہ ہمدردان اصلاح کو دفتر سے اب کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہو۔ ہمدردان دین و ملت اور مشتاقان علوم و معارف بھی جلد توجہ فرمائیں تاکہ دو معین مصنف کے حق المحنت کا انتظام بھی ہو جائے اور وہ ضروری کتابیں بھی منگائی جائیں جن کے آنے پر اس سوانح عمری کی اشاعت موقوف ہے۔ اگر ۹۹؍ حضرات اب بھی دس دس روپیہ بھیج دیں اور اس کے عوض خلیفہ اول کی سوانح عمری مکمل قیمتی چار روپیہ کے دو دو نسخے اور تصویر عزا قیمتی ۲؍ کا ایک ایک نسخہ ہم سے منگالیں تو آسانی سے ہماری شرط پوری ہو جائے اور حضرت عمر بھی شایع ہونے لگیں۔ تاریخ ائمہ اس ماہ میں بجاے ۴۰ صفحہ کے ۴۵ صفحہ شائع کی گئی ہے کیونکہ اس کو

ماہوار ۱۰۰ صفحہ دینے کا وعدہ تھا مگر محرم کے نمبر میں اس کے صرف ۴۲ صفحہ شائع ہوئے تھے۔ اس سبب سے اس نمبر کی کمی اس نمبر میں پوری کر دی گئی۔ ناظرین اس بات کا خیال رکھیں کہ غزوات کے حالات خلیفہ اول کی سوانح عمری میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور اس تاریخ ائمہ میں بھی حضرت رسولخدا صلعم کے حالات کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں اور یہ مجبوری ہو رہا ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ حالات آنحضرت صلعم ہی کے ہیں۔ سال گزشتہ صرف یہ دکھانے کو کہ غزوات میں خلیفہ اول صاحب نے کیا کیا خدمتیں کیں۔ یہ چیزیں ذکر کی گئی تھیں۔ مگر انشاء اللہ چند صفحوں میں یہ مضامین ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام کے حالات شائع ہونگے جو پہلے نہیں شائع ہوئے تھے۔ بکثرت ہمدردان اصلاح کے خطوط اور فرمائشیں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ ہم آپکی انکی تعمیل نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت شرمندہ ہیں۔ انشاء اللہ اب جلد سبکا جواب بھی جائیگا۔ ناظرین دعا فرمائیں کہ خدائے کریم ہماری مجبوریوں کو دفع کرے اور اتنی قوت دے کہ یہ سب خدمات اچھی طرح انجام پا سکیں۔ اپنے ضعف قلب کی وجہ سے بھی ہم چاہتے ہیں کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری جلد از جلد شروع کر دی جائے کہ معلوم نہیں بعد میں اتنی قوت بھی ملے یا نہیں۔ مگر تنہا اس کام کے انجام کر سکنے کی امید ہوتی ہے نہ بغیر مطلوبہ کتابوں کے مہیا ہوئے آکی اشاعت زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ اس سبب سے آپ حضرات جلد دومین مصنف کے حق المحنت اور کتابوں کا انتظام کریں

ہندوستان میں ہمارے سیاسی حقوق

ہندوستان کا موجودہ دور جس طرح گزر رہا ہے مومنین ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ جس قوم کی تعداد زیادہ ہے اسی کو زیادہ حقوق مل رہے ہیں۔ اسی وجہ سے گاندھی جی نے اچھوت قوم کو ہندوؤں سے علحدہ کرنے پر اتنا رنج ظاہر کیا کہ گویا خودکشی تک کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ایسی حالت میں شیعوں کا فرض ہے کہ اپنی تعداد زیادہ کرنے کی بھی کوشش کریں اور گورنمنٹ سے اپنے لئے خاص حقوق حاصل کرنے کی جد و جہد بھی کئے جائیں۔ تعداد زیادہ کرنے کی دو صورت ہے۔ ایک یہ کہ تین چار عورتوں سے ایک وقت میں نکاح اور متعہ کریں کہ خدا و رسول نے اسی وجہ سے اسکی تاکید کی اور فرمایا تناکحوا و تناسلوا تکثروا (تم لوگ کثرت سے نکاح کرو۔ اپنی نسل بڑھاؤ تاکہ تم زیادہ تعداد میں ہو جاؤ) دوسری یہ کہ جس طرح قادیانی اور آریہ فرقہ کا ہر شخص اپنے مذہب کی تبلیغ میں لگا رہتا ہے اسی طرح ہر شیعہ اسکی کوشش کرے کہ خواہ وہ زمیندار ہو۔ ملازمت پیشہ ہو۔ وکیل ہو۔ بیرسٹر ہو۔ اپنے مذہب کی خوبیاں دوسروں کے ذہن نشین کرتا رہے۔ قادیانیوں اور آریوں کو اکثر

دیکھا جاتا ہے کہ بائسکل کی مرمت کر رہے ہیں مگر جو شخص مل جاتا ہے اوس سے اپنے مذہب کی فضیلت بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔ کپڑا بیچ رہے ہیں اور اپنے دین کی تبلیغ میں باتیں کئے جا رہے ہیں وکالت خانوں میں بیٹھے ہیں اور یہی ذکر رہے ہیں۔ ڈاکٹری شغل ہے مگر مریضوں سے مذہبی چھیڑ چھاڑ بھی خوبصورتی سے جاری ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے مذہب کی ہر خوبی کو ہر شخص سے ہر وقت ذکر کرنا اور اپنی تعداد میں روز بروز اضافہ کرتے رہنے کی تمنا کرنی چاہیئے۔ اگر ہم اپنے مذہب کے کام کو اپنا کام سمجھیں۔ اگر اسکی ترقی کو اپنی ترقی خیال کریں اگر اسکی اشاعۃ کو اپنا فرض جانیں تو اپنے قیمتی اوقات میں اس کام کو بھی ضرور رکھیں مومنین اس کا خیال رکھیں کہ مذہب حق کی اشاعۃ کے لئے حضرت رسولخدا صلعم نے کتنی اذیتیں اٹھائیں کتنی مصیبتیں برداشت کیں مگر کبھی اس سے منہ نہیں موڑا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے اسی لئے آنحضرت صلعم کے کل جہادوں میں نمایاں حصہ لیا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسی لئے اپنی اور اپنے اعزہ واصحاب کی شہادت گوارا کی اور بقیہ ائمہ طاہرینؑ بھی برابر اسی میں مشغول رہے۔ پھر ہمارا بھی یہی فرض ہے اس لئے کہ کسی بزرگ کے پیرو ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسکی خدمات کو پسند اور عملاً اختیار کرے۔ یہ تو ہماری دینی خدمت ہوئی دنیوی فریضہ یہ ہے کہ ہر صوبہ کے ہر شہر میں شیعہ پولٹیکل کانفرنس کی شاخ قائم کی جائے۔ اور ہر ماہ اس میں جلسے کر کے اپنی ضرورتیں اس صوبہ کی گورنمنٹ پر ظاہر کی جائیں۔ ریزولیوشنوں کی نقل صرف ارکے ٹکٹ میں جایا کرے گی۔ لیکن ہر ماہ پابندی سے اپنے حقوق طلب کرنے۔ اپنی حاجات ظاہر کرتے۔ اپنی مصیبتیں بیان کرنے سے گورنمنٹ پر ضرور اثر ہوتا جائیگا اور خاموشی سے جس قدر نقصان ہم لوگ اوٹھاتے جاتے ہیں اس میں یقیناً کمی ہوگی۔

ہم لوگوں کو اپنی مالی حالت بڑھانے کی بھی خاص سعی کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر ہر فرد خواہ بوڑھا ہو یا جوان۔ مرد ہو یا عورت خود کچھ پیسہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ ذہن نشین کرے کہ کسی کام۔ کسی پیشہ۔ کسی شغل میں ذلت نہیں ہے بلکہ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ (خود محنت کر کے پیسہ پیدا کرنے والا خدا کا دوست ہو جاتا ہے) کے مطابق اسی میں عزت ہے تو ہم لوگوں کا افلاس بہت حد تک دور ہو سکتا ہے۔ اس وقت مارواڑی۔ پارسی قومیں کس درجہ خوش حال ہیں۔ اسی سبب سے تو کہ ان کا کوئی شخص بیکار نہیں ہے سب کچھ نہ کچھ

پیدا کرتے رہتے ہیں ۔ ہم لوگوں میں جو زمیندار ہیں اب انکو بھی خود تجارت یا زراعت ۔ صنعت وحرفت یا معمولی مزدوری تک میں جلد از جلد مشغول ہو جانا چاہیئے ۔ اس لئے کہ سوراج کا معنے عوام کے ذہن میں یہی ہے کہ زمین کی لگان معاف ہو جائے اور جو کاشتکار جس زمین پر قابض ہے اس پر بغیر مالگزاری کے تصرف رکھے ۔ اور ہر صوبہ کی اسمبلی کے ممبران بھی یہی کوشش کر رہے ہیں کہ کاشتکاروں کو قوت حاصل ہو اور زمینداروں سے انکے تعلقات کم ہوتے جائیں پس اگر ہم لوگوں میں اسی وقت سے محنت مشقت کرکے ہاتھ پاؤں چلانے ۔ دوکان کھولنے ۔ بنیا پن کرنے ۔ زمین کوڑنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوگی تو دفعتہً وہ وقت آجانے پر ہماری تباہی رکھی ہوئی ہے ۔ ہم جلد اپنی آنکھیں کھولیں ۔ سابق زمانہ کو بھول جائیں ۔ بالکل مزدور بن کر زندگی بسر کریں ۔ تب ہندوستان میں رہ سکتے ہیں ۔ ورنہ ہماری غلامی رکھی ہوئی ہے ۔ اور پھر سوائے کف افسوس ملنے کے ہم سے کچھ نہیں ہو سکے گا ۔ یقیناً ہمیں وہ عزت نہیں حاصل ہے جو ہمارے بزرگوں اور پیشوایان دین کو ملی تھی ۔ مگر کیا اُن لوگوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کام کے کرنے میں شرم کی ؟ جناب رسولخدا صلعم کے پردادا حضرت ہاشم خود تجارت کے قافلے شام میں لے جایا کرتے ۔ پھر ہم کیوں تجارت کرنے سے شرم کریں ؟ حضرتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے خدا کے حکم پر اپنے ہاتھ سے زمین کوڑی اور کھود کر زمزم کا کنواں نکالا ۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے لئے قبر بھی کھودی ۔ پھر ہمیں زمین کوڑنے میں کیوں عار ہو ؟ حضرت رسولخدا صلعم جناب خدیجہ کا مال تجارت باہر لے جاکر فروخت کرتے تھے ۔ پھر ہمیں کاروباری زندگی اختیار کرنے سے کیوں حیا آئے ؟ جناب امیرؑ اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے پھر ہمیں جوتا بنانے کا کام سیکھنے میں کیوں عذر ہو ؟ جناب سیدہؑ خود چکی پیستی تھیں ۔ پھر ہماری بہنوں کو چکی پیس کر کچھ پیسے پیدا کرنے میں کیوں تامل ہو ؟ جناب معصومہؑ اپنے ہاتھ سے اون کاتتی تھیں ۔ پھر ہماری لڑکیوں کو کپڑا سی کر ۔ چکن کاڑھ کر اپنی مالی حالت درست کرنا کیوں خلاف شان معلوم ہو ؟ فقط حقیر آغا جعفر

ایڈورڈ ہشتم اور خلیفہ مامون الرشید

ایڈورڈ ہشتم سابق بادشاہ انگلستان کی شادی مسز سمپسن سے ہو کر رہی ۔ معلوم ہوا کہ شادی کے بعد سابق بادشاہ اور انکی زوجہ محبوبہ شاٹو سے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے موٹر میں گلاب کے پھول بہت کثرت سے رکھ لئے تھے ۔ جب کبھی راستے میں دیہاتیوں کی مبارکباد دینے والی جماعت سامنے آتی تو

اظہار شکریہ کے طور پر موٹر کی کھڑکی سے انکی طرف گلاب کے پھول پھینک دیئے جاتے تھے
اس پر ہم کو بنی عباس کے مشہور خلیفہ مامون الرشید کی شادی یاد آئی۔ اس کے حالات
بہت طویل ہیں مگر ہم صرف ایک کتاب سے اس کا مختصر حال نقل کرتے ہیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی
صاحب نعمانی لکھتے ہیں " مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت و شان سے ادا ہوئی وہ
اُس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے۔ عربی مورخوں کا
دعوے ہے کہ گزشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی اوسکی نظیر نہیں لا سکتا۔ ہماری محدود واقفیت
میں اب تک کسی نے اُن کے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت
لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر
ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی۔ مامون معہ خاندان شاہی
وارکان وکل فوج و تمام افسران ملکی و خدام حسن کا مہمان ہوا اور برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات
کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے مہانداری کی گئی کہ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی نے بھی چند روزوں کے
لئے امیرانہ زندگی بسر کرلی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک
و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں۔ جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام
املاک۔ خلعت۔ اسپ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی۔ نثار کی عام لوٹ میں
یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اوس میں جو کچھ لکھا ہو اوسی وقت وکیل المخزن سے دلا
دیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار نثار کئے گئے۔ مامون کے لئے
ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بُنا گیا تھا اور گوہر و یاقوت سے
مرصع تھا۔ مامون جب اُس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اُس کے قدم پر نثار کئے گئے۔
جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابو نواس کا یہ مشہور شعر پڑھا
اور کہا کہ ابو نواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ؎

کان صغرے وکبرے من فواقعہا ❊ حصباء در علے ارض من الذہب

جام شراب کے چھوٹے بڑے بُلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے
دانے ہیں۔ زفاف کی شب جب نوشہ اور دلھن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا
موتی دونوں پر نچھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ ۵ کروڑ درہم (آج کل کے حساب سے

ایک کروڑ روپیہ ہوئے) کیا گیا ہے ... بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور خط میں لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اُس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کہ میں اُس کو حضور کی نذر کے لئے انتخاب کروں۔ مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اوس کو واپس دی جائیں" (المامون صفحہ ۲۲)

ناظرین اصلاح کو حیرت ہوگی اور وہ ضرور کہیں گے کہ جس رسولؐ نے مرتے دم تک تمام عمر میں جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی کیا اُس کے خلیفہ اور مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کو ایسا ہی ہونا چاہیئے

سید ظہیر حیدر مجھوئی مولوی عالم

لڑکیوں کا نصاب تعلیم

جناب محترم دام برکاتکم۔ السلام علیکم۔ ماہ صفر کے اصلاح میں "زنانہ کالج میں تعلیم کا اثر" مضمون پڑھکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسی تعلیم سے تو اپنی لڑکیوں کا بالکل جاہل رکھنا اور انکو صرف گھر کے کام کرنے۔ جھاڑو دینے۔ مکان صاف رکھنے۔ کپڑا سینے۔ کھانا پکانے کا طریقہ بتانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا آپ کچھ ایسی مذہبی کتابوں کا نام بتا سکتے ہیں جو چھوٹی بچیوں یا لڑکیوں کو پڑھائی جاسکیں جن سے کم ازکم انکی مذہبی تعلیم کچھ تو ہو جائے۔ تحفۃ العوام۔ تحفہ احمدیہ وغیرہ میں تو ہر سطر میں عربی فارسی کے ایسے مشکل الفاظ بھرے ہوئے ہیں جن کا سمجھنا مشکل اور لڑکیوں کا انکو یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کتابوں کے پڑھنے میں ان کا زیادہ دل بھی نہیں لگتا۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں ایسی ہوں جن کو بچیاں ہنستی کھیلتی دیکھ لیا کریں اور خود سے ان کے پڑھنے میں ان کا جی لگے انجمن حمایت الاسلام لاہور میں بچیوں کے لئے کچھ کتابیں چھپی ہیں۔ کیا ایسی کتابیں ہمارے مذہب میں بھی کہیں مل سکتی ہیں۔ اگر ہوں تو ضرور ان کے پتے سے مطلع فرمائیں۔ دعاگو نظیر عباس

اصلاح

افسوس ایسی آسان عام فہم اور دلچسپ کتابیں غالباً اب تک ہمارے مذہب کی نہیں شایع ہوئی ہیں۔ کوئی صاحب توجہ کریں کہ واقعاً ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی جواب دیں

جناب خواجہ صاحب! اسلام علیکم۔ اخبار شیعہ لاہور ۲۱ ربیع الثانی میں آپکا مضمون "رسول کی دیا کرپا" شائع ہوا ہے جس میں آپ نے بار بار حضرت رسول خدا صلعم کی دوکان کا ذکر کیا ہے مثلاً "وہ مکہ شہر میں پیدا ہوئے اور مکہ کے بازار میں ان کی دوکان تھی ... وہ اپنی دوکان سے اتر کر اس

عورت کے پاس گئے۔ ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے تھے" حضرت صلعم کا تجارت کرنا اور مال تجارت لے کر دوسرے ملکوں کا تجارتی سفر کرنا تو تمام کتابوں میں موجود ہے مگر اس کے لئے خاص دوکان رکھنا آپ نے کس کتاب میں دیکھا ہے اس سے مطلع فرمائیے تاکہ اس دوکان کے مفصل حالات معلوم ہو سکیں۔

آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے "میں آل نبی اور اولاد علی ہوں اور شیعہ میرے گھر کے غلام ہیں"۔ اس جملہ کا مطلب واضح طور پر لکھیئے۔ آپ آلِ نبی اور اولاد علی کس طرح ہیں۔ کیا آپ سید ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہندوستان میں پانچ قسم کے سادات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ حسنی حسینی۔ زیدی۔ موسوی۔ رضوی۔ نقوی کیا آپ مطلع فرمائیں گے کہ آپ کون سید ہیں۔ پھر اس جملہ کا کیا مطلب کہ "شیعہ میرے گھر کے غلام ہیں"۔ شیعہ آپ کے گھر کے غلام کس طرح ہو گئے؟ اگر آپ کہیں کہ جو لوگ کسی خاندان کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ اُس کے غلام ہو جاتے ہیں تو یہ خلافِ عقل بات ہے۔ پھر آپ حضرت ابراہیمؑ کو بھی غلام کہہ دیجئے گا جن کے بارے میں قرآن مجید ارشاد کرتا ہے وان من شیعتہ لابراھیم یقیناً ان کے شیعہ حضرت ابراہیم بھی تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو نسبی طور پر سید ہیں۔ دوسرے وہ جو غیر سید ہیں۔ غیر سید خواہ شیعہ ہوں خواہ سنی بہر طور حضرت علی کے گھر کے غلام ہیں اور اس پر ان کو فخر ہے۔ لیکن جو شیعہ سید ہیں وہ آپ کے گھر کے غلام کس اصول پر ہو گئے۔ دنیا میں تو جس قدر سچے سید ہیں (اور وہ سید ہونے کا غلط دعوےٰ نہیں کرتے) تقریباً کل شیعہ ہی ہیں۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک گھر کے رہنے والے خود ہی مالک بھی ہوں اور خود ہی غلام بھی۔ یہ بالکل موٹی بات ہے ذرا سمجھ کر جواب عنایت فرمائیگا۔ فقط آغا جعفر کجھوئی۔

تقریظ (۱) شمس الهدایة:- ۴۴ صفحہ کا رسالہ مولفہ جناب مولوی سید محمد محسن صاحب زیدی شیعہ ینگ مین سوسائٹی سہارنپور نے شایع کیا ہے۔ جس میں مذہب اہلسنت کا باطل اور شیعہ کا حق ہونا ثابت اور اہلسنت کے رسالہ مشعل ہدایت کا اچھا جواب دیا گیا ہے۔ قیمت ۲؍ سیکڑا ۱۔ ایک کاپی ۲؍۔

(۲) تعقیبات پنجگانہ:- بہت چھوٹی تقطیع کے ۱۶۰ صفحہ پر یہ رسالہ جناب مولوی سید ولی حیدر صاحب امروہوی نے شایع کیا ہے جو اس قابل ہے کہ ہر شخص آسانی سے جیب میں رکھے اور گھر پر یا سفر میں جب نماز پڑھے جیب سے نکال کر ہر نماز کے بعد کی تعقیبات (دعائیں) پڑھ لے

خواص اسماء حسنہ ۔ دعاے طول عمر ۔ دعاے ہر روزہ ۔ دعاے وسعت رزق وغیرہ بھی ہیں مگر افسوس صحت کا پورا اہتمام نہیں کیا گیا ۔ قیمت ۶ر ملنے کا پتہ مرقوم نہیں ہے ۔ (۳) رسالہ سید الشہداء عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے سے انکار کیا تھا ان کے تمام شبہات کا تسلی بخش اور زلزلہ افگن جواب اہلسنت کی کتابوں سے دیکر حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے کا مفصل ثبوت فاضل محترم جناب مولوی آغا سید مہدی صاحب لکھنوی نے اس ۴۸ صفحہ کے رسالہ میں دیا ہے اور ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے ۔ خدا ممدوح کو جزاے خیر دے کہ بہت خوبی سے اس کتاب کو تالیف کیا ہے ۔ قیمت صرف ار عقب مسجد تحسین چوک لکھنؤ سے طلب کریں (۴) **مسئلہ خلافت و امامت حصہ دوم** ۔ رسالہ نگار لکھنؤ نے ہر نام صاحب کا مضمون خلافۃ و امامۃ شائع کرکے حضرات اہلسنت میں ایک تلاطم بپا کر دیا ہے ۔ اس مضمون کے جواب میں فاروق صاحب کانپوری نے رسالہ فاران بجنور میں ایک مضمون شایع کیا تھا ۔ پھر جناب مولوی عینی شاہ نظامی صاحب کا مضمون منادی دہلی میں شایع ہوا جو پہلے مضمون کا جواب ہے ۔ پھر جلیل الرحمن صاحب اعظمی کا مضمون ہے جس میں مخصوص نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے اور وہ نگار کے ادارتی تبصرہ کے ساتھ درج ہوا ہے ۔ پھر فاضل محترم و محقق مکرم جناب مولوی سید علی نقی صاحب دام مجدہ کا ایک گرانقدر مقالہ ہے ۔ ان کل مضامین کو اس ۱۱۶ صفحہ کے رسالہ میں امامیہ مشن لکھنؤ نے شایع کرکے تبلیغ مذہب حق کی مفید خدمت انجام دی ہے ۔ قیمت ۴ر (۵) **مسئلہ خلافت و امامت حصہ سوم** ۔ نگار کے سلسلہ مضامین کا یہ سب سے آخری اور مکمل ترین مضمون ہے جو خود نگار میں شایع کیا گیا اور جس نے حقیقت کے ہر نقاب کو چاک بلکہ تار تار کر دیا ہے اور نہایت قابلیت سے خلافۃ بلا فصل جناب امیرؑ پر مہر لگا دی ہے ۔ یہ رسالہ بھی امامیہ مشن لکھنؤ سے صرف ۴ر پر طلب کیجئے ۔ خدا اس ادارہ کو ترقی دے کہ نہایت مفید دینی خدمات انجام دے رہا ہے (۶) **مشہد اعظم** ۔ اس رسالہ میں ہز اکسلنسی راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر حیدر آباد دکن اور جناب مولوی عینی شاہ صاحب نظامی حنفی حیدر آباد دکن کا زبردست مضمون شہادت حضرت امام حسینؑ کی اہمیت کے متعلق شایع ہوا ہے ۔ دونوں مضمون نہایت قابل قدر ہے قیمت ار امامیہ مشن لکھنؤ سے طلب کریں (۷) قرآن مجید اور اقتصادیات کی تعلیم و تاکید ۔ جناب خانبہادر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی کو اٹھ ضلع آرا نے اس ۳۲ صفحہ کے رسالہ میں نہایت قابلیت سے یہ دکھایا ہے کہ قرآن مجید ہمیں کس طرح فضول خرچی سے روک کر میانہ روی بتاتی ۔ آمدنی بڑھانے کے اصول اور خرچ کم کرنے کے فوائد سکھائے بہت عمدہ ۔ دلچسپ چھوٹا اور نہایت مفید رسالہ ہے ضرور منگایئے قیمت ۴ر

سنہ نبوی کا واقعہ ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱) ۔شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب نے حضرت رسولخدا صلعم سے جو محبت بلکہ اولاد و نثاری کی ہے اوسکی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں نہیں ملتی ۔ اسی سے یہ واقعہ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے ۔ محرم سنہ بعثت میں جناب ابوطالب آنحضرت صلعم کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ اس شعب میں لے گئے تھے اور تین سال تک اس میں رہے ۔ سال میں دو دفعہ (رجب اور ذی الحجہ میں) بنو ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے ۔ اس قید نے ان بیچاروں پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی اذیات کے علاوہ رزق کی تنگی نے اور پریشان کر رکھا تھا ۔ ناطے رشتے والے جو مخفی طور پر کوئی چیز بھیجتے اور کفار کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل اور فضیحت کئے جاتے ۔ جناب ابوطالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرت کی حفاظت کی فکر تھی ۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے وکان ابوطالب فی کل لیلۃ یأمر رسول اللہؐ ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس اقام وامر احد بنیہ او غیرھم ان یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یغتالہ احد ممن یرید بہ السوء حضرت ابوطالب نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسولخداؐ سے فرماتے کہ میرے پاس میرے ہی فرش پر سو رہو ۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تھے تو آپ حضرت کو اس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسولخداؐ کی جگہ سو رہے ۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کر دے (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۲)

سبحان اللہ یہ اولاد و نثاری! جناب ابوطالب کو خوف ہوتا کہ کسی دشمن نے حضرت رسولخداؐ کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہو گی ۔ ممکن ہے وہ حضرتؐ پر اندھیری رات میں اسی جگہ کا انداز کر کے حملہ کر دے ۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر آپ اس جگہ سے حضرتؐ کو اٹھا دیتے اور اپنے بیٹوں یا بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو سلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھکر حملہ کرے گا تو حضرت رسولخدا صلعم وہاں سے ہٹ چکے ہونگے بچ جائیں گے اور آپ کا کوئی فرزند یا عزیز قتل ہو جائیگا ۔ اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو حضرت رسولخداؐ پر فدا کرتے رہتے تھے ۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب قریش حضرت ابوطالب کے پاس بار

بار آکر واپس گئے اور آپ نے حضرت رسولخداؐ کو اونکے حوالہ نہیں کیا تو ان سب نے ایکا کر لیا کہ محمدؐ اور اون کے کل ساتھیوں کو پامال کر ڈالو۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ کے لوگ اپنے تعلقہ کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب پہونچاتے اور اون کے دین سے واپس لانے کے لئے ان کو فتنوں میں مبتلا کرتے ومنع اللّٰہ رسولہ منھم بعمہ ابی طالب مگر خدا آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ سے برابر آپکی حفاظت کرتا رہا۔ حضرت ابوطالب قسم کھا کر کہتے تھے سہ واللّٰہ لن یصلوا الیک بجمعھم ۔۔۔ حتی اوسد فی التراب دفینا ۔ فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ ۔۔۔ وابشر بذاک وقر منک عیونا خدا کی قسم اے محمدؐ جب تک میں زمین میں مدفون ہو کر غائب ہو جاؤں اوس وقت تک یہ کفار سب کے سب ملکر کوشش کریں جب بھی تم تک پہونچ نہیں سکتے۔ تم مطمئن ہو کر اپنے کام تبلیغ رسالت کو انجام دیتے رہو۔ تمہارا کچھ بھی کوئی شخص بگاڑ نہیں سکتا۔ تم میرے اس وعدہ پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں کو خوشی سے ٹھنڈی رکھو (اسنی المطالب صنا و ابوالفدار جلد ا صنا۲ وطبری جلد ۲ صنا۲۲۰)۔ اس شعب سے نکلنے کی بھی جو صورت ہوئی وہ جناب ابوطالب کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔ جب شعب میں تقریباً تین برس ہو گئے تو ایک روز حضرت رسولخدا صلعم نے جناب ابوطالب سے کہا اے چچا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ عہد نامہ قریش کے وہ تمام الفاظ جو ظلم اور قطع برادری پر مشتمل تھے کیڑوں نے کھالئے اور اس میں سے صرف وہ ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا وکان ابو طالب لا یشک فی قولہ جناب ابوطالب کا یہ حال تھا کہ حضرت رسولؐ جو خبر یا وحی بیان کرتے اس میں وہ برابر شک نہیں کرتے تھے۔ یہ سنتے ہی اس پر بھی یقین کر لیا اور شعب سے نکلکر قریش کے پاس گئے اور کہا جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اوسے کیڑا کھا گیا ہے اور خدا کے نام کے سوا اس کا کوئی مضمون باقی نہیں رہا۔ محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے۔ اُس کاغذ کو منگا کر دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر صحیح ہو تو جان لو کہ تم سب ہم لوگوں پر ظلم اور قطع رحم کر رہے ہو۔ اور اگر انکی خبر جھوٹ نکلے تو ہم سب لوگ جان جائینگے کہ تم لوگ ہی حق پر ہو اور ہم لوگ باطل پر ہیں۔ یہ سُنتے ہی سب کے سب جلدی کھڑے ہو گئے اور اس عہد نامہ کو اُتار لائے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جو فرمایا ہے بالکل صحیح ہے وقویت نفس ابی طالب واشتد صوتہ وقال قد تبین لکم انکم اولی بالظلم

والقطیعة فنکسوا رؤسھم۔ اب تو حضرت ابوطالب کا نفس خوب مضبوط ہوگیا انکی آواز میں بھی طاقت آگئی۔ کہنے لگے کیوں اب تو تم لوگوں پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اس معاملہ میں تم لوگ ہی ظلم وستم کرتے اور قطع رحمی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس پر اُن سب مخالفین نے اپنے اپنے سر جھکا لئے پھر اس عہد نامہ کو توڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے متعلق بھی جناب ابوطالب نے چند اشعار کہے ہیں جن سے چند یہ ہیں ؎

وقد کان فی امر الصحیفة عبرة ::: متے ما یخبر غائب القوم یعجب

محا اللہ منھم کفرھم وعقوقھم ::: وما نقموا من ناطق الحق معرب

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا ::: ومن یختلق مالیس بالحق یکذب

کفار نے رسولؐ کے پریشان کرنے کے لئے جو عہدنامہ لکھا تھا اُس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ جو لوگ اس موقع پر غائب تھے جب وہ اس کا حال سنیں گے تو اونھیں کس درجہ تعجب ہوگا مخالفین کے کفر۔ قطع رحم اور ظلم وستم کو خدا نے بالکل واضح اور کھلے ہوئے حق سے کس طرح مٹا دیا۔ جس پر کفار کی باتیں بالکل باطل ہوگئیں۔ اور جو شخص ایسی بات گڑھیگا جو حق نہ ہو اوس کا جھوٹ اور مکر وفریب تو کھل کر ہی رہے گا (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۳۳)

جب آپ کے بھائی جناب حمزہ مسلمان ہوئے تو جناب ابوطالب کو ایسی خوشی ہوئی کہ چند شعر کہہ ڈالے ؎

فصبرا ابا یعلے علے دین احمد ::: وکن مظھر اللدین وفقت صابرا

وحط من اتے بالدین من عند ربہ ::: بصدق وحق لا تکن حمز کافرا

فقد سرنی اذ قلت انک مؤمن ::: فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

ونادِ قریشا بالذی قد اتیتہ ::: جھارا وقل ما کان احمد ساحرا

اے حمزہ احمدؐ کے مذہب پر مضبوطی اور صبر سے قائم رہو بلکہ اس دین کو دوسروں پر بھی ظاہر کرتے رہو۔ خدا تم کو صبر کی توفیق دے اور جو شخص (محمدؐ) اپنے خدا کے ہاں سے سچائی اور حق کے ساتھ دین لایا ہے اسکی خوب حفاظت کرنا اور اے حمزہ کافر نہ ہوجانا۔ جب تم نے اپنے بارے میں مجھے خبر دی کہ مسلمان ہوگئے ہو تو مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ اب دیکھو اللہ کی خوشی کے لئے ان کی مدد بھی خوب کرتے رہنا۔ اور جس مذہب کی

تم نے قبول کیا ہے پکار کر اسکی خبر قریش کو کردو اور یہ بھی کہہ دو کہ احمد جادوگر نہیں ہیں (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۱۵) جناب ابوطالب ہی کے یہ اشعار بھی ہیں ؎ وخیر بنی ھاشم احمد ؛ رسول الالہ علی فترة

بنی ہاشم میں سب سے افضل احمد ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول بنائے گئے۔

لقد اکرم اللہ النبی محمدا ؛ فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

خدا نے اپنے نبی محمدؐ کو نہایت معزز کیا اس وجہ سے لوگوں میں سب سے افضل واشرف مخلوقات احمد ہی ہیں

یا شاھد اللہ علی فاشھد ؛ انی علی دین النبی احمد من ضل فی الدین فانی مہتد

اے میرے متعلق اللہ کے گواہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر زمان احمد کے دین پر ہوں۔ مذہب کے بارے میں جو گمراہ ہے ہوا کرے کیونکہ میں نے تو ہدایت اختیار کر لی (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۱۵)

انھیں خدمات واحسانات کو یاد کر کے علامہ ابن ابی الحدید نے بھی جناب ابوطالب کی شان میں کئی شعر کہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں ؎

ولولا ابوطالب وابنہ ؛ لما مثل الدین شخصا فقاما

فذاک بمکة آوی وحامی ؛ وھذا بیثرب جس الحماما

اگر ابوطالب اور اون کے فرزند (حضرت علی) نہ ہوتے تو مذہب (اسلام) نہ صورت پکڑتا نہ کھڑا ہو سکتا۔ اونھیں (ابوطالب) نے مکہ میں حضرت رسولؐ کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور انھوں (حضرت علی) نے مدینہ میں (اسلام کی اشاعت کے لئے) موت سے مقابلہ کیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۱۸)۔ جو لوگ جناب ابوطالب کے ایمان میں شک و شبہ کرتے ہیں ان کے متعلق علامہ موصوف نے کیا خوب کہا ہے ؎

وما ضر مجد ابی طالب ؛ جھول لغا او بصیر تعامی

کما لا یضر آیات الصباح ؛ من ظن ضوء النھار الظلاما

جس طرح وہ شخص جو دن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی نشانیوں کو نقصان نہیں پہونچا سکتا بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھے بن جانے سے حضرت ابوطالب کی شان گھٹ نہیں سکتی (شرح مذکور جلد ۳ ص ۳۱۸)۔ علامہ مذکور ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوطالب نے حضرت رسولخدا

صلعم کو تلاش کیا۔ آپ نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپ کو پکڑ نہ لیا ہو۔ آپ فوراً اپنے تیسرے فرزند جعفر کو لے کر حضرت کی تلاش میں نکلے۔ جا کر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسولؐ اور حضرت علی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھکر جناب ابو طالب نے جناب جعفر سے کہا تقدم وصل جناح ابن عمک۔ آگے بڑھو اور تم بھی رسولؐ کے پیچھے ملکر نماز پڑھ لو۔ اس طرح جب تینوں بزرگ نماز پڑھنے لگے تو ابو طالب یہ منظر دیکھکر خوشی سے روئے اور کہا ؎

ان علیا وجعفرا ثقتی ⁘ عند ملم الخطوب و النوب

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما ⁘ اخی لامی من بینہم وابی

واللہ لا اخذل النبی ولا ⁘ یخذلہ من بنی ذو حسب

یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں۔ اے فرزندو تم لوگ اپنے ابن عم (حضرت رسولؐ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا بلکہ انکی مدد کرتے رہنا تمہارے چچا (حضرت رسولؐ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ ان کے باپ میرے باپ اور انکی ماں میری ماں تھیں۔ خدا کی قسم میں بھی رسول کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ میرے بیٹوں سے کوئی شریف اور سعید فرزند ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے (کتاب مذکور ص۲۷۳) ؎ غرض مرتے وقت تک جناب ابو طالب نے حضرت رسولخدا

؎ حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابو طالب کے فریفتہ رہتے تھے۔ آپ کے لڑکپن کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز حضرت ابو طالب اور ابو لہب میں کشتی ہوئی تو ابو لہب نے آپ کو گرا دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب ابو طالب کے ساتھ تھے یہ دیکھکر آپ نے فوراً ابو لہب کی زلفیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس پر ابو لہب نے کہا میں بھی تمہارا چچا ہوں اور یہ بھی تمہارے چچا ہیں۔ پھر میرے مقابلہ میں تم انکی مدد کیوں کی؟ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ مجھے یہ (جناب ابو طالب) محبوب ہیں (خصائص کبریٰ علامہ سیوطی ص۸۵) مگر آنحضرت صلعم جناب ابو طالب کو صرف اس وجہ سے زیادہ دوست رکھتے تھے کہ جناب ابو طالب بھی حضرت رسولخداؐ کی طرح خدا کے مطیع بندے تھے اور مکارم اخلاق کے اعلےٰ درجہ پر فائز تھے ۱۲

صلعم کی بہترین خدمت ۔ تربیت اور حمایت کی اور تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے اسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی ۔ نہ رسول کا کبھی ساتھ چھوڑا ۔ شعب سے نکلے ہوئے ابھی آپ کو ۸ مہینہ سے کچھ ہی دن زیادہ ہوئے تھے کہ جناب ابوطالب نے نصف ماہ شوال یا ذیقعدہ سنہ ۱۰ بعثت میں انتقال کیا ۔ آپ کی عمر بھی ۸۰ سال سے زیادہ ہو چکی تھی ۔ وفات کے قریب آپ نے سرداران قریش کو بلایا (اپنے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں کو جمع کیا) اور ان سب سے حضرت رسول ص کے متعلق وصیتیں کیں ۔ کہا قریش والو! میں تم سے محمد ص (رسول خدا) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق مشہور ہیں اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں ۔ وہ خدا کی طرف سے یقیناً ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل (حق اور درست) مانتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اپنی بد نامی کے خوف سے زبان سے اس کا انکار کرتے ہیں ... پس اے قریش والو تم سب ان کے پیرو اور والی اور ان کے کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ ۔ خدا کی قسم جو شخص بھی ان کے مذہب پر چلیگا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا ۔ اور جو شخص انکی ہدایت قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائیگا اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور موت مجھے مہلت دیتی تو میں ہمیشہ اُن سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع کرتا رہتا اور ان کی آفتوں کو زائل کرتا رہتا ۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حمایت کے علاوہ یہ وصیتیں بھی آپ نے ان لوگوں سے کیں ۔ اس خانہ کعبہ کی تم لوگ ہمیشہ تعظیم کرتے رہنا کہ اس سے خدا خوش رہے گا ۔ تم لوگ صلہ رحم بھی کرتے رہنا اور خبردار قطع رحمی نہ کرنا کیونکہ صلہ رحم کرنے سے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کی خود بھی قوت بڑھتی ہے ۔ اور ظلم زیادتی بزرگوں کی نافرمانی ۔ بغاوت ہرگز نہ کرنا کہ تم سے پہلے انھیں خرابیوں کی وجہ سے کتنی قومیں برباد ہو گئیں ۔ جو شخص کسی ضرورت سے تم کو بلائے اوس کے لئے ضرور جانا اور جو سائل کچھ مانگے اوس کو ضرور دینا کیونکہ ان دونوں خوبیوں میں زندگی کا شرف بھی ہے اور موت کی عزت بھی اس کا بھی خیال رکھنا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اور لوگوں کی امانتیں ادا کیا کرو کہ ان باتوں سے خاص لوگ تم سے محبت اور عام لوگ تمہاری عزت کرینگے ۔ اس کے بعد انتقال کر گئے ۔ آپ کو غسل دیا گیا ۔ کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصول کے مطابق آپ دفن کئے گئے جب آپ کا جنازہ

(عمر ابو طالب ۸۰ سال)

اوٹھایا گیا تو حضرت رسولخدا صلعم جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ روتے اور فرماتے تھے اے چچا آپ نے اپنی قرابت کا پورا حق ادا کیا خدا آپ کو جزا ے خیر دے (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۳۹ و سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۵۲)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انتقال کے وقت جناب عبد المطلب کے خاندان والوں کو بلا بھیجا اور کہا جب تک تم لوگ محمدؐ کی بات سنتے اور انکی پیروی کرتے رہوگے اوس وقت تک خیر ہی پر رہوگے۔ لہذا تم لوگ انکی اطاعت کرو تاکہ بھلائی حاصل کرو (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۵۲) اس سے زیادہ ایمان ابوطالب کی کیا دلیل چاہیئے؟

جناب ابوطالب کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ آپکے نام ابوطالب ہی تھا۔ بعض عبد مناف اور بعض عمران کہتے ہیں (عمدۃ المطالب صفحہ ۵ و اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسولخدا کے آباء و اجداد بھی بہشت میں ہوں گے اور عبد المطلب بہشت میں اس طرح جائیں گے کہ ان میں انبیاء کا نور اور بادشاہوں کا جمال روشن ہوگا اور ابوطالب بھی اسی زمرہ میں ہوں گے (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۵) جناب ابوطالب کے انتقال کا صدمہ حضرت رسولخدا صلعم کو اس درجہ ہوا کہ اوس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج و مصیبت کا سال) رکھا۔ آپ کے بعد آنحضرتؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ اور کفار قریش نے نہایت سخت یورش کی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ سال بڑے تھے ... ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اونھوں نے ابوطالب کے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے... ابوطالب اور خدیجہ کے اوٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؟ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۸۲)

عباس بن عبد المطلب

حضرت رسولخدا صلعم کے چچا تھے۔ انکی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم سے دو یا تین برس بڑے تھے۔ آپ ہجرت کے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو چھپاتے تھے[۱] (اسد الغابہ اردو ترجمہ جلد ۵ صفحہ ۱۰۹)۔ کچھ دنوں کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس چلے گئے اور آپکے

---

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ کے چچا بھی تقیہ پر عمل کرتے تھے ۱۲

ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں بھی شریک تھے۔ آپ بہت ہی صائب الرائے اور عقلمند تھے۔ ایک دفعہ آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ قریش آپس میں ملتے ہیں تو بہت کشادہ پیشانی سے اور جب ہم سے ملتے ہیں تو منہ بنا لیتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ بھی غصہ میں آ گئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ان سے فرمایا خدا کی قسم ہرگز کسی شخص کے قلب میں ایمان نہ داخل ہو گا جب تک آپ لوگوں سے اللہ اور رسولؐ کے لئے محبت نہ کرے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عباس تم لوگوں کے نبی کے چچا ہیں۔ قریش میں سب سے زیادہ سخی ہیں اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ آپ کی یہ جلالت تھی کہ ایک دفعہ خلیفہ دومؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو اونھوں نے حضرت عباس کا واسطہ دلا کر پانی برسنے کی دعا مانگی جس پر اللہ نے خوب پانی برسایا کہ زمین سرسبز ہو گئی اس پر خلیفہ دوم نے کہا کہ واللہ یہ خدا کی طرف پہونچانے کے لئے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہیں صحابہ آپکی بزرگی کی قدر کرتے اور ان کو ہر کام میں مقدم سمجھتے ان سے مشورے لیتے اور انکی رائے پر عمل کرتے تھے۔ ان کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ۱۲ رجب سنہ ۳۲ھ (غالباً سنہ ۶۵۲ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ آپکی عمر ۸۸ سال کی ہوئی۔ قد لانبا اور بدن خوبصورت تھا۔ آپ نے سترہ غلام آزاد کئے تھے۔

جناب حمزہؓ حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادے اور حضرت رسولخداؐ کے چچا تھے۔ انکی ماں ہالہ بنت وہیب (حضرت آمنہ مادر حضرت رسولخدا صلعم کی چچا زاد بہن) تھیں اس طرح آپ آنحضرت صلعم کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور آپ کو اور آنحضرتؐ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا اس وجہ سے آپ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ آپ حضرت رسولخدا سے دو برس بڑے ـ قریش میں بڑے باعزت اور غیرت دار تھے۔ بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے آنحضرتؐ کو بہت ستایا اور گالیاں دیں۔ اوس وقت جناب حمزہ شکار کو گئے تھے۔ واپس آئے تو ایک لونڈی نے ابوجہل کے ستانے کا واقعہ کہہ دیا۔ یہ سنکر جناب حمزہؓ کو غصہ آ گیا سیدھے ابوجہل کے پاس پہونچے زور سے کمان کھینچ ماری اور اچھی طرح زخمی کر دیا اور اوسی وقت اپنے اسلام کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے سے قریش نے سمجھ لیا کہ رسولخداؐ کی قوت اب بڑھ گئی اور وہ

زیادہ محفوظ ہو گئے۔ پس وہ اپنی بعض حرکتوں سے باز آگئے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کو ہجرت کی۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور بڑے نمایاں کام کئے۔ شیبہ کو لڑ کر قتل کیا۔ عتبہ کے قتل میں یہ اور حضرت علیؑ شریک تھے۔ طعیمہ کو بھی قتل کیا۔ آپ اپنے جھنڈے میں شتر مرغ کے پر لگایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں رسولؐ کے سامنے دونوں ہاتھ میں تلوار لیکر جنگ کی۔ پھر آپ غزوۂ احد میں شریک ہوئے جس میں ۳۱ کافروں کو قتل کیا تھا۔ ناگاہ اسی حالت میں ان کا پاؤں پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑے۔ اور زرہ ان کے پیٹ سے ہٹ گئی پس وحشی نامی ایک حبشی نے نیزہ مار کر آپ کو بتاریخ ۵ شوال ۳ھ ہجری (۶۲۵ء) شہید کر دیا۔ پھر کافروں نے آپ کے بدن کا مثلہ کیا۔ ہند (معویہ کی ماں) نے جناب حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا جگر نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اس واقعہ سے آنحضرتؐ کو نہایت صدمہ ہوا۔ آپ کی لاش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بے شک آپ بڑے صلہ رحم اور بہت نیکی کرنے والے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کو مقتول دیکھا تو بہت روئے اور جب یہ دیکھا کہ آپ کے ساتھ مثلہ کیا گیا ہے تو آپ چلائے اور فرمایا کہ اگر صفیہ (جناب حمزہ کی بہن) رنجیدہ نہ ہوتیں تو میں انھیں اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ یہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے حشر کے دن نکلتے۔ جب نبیؐ مدینہ لوٹ کر آئے تو آپ نے سنا کہ شہداء انصار کے لئے عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا افسوس حمزہ کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہے۔ انصار نے جو اس کو سنا تو انھوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے شہیدوں سے پہلے حضرت حمزہ کے لئے روئیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا [۱]۔ واقدی نے لکھا ہے کہ اب تک برابر زنان انصار مرثیوں میں حضرت حمزہ سے ابتدا کرتی ہیں (ترجمہ اسد الغابہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ ص ۶۵) شہادت کے

---

[۱] حضرت امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کے جائز ہونے کی ایک یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے کہ خود حضرت رسولخداؐ نے اپنے شہید چچا پر لوگوں کے رونے کی آرزو کی اور جب آپ پر نوحہ و ماتم کیا گیا تو آپ کا دل مطمئن ہوا۔ پھر اس زمانہ میں جو لوگ امام حسینؑ کے رونے پر اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت حضرت رسولخداؐ پر معترض ہوتے ہیں بلکہ خدا پر طعن

وقت جناب حمزہ کی عمر ستاون برس کی تھی۔ ان کے جنازہ پر حضرت رسولخداؐ نے نماز پڑھی جناب حمزہ حضرت رسولخداؐ سے روایت کرتے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَرِضْوَانِکَ الْاَکْبَرِ۔ جب معویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نہر کھدوائی تو لوگ اپنے احد کے شہیدوں کے لئے چلائے کیونکہ اس نہر میں ان شہیدوں کی قبریں کھدتی تھیں۔ افسوس معویہ والے ان شہیدوں کی قبروں کو بہت بے باکی سے کھودر ہے تھے یہ واقعہ شروع سنہ ۴۰ ہجری کا ہے۔ اسی میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا اور اس سے خون کی چھینٹیں اڑیں (شہداء چونکہ زندہ رہتے ہیں لہذا زندوں کی طرح ان کے جسم میں بھی خون رہتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے) (ترجمہ اسدالغابہ جلد ۳ صہ ۶۸ واصابہ جلد ۲ صہ ۳۷)

طالب حضرت ابوطالب کے سب سے بڑے لڑکے اور جناب امیرؑ کے سب سے بڑے بھائی تھے انھیں کے نام سے جناب ابوطالب کی کنیت یہ (طالب کے باپ) ہوئی۔ افسوس عام کتابوں میں ان کا حال نہیں ملتا۔ بڑی مشکل سے دو تین کتابوں میں مختصر ذکر مل سکا۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب عقیل۔ جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے سے دس برس چھوٹا تھا۔ ان سب نے اولاد چھوڑی سوا طالب کے کہ کسی کو نہیں چھوڑ (معارف صہ ۳۹) اور جناب سید جمال الدین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب عقیل۔ جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے بھائی سے دس سال چھوٹے تھے۔ اس طرح جناب طالب حضرت علیؑ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ انھیں کی وجہ سے آپ کے باپ کی کنیت ابوطالب (طالب کے باپ) ہوئی۔ ان چاروں فرزندوں کی ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں اور یہ پہلی ہاشمی بیوی ہیں جن سے ہاشمی فرزند سب سے اول پیدا ہوئے۔ طالب مکہ [illegible] قریش نے ان کو بھی

(بقیہ [illegible] ۱۲) کرتے ہیں [illegible] توجہ فرمایا کرتے وہ خدا ہی نے حکم [illegible] وحی سے۔ پس حضرت حمزہ پر رونے اور نوحہ وماتم کر[illegible] کی خواہش بھی آپ نے خدا ہی کے حکم سے کی۔ اگر یہ بات خدا کو پسند نہیں ہوتی تو ہرگز آنحضرت اسکی آرزو نہیں کرتے ۱۲

اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا [illegible] غزوۂ بدر [illegible] مگر راستے ہی سے گم ہو گئے اور پھر انکی کوئی خبر نہیں ملی۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے سمندر کی طرف چلے گئے جس میں ڈوب گئے اور انکی اولاد کوئی نہیں ہے (عمدۃ الطالب ص۱۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کی چھ اولاد تھیں چار بیٹے۔ طالب عقیل جعفر اور حضرت علیؑ۔ اور دو بیٹیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ ان سب کی ماں فاطمہ بنت اسد تھیں۔ طالب غزوۂ بدر میں مر گئے۔ جب مکہ کے مشرکوں نے آپ کو مجبور کر کے مسلمانوں سے لڑنے کو بھیجا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۱۸۴) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ قریش کے کافروں نے طالب ابن ابی طالب کو غزوۂ بدر میں مجبور کر کے لڑنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ گئے مگر پھر انکی کوئی خبر نہیں ملی۔ البتہ ان کا یہ کلام اب تک محفوظ ہے ؎

یارب اما خرجوا بطالب ⁘ فی مقنب من تلکم المقانب
فاجعلھم المغلوب غیر الغالب ⁘ والرجل المسلوب غیر السالب

اے خدا اگر یہ لوگ طالب کو زبردستی اپنی فوج کے ساتھ لے جاتے ہیں تو انکو تو شکست دے اور فتح نہ دے اور ان کو اس درجہ کمزور کر دے کہ یہ خوب لوٹے جائیں اور کسی کو لوٹ نہ سکیں۔

(مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۷۶) اس سے معلوم ہوا کہ جناب طالب بھی دل سے ایمان رکھتے [illegible] اور قریش کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے اور یہی تقیہ ہے۔ حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی سال پیدا ہوئے تھے جس سال (یعنی ۵۷۰ء میں) حضرت رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

جناب عقیل حضرت ابوطالب کے دوسرے فرزند جناب امیر علیہ السّلام سے بیس سال بڑے تھے۔ آپکی ولادت (غالباً) ۵۹۰ء میں ہوئی تھی۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ آپ سے حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں تم کو دو محبتوں کی وجہ سے بہت زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ ایک تو خاندانی قرابت کی وجہ سے کہ تم میرے چچازاد بھائی ہو۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میرے چچا حضرت ابوطالب تم کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ آپ کو بھی مکہ کے مشرکوں نے مجبور کر کے غزوۂ بدر میں بھیجا تھا جس میں آپ قید کر لئے گئے تو آپ کے چچا جناب عباس نے اپنے پاس سے

آپکا فدیہ دیکر چھڑایا۔ پھر واقعہ حدیبیہ کے قبل اپنا اسلام ظاہر اور اس کا اعلان کر کے شہ ہجری میں آپ مدینہ آگئے تھے حضرتؐ کے ساتھ غزوہ موتہ میں شریک تھے وہاں سے واپسی کے بعد آپ بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے فتح مکہ و غزوہ حنین و طائف میں آپکا کوئی ذکر نہیں سُنا گیا۔ نبی صلعم نے آپ کو خیبر میں ہر سال کے لئے ایک سو چالیس وسق (جو عرب کا ایک وزن ہے) غلہ عنایت کیا تھا۔ حنین کے واقعہ میں آپ اُن لوگوں میں تھے جو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور حضرت کو چھوڑ کر صحابہ کی طرح نہیں بھاگے۔ آپ ایسے حاضر جواب تھے کہ مخالف کی فوراً زبان بند ہو جاتی تھی۔ آپ میں بہت سی نیک خصلتیں تھیں۔ آپ قریش کے نسب اور وقائع کو خود قریش سے بہت زیادہ جانتے تھے اسی وجہ سے قریش آپ سے خاص دشمنی رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ ان کے نسب کی اصلی اور پتے کی باتیں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بوریا تھا جو آپ کے لئے رسولخدا کی مسجد میں بچھا دیا جاتا تھا۔ لوگ نسب اور واقعات عرب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے پاس کثرت سے پہونچا کرتے اور اسی سبب سے لوگ آپ کو دشمن بھی رکھتے۔ اور آپ کے حق میں غلط باتیں کہتے اور آپ کی باتوں کو اس سبب سے حماقت کی طرف منسوب کرتے اور آپ پر جھوٹی باتوں کا افترا باندھتے اور ان باتوں کا موقع اس وجہ سے اور زیادہ ملا کہ آپ حضرت علیؑ سے (بضرورت) جدا ہو کر معویہ کے پاس شام چلے گئے تھے۔ آپکے شام جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے تو حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں آئے۔ حضرتؑ نے آپ کو بہت عزت اور محبت سے اُتارا اور اپنے بڑے صاحب زادے امام حسنؑ کو حکم دیا کہ اپنے چچا کو نئے کپڑے پہنا دیں۔ چنانچہ آپ کو نئے کپڑے پہنا دیئے گئے پھر جب شام ہوئی تو حضرتؑ نے آپ کو شب کے کھانے کے لئے بلایا۔ آئے تو دیکھا کہ کھانے کو صرف روٹی نمک اور ترکاری تھی۔ اس پر جناب عقیل نے کہا کہ جس کو میں خیال کرتا ہوں وہی ہے! حضرت علیؑ نے کہا نہیں تو۔ پھر جناب عقیل نے کہا کہ آپ میرا قرض ادا کر دیجئے۔ حضرتؑ نے پوچھا آپ کا قرض کس قدر ہے۔ کہا چالیس ہزار۔ حضرتؑ نے فرمایا اس قدر مال میرے پاس نہیں ہے لیکن اُس وقت تک صبر کیجئے کہ جو وظیفہ ملتا ہے مل جائے۔ جناب عقیل نے کہا کہ آپ بیت المال کے مالک ہیں اور مجھکو وظیفہ کے انتظار میں ڈالتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا آپ مجھکو حکم

دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کرکے آپ کو دے دوں۔ حالانکہ ان لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے۔ اس پر جناب عقیل نے کہا اچھا مجھکو معویہ کے پاس جانے کی اجازت ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ آپ معویہ کے پاس چلے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶)

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ عقیل کو بیت المال سے دو درم روز ملا کرتے تھے چاہا کہ کچھ اضافہ ہو جائے تو فراغت سے بسر ہو کچھ کھانا تیار کرکے علی مرتضیٰؑ کی دعوت کی اور عرض کیا کہ نہایت تنگی اور افلاس سے بسر ہوتی ہے کچھ وظیفہ زیادہ کر دیجئے۔ فرمایا میری دعوت کا سر انجام کیونکر کیا؟ عرض کی کئی دفعہ ڈیڑھ درم خرچ کرکے آدھا آدھا درم جمع کرکے بندوبست کیا ہے۔ فرمایا بس تو تم کو ڈیڑھ ہی درم کافی ہے۔ تنگی کی شکایت ناحق کرتے ہو۔ جب عقیل نے بہت اصرار کیا تو علی مرتضیٰؑ نے عقیل سے پوشیدہ چراغ پر لوہے کو گرم کیا اور اچانک عقیل کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عقیل نے مضطرب ہو کر کہا۔ بھائی تم نے میرا ہاتھ کیوں جلا دیا؟ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ جب تم اتنی سی آگ کی برداشت نہیں کر سکتے تو تم کو کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ میں حقوق اہل اسلام میں سے تمہارے حصہ سے زیادہ دیکر نار عقبےٰ میں گرفتار ہوں اور صواعق محرقہ میں ہے کہ علی مرتضیٰؑ نے ایک شخص سے کہا کہ عقیل کو بازار میں لے جاؤ تاکہ کسی دوکان کا قفل توڑ کر اس میں سے مال نکال لیویں۔ عقیل نے کہا آپ مجھکو چور بنانا چاہتے ہیں۔ علی مرتضیٰؑ نے کہا یہی حال میرا ہو اگر میں مسلمانوں کا مال تم کو دوں اور ان کو نہ دوں۔ اس پر عقیل ناراض ہو کر معویہ کے پاس دمشق چلے گئے۔ معویہ نے جناب عقیل کی بہت تعظیم و تکریم کی اور کمال تواضع سے پیش آیا۔ بروایت ابن قتیبہ ۳ لاکھ اشرفیاں دے دیں۔ اور ایک مجمع میں جس میں اشراف و اعیان حاضر تھے کہا کہ عقیل وہ شخص ہیں کہ ان کو ابوطالب (ان کے باپ) علیؑ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ جناب عقیل نے کہا اے معویہ یہ غلط ہے۔ مور ضعیف کو سلیمان سے اور سہا کو مہر انور سے کیا نسبت ہے۔ کہاں ذرہ حقیر کہاں مہر منیر انصاف کر جب ہم تم بت پرستی کرتے تھے تو علیؑ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے تھے۔ میرا آنا تیرے پاس صرف مزخرفات دنیوی کے سبب سے ہے۔ اگر مثوبات اخروی کا خیال کرتا تو ان حضرتؑ کی خدمت سے ہرگز جدا نہ ہوتا۔ القصہ اس معاملہ میں عقیل اور معویہ کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے۔ یہ ۳۹ھ ہجری کا واقعہ ہے" (حبیب السیر از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳) "ایک روز معویہ نے ان کے متعلق کہا کہ یہ ابویزید اگر یہ نہ جانتے کہ میں ان کے لئے بہتر ہوں ان کے بھائی

سے تو یہ تمہارے پاس نہ رہتے۔ عقیل نے کہا کہ میرا بھائی میرے دین کے لئے میرے واسطے بہتر
ہے اور تم میری دنیا کے لئے میرے واسطے بہتر ہو۔ تمہارے ذریعہ سے میری دنیا تو بن گئی مگر میری
عاقبت کی خدا ہی خیر کرے اور اللہ سے بذریعہ اس کے احسان کے خیریت خاتمہ کو چاہتا ہوں۔
جب یہ معویہ کے پاس پہونچے تو اوس نے کہا اے ابو یزید تم علی اور اُن کے اصحاب کو کیسا چھوڑ
آئے ہو؟ کہا علی کے اصحاب بالکل حضرت رسولخدا صلعم کے اصحاب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں
حضرت رسولخدا صلعم موجود نہیں ہیں اور تمہارے اصحاب سب وہی ہیں جو (رسول کے مخالف) ابوسفیان
کے اصحاب تھے صرف ابوسفیان تم لوگوں میں نہیں ہے۔ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو معویہ اپنے
تخت پر بیٹھا اور جناب عقیل کو اپنے تخت کے پہلو میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر سب لوگوں کو آنے کا
حکم دیا۔ لوگ آنے لگے۔ ضحاک بن قیس آکر معویہ کے ساتھ اسی تخت پر بیٹھا۔ پھر جناب عقیل کو اذن
دیا وہ بھی اوس کے پاس آئے اور پوچھا اے معویہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ معویہ نے کہا ضحاک
بن قیس۔ عقیل نے کہا الحمد للہ جس نے کمینگی کو دور کیا اور عیب کو پورا کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا باپ بپاری
موشیوں کو مقام ابطح میں خصی کیا کرتا تھا۔ اس فن میں وہ خوب مہارت رکھتا تھا۔ ضحاک نے
کہا بے شک میں قریش کی خوبیوں کا عالم ہوں اور عقیل قریش کے معائب کے۔ معویہ نے انکو پچاس
ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اونھوں نے لئے اور لوٹ آئے۔
جناب عقیل نے ایک دفعہ نکاح کیا تو کسی نے بطور مبارک باد کہا بالرِّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ (تمہارا جوڑا ملا
رہے بیٹے پیدا ہوں) انھوں نے کہا یہ نہ کہو نبیؐ نے اس سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ کہو بَارَكَ اللّٰهُ
لَكُمْ وَبَارَكَ عَلَيْكُمْ (اللہ تمہارے لئے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے) حضرت
عقیل کی وفات معویہ کی خلافت میں ہوئی (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صـ ۲۸۷)۔ اور ایک روایت
میں ہے کہ یزید کی خلافت کے شروع میں عقیل کا انتقال ہوا (اصابہ جلد ۴ صـ ۲۵۵) اور علامہ دیار بکری
نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل نے حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں آکر اپنی ضرورت ظاہر کی تو حضرتؑ
نے فرمایا ان احببت ان اکتب لک الی مالی بینبع فاعطیتک منہ اگر آپ پسند کیجئے تو
میں آپ کو ایک تحریر لکھدوں کہ میرے ینبع کے مال سے آپ کو دے دیا جائے (تاریخ خمیس جلد ۱ صـ ۱۶۶)
مگر جناب عقیل نے اس کو کم سمجھا اور معویہ کے پاس چلے گئے۔ جناب عقیل نے معویہ کی خلافت میں
انتقال کیا مگر خاص سال انتقال کا پتا نہیں ملتا (رر) علامہ سیوطی نے لکھا ہے:۔ استب عقیل بن

ابی طالب و ابوبکر دکان ابوبکر سبابا۔ ایک دفعہ حضرت عقیل اور حضرت ابوبکر میں گالی بکنے کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابوبکر سب سے زیادہ گالی بکنے والے نکلے (تاریخ الخلفا ص ۳)

علامہ ابن حجۃ الحموی نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل معویہ کے ہاں گئے تو اوس نے آپکی بڑی آؤ بھگت کی۔ ایک روز یہ بھی کہا کہ اے عقیل میں تمہارے لئے تمہارے بھائی علی سے بہتر ہوں جناب عقیل نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بھائی نے اپنی دنیا کے مقابلہ میں اپنی آخرت کی حفاظت کی لیکن تم اپنی آخرت پر لات مار کر اپنی دنیا ہی بنانے کی فکر میں رہتے ہو (اسی وجہ سے مسلمانوں کا اتنا مال مجھے دے دیا تاکہ میں تمہارا طرف دار ہو جاؤں)

اوسی زمانہ میں ایک دفعہ اور آپ معویہ کے ہاں گئے تو معویہ نے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا جناب عقیل کی بینائی جا چکی تھی۔ اس پر معویہ نے چوٹ کی کہ تم لوگوں یعنی بنو ہاشم کی بصارت (آنکھ کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے۔ جناب عقیل نے کہا اے معویہ اور تم لوگوں یعنی بنو امیہ کی بصیرت (دل کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے[۱] حضرت عقیل کے چچا ابولہب کی شادی معویہ کی پھوپھی حمالۃ الحطب سے ہوئی تھی۔ اس پر بھی ایک لطیفہ ہوا۔ ایک روز جناب عقیل معویہ کے ہاں گئے تو اوس نے کہا یہ عقیل ہیں۔ انھیں کا چچا ابولہب تھا۔ جناب عقیل نے برجستہ کہا اور یہ معویہ ہیں انھیں کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔ اس کے بعد فرمایا اے معویہ جب تم جہنم میں جانا تو بائیں طرف مڑ کر دیکھنا کہ میرے چچا (ابولہب) تمہاری پھوپھی حمالۃ الحطب کے ساتھ... اس وقت غور کرنا کہ ان دونوں میں جو فاعل ہے وہ بہتر ہے یا جو مفعول ہے وہ اچھی ہے۔ ایک دفعہ معویہ نے ان سے کہا بنو ہاشم کے مردوں میں شہوت کس قدر غالب رہتی ہے۔ آپ نے برجستہ کہا ہاں مگر بنو امیہ کی عورتوں میں تو اور زیادہ تیز رہتی ہے (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد ا ص ۱۱۵) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جناب عقیل نے بزمانہ خلافت معویہ ۵۰ ہجری میں انتقال کیا اس وقت انکی عمر ۹۶ سال کی تھی۔ آپکا مدینہ میں ایک گھر تھا جو مشہور تھا۔ آخر عمر میں آپکی آنکھ کی روشنی جاتی رہی تھی۔ آپ بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب عقیل حضرت

[۱] جناب عقیل کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم لوگ صرف دنیا میں نابینا ہو جاتے ہیں اور ہماری آخرۃ نورانی ہے مگر بنی امیہ دل کے اندھے ہو کر ایمان ہی کھو بیٹھتے ہیں ۱۲

علیؑ کی زندگی میں معویہ کے ہاں گئے تھے یا حضرتؑ کے شہید ہونے کے بعد۔ ایک جماعت اسکی قائل ہے کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جناب عقیل وہاں گئے تھے وھذا القول ھو الاظھر عندی۔ یہی قول میرے خیال میں بھی زیادہ صحیح ہے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۸۲) علامہ مذکور نے اسکی زبردست دلیلیں دیکر اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ جناب عقیل حضرت علیؑ کے رہتے معویہ کے ہاں نہیں گئے بلکہ آپ کے بعد گئے ہیں۔

جناب جعفرؑ

حضرت ابوطالب کے تیسرے فرزند تھے جو جناب امیرؑ سے دس سال بڑے تھے آپ جعفر طیار کے لقب سے مشہور ہیں۔ سیرت اور صورت میں حضرت رسولخدا صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ اپنے بھائی حضرت علیؑ کے اسلام سے کچھ ہی پیچھے اسلام لائے۔ جناب ابوطالب نے ایک مرتبہ نبیؐ اور علیؑ کو دیکھا کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں علیؑ آپ کی داہنی طرف ہیں تو ابوطالب نے کہا کہ تم بھی اپنے چچا کے بیٹے کے پہلو میں نماز پڑھو اور تم اُنکی بائیں طرف کھڑے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ ۳۱ آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور خود ۳۲ ویں شخص تھے۔ انھوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک ہجرت حبش کیطرف اور دوسری ہجرت مدینہ کی طرف۔ رسولخدا انکو ابوالمساکین کہا کرتے تھے۔ جب انھوں نے حبش کیطرف ہجرت کی تو وہاں نجاشی کے پاس رہے یہاں تک کہ جب رسولخداؐ فتح خیبر کے بعد لوٹے تو یہ حبش سے واپس ہو کر رسولخداؐ سے ملے۔ حضرتؐ نے انھیں لپٹا لیا اور انکی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے اس وقت کس بات کی زیادہ خوشی ہے آیا جعفر کے آنے کی یا فتح خیبر کی۔ انھیں رسولخداؐ نے مسجد کے پہلو میں رہنے کی جگہ دی ... رسولخداؐ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ دوڑ رہے تھے ... ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جعفر مسکینوں کے لئے سب سے زیادہ اچھے تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ انکے گھر میں ہوتا مجھے کھلاتے یہاں تک کہ وہ اوس خالی کپی کو اوٹھا لاتے تھے جس میں گھی یا چربی رہتی تھی ہم اس کپی کو پھاڑ ڈالتے اور جو کچھ اس میں ہوتا اوس کو چاٹ لیتے تھے ... رسولخدا صلعم نے جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں غزوہ موتہ کے لئے لشکر بھیجا۔ غزوہ موتہ میں بہت سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ زید بن حارثہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد جعفر طیار نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ واللہ میں گویا اب بھی جعفر کی طرف

دیکھ رہا ہوں جب وہ غزوہ موتہ میں اپنے گھوڑے سے گرے اور اونھوں نے غصہ میں اُس گھوڑے کے پیر کاٹ ڈالے۔ بعد اس کے آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اسلام میں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے گھوڑے کے پیر کاٹے۔ جب لڑائی ہو رہی تھی تو جعفر کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور جھنڈا انھیں کے پاس رہا۔ انھوں نے اس کو پھینکا نہیں بلکہ اس کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ رسولخداؐ فرماتے تھے کہ اس کے عوض اللہ نے انھیں دو پر دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ جب یہ شہید ہو گئے تو ستر سے کچھ اوپر زخم تلوار اور نیزہ کے ان کے بدن میں دیکھے گئے۔ یہ سب زخم ان کے سامنے والے حصہ جسم میں تھے۔ جب یہ لوگ شہید ہوئے تو رسولخداؐ نے فرمایا مجھے اس وقت جبریل سے یہ خبر ملی ہے کہ اب لشکر کا جھنڈا زید بن حارثہ نے لیا اور وہ لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔۔ بعد اس کے فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ان سب لوگوں کو جنت میں اٹھا لے گئے ... آپکی زوجہ اسماء بنت عمیس کہتی تھیں جب جعفر اور ان کے اصحاب شہید ہو گئے تو رسولخدا میرے پاس تشریف لائے۔ میں آٹا گوندھ چکی تھی اپنے بیٹوں کو نہلایا ان کے سر میں تیل ڈالا اور انھیں صاف کپڑے پہنائے تھے پس رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں انکو لے آئی۔ رسولؐ نے ان کو پیار کیا اور آپکی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ میری ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روتے ہیں کیا جعفر کی کوئی خبر ملی ہے؟ فرمایا ہاں آج وہ شہید ہو گئے۔ پس میں بے اختیار اوٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ اس پر عورتیں جمع ہو گئیں اور رسولخداؐ اپنے گھر لوٹ گئے اور آپ نے امہات المومنین سے فرمایا کہ جعفر کے گھر کی خبر رکھنا کیونکہ وہ لوگ آج مصیبت میں گرفتار ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں جب جعفر کی وفات کی خبر آئی تو ہم نے رسولخداؐ کے چہرے میں سخت رنج دیکھا اور مروی ہے کہ رسولخداؐ کو جب جعفر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ انکی بی بی اسماء بنت عمیس کے پاس تشریف لے گئے اور جعفر کی تعزیت کی اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بھی روتی ہوئی تشریف لے گئیں اور کہتی تھیں واعماہ (ہائے میرے چچا) تو رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے۔ رسولخداؐ کو اس واقعہ سے بہت ہی سخت رنج ہوا یہاں تک کہ جبریل آپ کے پاس آئے اور آپکو خبر دی کہ جعفر کو دو خون آلود بازو دیئے گئے ہیں جن سے وہ

فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں۔ عبد اللہ بن جعفر کہتے تھے جب میں اپنے چچا امیر المومنین حضرت علیؑ سے کچھ مانگتا تھا اور وہ مجھے نہ دیتے تھے تو میں کہتا تھا بحق جعفر مجھے دے دیجیے پس فوراً مجھے دے دیتے تھے۔ حضرت جعفر کی عمر جب وہ شہید ہوئے اکتالیس برس کی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۲۵) جناب جعفر کی شہادت پر آنحضرتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا بھیجا جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں کھانے پکانے کی فرصت نہیں ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۳۳۹) ؎۱

جناب جعفر کے آٹھ بیٹے عبد اللہ عون۔ محمد الاکبر۔ محمد الاصغر۔ حمید۔ حسین اور عبد اللہ الاصغر ہوئے ان سب کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ بڑے بیٹے عبد اللہ کی شادی حضرت امیر المومنینؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ سے اور دوسرے بیٹے عون کی شادی جناب امیر المومنینؑ کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؑ سے ہوئی تھی۔ جناب جعفر فقیروں کو بہت زیادہ دوست رکھتے۔ انکے پاس جاکر اکثر بیٹھا کرتے اور انکی ہر قسم کی خدمت کیا کرتے۔ اس کے ساتھ آپکی شجاعت کی یہ حالت تھی کہ غزوہ موتہ میں آپ کے جسم میں نیزے اور تلوار کے نوّے سے زیادہ زخم لگے تھے۔ مگر آپ نے منہ نہیں موڑا۔ جناب جعفر کی شہادت پر لوگوں نے آپ کے بہت سے مرثیے جن کے نقل کرنے میں طول ہوگا۔

؎۱ مذکورہ بالا حالات سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں (۱) کسی شہید کی شہادت کا ذکر کرکے رونا جائز بلکہ پیروی رسول ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم خود جناب جعفر کی شہادت ذکر کرتے اور روتے جاتے تھے۔ اور جناب سیدہ سے آپ کا فرمانا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے ثابت کرتا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں شہید ہو اس پر رونے کی تاکید رسولِ خداؐ نے فرادی ہے۔ پس شہداء کربلا پر مسلمانوں کا رونا بھی قول رسولؐ کی پیروی اور اس پر اعتراض کرنا غلطی ہے (۲) شہید پر نوحہ کرنا واویلا وغیرہ کہنا بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ خود جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جناب سیدہ یا عماہ یا عماہ کہکر روتی رہیں اور آنحضرت صلعم نے اس کو منع نہیں فرمایا (۳) اہل عزا کے گھر کھانا بھجوانے کی رسم جو بعض مقامات پر رائج ہے غالباً یہ بھی حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی پیروی ہے جو بہترین اخلاقی تعلیم تھی۔

حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ ولادت

حضرت قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم سے تھے۔ والد کا نام جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام جناب آمنہ بنت وہب تھا۔ آپکی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے اور آج تک مسلمان اس کو بھی طے نہیں کر سکے کہ حضرت کس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ کوئی ۱۰ ربیع الاول کہتا ہے کوئی ۱۲۔ کوئی ۱۷۔ کوئی ۹ ربیع الاول۔ اہلسنت میں زیادہ مشہور ۱۲ ربیع الاول اور شیعوں میں گویا طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول عام الفیل ہے مگر مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپکی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی" (سیرۃ النبی جلد ا ص۱۲۴)

حضرتؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔ پہلے آنحضرتؐ کو آپکی والدہ نے پھر ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرتؐ کے پیدا ہونے سے پہلے اور دوسری کے موافق آپ دو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے والد عبداللہ نے انتقال کیا۔ ثویبہ کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کو مقرر ہوئیں۔ وہ حضرتؐ کو اپنے گھر (طائف سے جنوب کی طرف) لے گئیں۔ وہاں آپ قبیلۂ بنی سعد میں پانچ برس کی عمر تک پرورش پاتے رہے۔ درمیان میں کبھی کبھی حلیمہ آپکی والدہ سے ملانے کے لئے مکہ میں بھی آپ کو لایا کرتی تھیں۔ جب آپ پانچ برس کے ہو گئے تو اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب چھ برس کے ہوئے تو آپکی والدہ آپ کو لیکر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئیں وہاں ایک مہینہ تک مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے بمقام ابوا (جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے) انتقال کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ والدہ کے بعد حضرتؐ عبدالمطلب نے آپ کو پہلے سے زیادہ اپنے دامنِ تربیت میں رکھا۔ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے تھے مگر آپ آٹھ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب عبدالمطلب کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ اور وہ آپکی پرورش اپنے سب سے بڑے صاحب زادے حضرت ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی اور باپ سے زیادہ شفیق چچا تھے سپرد کر گئے۔ حضرت ابوطالب ہی

اب خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور وہ اور انکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد حضرتؐ کی پرورش میں اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محنت اور توجہ کرنے لگیں۔ جب حضرتؐ ۹ سال کے ہوئے تو حضرت رسولؐ جناب ابوطالب کے ساتھ شام کو تشریف لے گئے جہاں وہ تجارت کی غرض سے گئے تھے۔ بصرے سے ۶ میل ادھر قریہ کفر میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے حضرتؐ کو دیکھکر اور آپ کے حالات و اوصاف پر غور کرکے کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ پھر آپ کے چچا حضرت ابوطالب سے کہا کہ اسے یہودیوں سے بچانا پس حضرت ابوطالب بصرے ہی میں اپنا مال تجارت فروخت کرکے مکہ واپس چلے آئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد قریش اور قبیلہ قیس میں ایک مشہور لڑائی حرب فجار ہوئی اس میں حضرت رسولخدا صلعم بھی قریش کی طرف سے شریک ہوئے۔ بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو حلف الفضول ہوا۔ جس میں بنو ہاشم وغیرہ نے معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائیگا آنحضرت صلعم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد تعمیر کعبہ کی تجویز ہوئی کہ موجودہ عمارت ڈھاکر نئے سر سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ تمام قریش نے ملکر تعمیر شروع کی مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ آخر یہ طے پایا کہ کل صبح کو جو سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے حرم میں رسولخدا پہونچے۔ آپ نے فرمایا جو قبائل دعوے دار ہیں سب کا ایک ایک سردار منتخب کیا جائے۔ پھر آنحضرتؐ نے چادر بچھاکر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اوٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو حضرتؐ نے حجر اسود کو اوٹھاکر نصب فرمادیا۔ اس طرح آپکی ابتدائی زندگی میں آپ کے حسن تدبیر سے ایک سخت لڑائی رُک گئی اور آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا اس وقت عملاً ثابت ہوگیا۔ سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلعم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو اپنے خاندانی شغل تجارت کو پسند فرمایا[1] کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے

---

[1] حضرت کا پورا خاندان شروع سے تجارت پیشہ رہا اور خود حضرتؐ نے بھی مدت دراز تک اس کو جاری رکھا۔ پیغمبر ہونے کے بعد بھی اسکی بڑی مدح کی۔ بار بار فرمایا کہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے

تجارت کی غرض سے شام و بصرے اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے۔

حضرت خدیجہ سے شادی حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلعم سے ملتا ہے۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ نہایت دولت مند تھیں۔ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا انکا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کی عمر اب ۲۵ برس کی ہو چکی تھی۔ متعدد قومی کاموں میں آپ شریک ہو چکے تھے۔ آپ کے حُسن معاملہ۔ راست بازی۔ صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت تھی یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے ان وجوہ سے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اوس کا مضاعف دونگی۔ آنحضرت نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بُصرے تشریف لے گئے۔ قافلہ تجارت واپس آیا تو لوگوں نے جناب خدیجہ سے آنحضرتؐ کے حُسن معاملہ۔ امانت دیانت وغیرہ کی اس قدر مدح کی کہ تین مہینہ کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرت صلعم کو مکہ میں سب سے زیادہ لائق۔ معزز اور امین سمجھکر حضرتؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ جناب ابو طالب اور آنحضرت صلعم نے اسے منظور کر لیا۔ تاریخ معین پر جناب ابو طالب اور تمام رؤسا رخاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ یہ واقعہ غالباً ۵۹۴ء عیسوی کا ہے۔

مراسم شرک سے اجتناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) صرف تجارت میں ہیں۔ مگر افسوس اس زمانہ میں کتنے مسلمان اس شریف پیشے کو حقیر سمجھتے اور غلامی کو ترجیح دیتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو سود پر روپیہ چلائیں گے مگر تجارت نہیں کرینگے۔ کتنے ایسے ہیں کہ جائداد بیچ بیچ کر کھائیں گے مگر تجارت پیشے سے شرم کرینگے ۱۲

کا تھا۔ یہ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ یہ امر واقعی طور سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص نبوت سے پہلے آپ کے جو احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ ضماد [illegible] جو جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک قیس بن سائب مخزومی بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکار کے ساتھ آپکا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

گوشہ نشینی جب حضرت ۳۸ سال کے ہوئے تو گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ کوہ حرار پر جس کو جبل ثور بھی کہتے ہیں اور جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے تشریف لے جاتے اور ایک غار میں جو چار ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا تھا بیٹھکر خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے اور ذکر حق میں مشغول رہتے۔ وہیں کھانا لے جاتے۔ دو دو چار چار شبانہ روز وہاں رہتے اور پورا ماہِ رمضان تو وہیں گزارتے۔

بعثت عامہ جب آپکی عمر چالیس سال کی ہوچکی تو ایک دن اسی عالم تنہائی میں حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور کہا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اقرء باسم ربک الذی خلق الایۃ قرآن مجید کا یہی سورہ سب سے پہلے نازل ہوا۔ یہ ۲۷ رجب (غالباً ۶۱۹ء) کا واقعہ ہے پھر آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا گیا۔ حضرت خدیجہ اور حضرت علیؓ نے بھی اسی روز اپنے ایمان کو ظاہر کر کے آپ کے ساتھ نماز جماعت پڑھی۔ پھر زید بن حارثہ حضرت کے آزاد کردہ غلام مسلمان ہوئے۔ پھر اور لوگ مسلمان ہونے لگے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:۔

"سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرُخطر راز کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لئے وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے جن کو آپ کے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعوےٰ کا

قطعی فیصلہ کر سکتے تھے ۔ یہ لوگ حضرت خدیجہ آپ کی حرم محترم تھیں ۔ حضرت علیؑ جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے ۔ زید تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے ۔ حضرت ابوبکر تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۵۰) جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے ایمان ظاہر کیا اس کے بعد جناب زید اور ان کے بعد خلیفہ اول صاحب مسلمان ہوئے۔ ممدوح لکھتے ہیں "جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا ۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے ۱۵ نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرتؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے" (ایضاً صفحہ ۱۵۱) ۔ "تین برس تک آنحضرتؐ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا ۲۵ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا ۔ صاف حکم آیا فاصدع بما تومر ۔ اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ آشکاف کہ دے اور نیز حکم آیا و انذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا ۔ تو آپ نے حضرت ابو طالب کے گھر میں چالیس آدمیوں کی دعوت کی ۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے آپ نے فرمایا میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے ۔ جو کچھ میں تم سے کہوں گا تم اس کا یقین کرو گے ؟ سب نے کہا ہاں ۔ ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں ۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار رہو اور میں اس کو اپنا بھائی ۔ وصی ۔ وزیر اور خلیفہ مقرر کروں ۔ یہ سنکر سب چپ ہو رہے مگر حضرت علی جو اس وقت کم یا بیش تیرہ سال کے تھے ان خاموشی کی تاب نہ لا سکے اور نہایت جواں مردی سے بولے یا رسول اللہ! میں آپکا وزیر ہوں گا جو آپ حکم کرینگے میں اسکی تعمیل کروں گا ۔ آپ کی مدد کروں گا ۔ آپ کے دشمنوں کی آنکھیں

اوپر ۱۵ یہ سب باتیں مانی جاتی ہیں پھر بھی تقیہ پر دھواں دھار اعتراض کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ تقیہ بھی یہی ہے کہ انسان دشمن کے خوف سے اپنے دین کو پوشیدہ رکھے اور اس کے متعلق ایسی احتیاط کی جائے کہ مخالف کو خبر نہ ہونے پائے جس کا حکم خدا اور رسولؐ برابر دیتے رہے ۱۲

نکال ڈالوں گا اور انکے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرت نے اپنے اسی قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علی اوسی طرح کلمات اطاعت و فرماں برداری دہراتے رہے۔ آخری مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو اپنے پاس بلایا۔ بیعت لی۔ ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا لوگو! دیکھو اب تم لوگوں میں یہی علی میرے بھائی۔ میرے وزیر۔ میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب ان کی بات ماننا اور انکی اطاعت کرتے رہنا۔ قریش یہ سنکر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ علی کو سلام کرو اور ان کا حکم مانا کرو۔ پھر سب چلے گئے۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۷ ـ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۲۲ ـ ابوالفدا جلد ۱ صـ۱۱۶ تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صـ۱۰۵ ـ تاریخ گبن جلد ۳ صـ۴۹۹ ـ کتاب اوکلی صـ۱۵ ـ کتاب کارلائل صـ۹۱ کتاب ایرونگ صـ۳۷ ـ کتاب گلمن صـ۸۳ ـ کتاب ڈیون پورٹ صـ۵ وغیرہ)

قریش کی مخالفت

"اعلان رسالت کا کرنا تھا اور قریش کا دشمن ہو جانا خصوصاً بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بن حرب اور خود آپ کا چچا ابولہب آپ کے دشمن جان ہو گئے۔ ابوسفیان کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام بھی آپ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ آپ کے دشمن طرح طرح سے آپ کو رنج و ایذا پہونچاتے۔ کبھی رستہ میں گندگی ڈال دیتے۔ کبھی کانٹے بچھا دیتے۔ ساحر اور مجنون کہکر چھیڑتے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں گلے میں چادر ڈال کر گلا بھی گھونٹ دیا ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ مسلمان ہوتے ان کو طرح طرح کے عذاب کرتے اور مارتے۔ مگر حضرت نے ان تمام مصائب کی کچھ پروا نہ کی۔ برابر وعظ اور دعوتِ اسلام کرتے رہے جب کفار کا ظلم مسلمانوں پر حد سے گزر گیا اور جانوں کے لاگو ہو گئے تو ۵ بعثت میں حضرت نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ نجاشی (صحمہ) نہایت منصف و عادل اور نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ پس قریب ستر مرد و عورتوں کے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کفار مکہ کو خبر ہوئی تو عمارہ بن ربیعہ اور عمرو عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا اور تحائف پیش کر کے بکمال منت ان کو واپس کر دینے کی درخواست کی مگر نجاشی نے منظور نہ کیا اور وہ خائب و خاسر واپس آئے۔ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ دعوتِ اسلام کرتے رہے اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوتے رہے۔ اب

قریش نے اور زیادہ ستانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کو صفا پر ارقم کے مکان میں جا چھپے یہیں حضرت حمزہ اور پھر حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ واقعہ ۶ سنہ بعثت کا تھا۔ انھیں دنوں میں حضرت ابوبکر کے اصرار پر آنحضرت مسجد کعبہ میں تشریف لائے اور ابوبکر خطبہ پڑھنے لگے۔ کفار نے حضرت ابوبکر کو لاتوں اور جوتیوں سے خوب مارا۔ حضرتؐ دار ارقم میں واپس چلے آئے۔ اسی دن حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت عمر نے بھی خانہ کعبہ کی طرف جانے پر مجبور کیا۔ حضرتؐ گئے۔ کفار مزاحم ہوئے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عمر نے ان کو ہٹا دیا۔ اور آپ نے دار ارقم کی طرف مراجعت کی۔ مگر اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑکی۔ وہ ابوطالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا محمد ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ اُسے ہمارے حوالہ کردو کہ ہم اُسے قتل کریں یا ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوجاؤ۔ ابوطالب نے آپ کو بلا کر سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو۔ آپ نے جواب دیا کہ اے چچا جو کچھ میں کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ کسی کے دھمکانے سے میں اس سے باز نہیں آسکتا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو بہتر ورنہ نصرت آسمانی میرے لئے کافی ہے" (تاریخ اسلام صفحہ ۱۴۱) حضرتؐ نے اس موقع پر جس توکل کو ظاہر کیا اسکی مثال ملنا مشکل ہے۔ "آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب ان (ابوطالب) کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہوجاؤں گا"۔

آنحضرتؐ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کرسکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں؟ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کے سوا اور کیا خیال کرسکتا ہے؟ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف

سے آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا محمد کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ۔ اے محمد کہدو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے پس سیدھے اوسکی طرف جاؤ اور اوسی سے معافی مانگو۔ عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا... قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کئے جب ٹھیک دو پہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑ کر عرب کی تیز دھوپ۔ ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے۔ لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے۔ پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ مگر حضرت ابوطالب آپ سے یہی کہتے رہے کہ جس کام پر تم مامور ہو کئے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اوٹھا کر بھی دیکھ نہ سکے گا اور محرم ۷ سنہ بعثت (غالباً ۶۱۶ء) میں بنو ہاشم کے چالیس آدمیوں کے ساتھ آپ کو اپنے شعب میں لے گئے اور تین برس تک ہیں رہے۔ ۱۰ سنہ بعثت (غالباً ۶۱۹ء) میں پانچ قریشیوں کو اپنے شعب کے عزیزوں پر ترس آیا اور انھوں نے اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کیا۔ جس سبب سے یہ عہد توڑا گیا وہ حضرتؐ کا ایک زبردست معجزہ ہے کیونکہ اس سے آپ پر وحی نازل ہونے اور خدا کی طرف سے علم غیب حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے کہ حضرتؐ تو شعب میں مقید تھے۔ باہر کے حالات کی خبر ظاہری طور سے پہونچنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس اہم واقعہ کو بھی نظر انداز کر دیا (ہم اس کو مختصر طور پر حضرت ابوطالب کے حالات میں اوپر لکھ آئے ہیں) شعب کے محصورین بطور سابق مکہ میں آکر رہنے لگے۔ اس کے کچھ دنوں بعد بعض مہاجرین حبشہ بھی واپس آ گئے۔ بعض چھپکر داخل ہوئے اور بعض کسی کی حمایت میں جاکر مقیم ہوئے۔ شعب سے نکلے ہوئے نواں مہینہ تھا کہ حضرت ابوطالب نے اور اُن کے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے انتقال کیا۔

قریش اب نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں

جا رہے تھے ۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی ۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے ۔ آپ کی صاحب زادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں ۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں ۔ آپ نے فرمایا کہ جان پدر رو نہیں خدا تیرے باپ کو بچالیگا۔ اہل مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی ۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں کہ شاید وہاں کے بنی ثقیف خدا ترسی کرکے اس دین کو قبول کریں اور حضرتؐ کی حمایت پر آمادہ ہوجائیں ۔ زید بن حارثہ بھی آپ کے ساتھ تھے ۔ وہاں پہونچکر حضرتؐ نے وعظ فرمایا مگر وہ لوگ بھی آپ کے درپے ایذا رسانی ہوگئے اور آپ کو پتھر مارکر نکال دیا ۔ حضرتؐ نہایت شکستہ دلی کی حالت میں مکہ کی طرف واپس آئے اور مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا ۔ مگر پھر بھی یہاں اشاعت اسلام کا موقع نہ ملتا تھا بلکہ صرف رجب اور ذی الحجہ میں جن میں لڑنا حرام ہے حضرتؐ ظاہر ہوتے اور وعظ فرماتے ۔ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے ۔ اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرتؐ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہوکر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہوجائیں ۔ آنحضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے ۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے ۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے ۔ گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردنِ مبارک میں بدھیاں پڑجاتیں ۔ آپ کی روحانی قوتِ اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے ۔ دعوے نبوت سنکر مجنون کہتے ۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے ۔ نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن ، قرآن کے لانے والے رسول اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو گالیاں دیتے ۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسا قریش بھی موجود تھے ۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ بجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو انکی گردن پر ڈال دیتا ۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں ۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی ۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے ۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی ۔ وہ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹاکر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں (صحیح بخاری باب الطہارۃ) ... غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں سرورِ عالم نے کیا کیا ؟

خباب نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ انکے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ تو آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا (سیرۃ النبیؐ جلد ا صـ۱۵۱)

ایک روز موسم عمرہ رجب میں حضرت عقبہ منا میں کھڑے تھے۔ مدینہ کے چھ خزرجی آپ کا وعظ سنکر مسلمان ہوگئے اور مدینہ پہونچکر اپنے بھائی بندوں میں آپ کا اور اسلام کا چرچا پھیلایا (سالہ بعثت)۔ انھیں میں کے ۵ خزرجی ۷ دو سرے مدینہ والوں کو ساتھ لیکر دوسرے سال (سـ۱۲ بعثت) کے موسم حج میں آئے وہ بھی اسی عقبہ پر مسلمان ہوگئے اور آپکی حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے مصعب بن عمیر کو نماز پڑھاتے اور ابن مکتوم کو قرآن کی تعلیم کرنے کے لئے ان کے ساتھ کر دیا اور اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔ اگلے سال (سـ۱۳ بعثت میں) ۷۲ شخص حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر بمقام منےٰ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی [لہ] اور حضرتؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہونگے۔ اور رسول اللہؐ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اُس سے سرتابی نہ کرینگے۔

ہجرت مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرتؐ نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو اونھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کردی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر اور حضرت علی رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ ادھر قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کا عہد واثق کر لیا اور آپ کی جان کے خواہاں ہوگئے۔ نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الہی کے مطابق آنحضرتؐ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دار الندوہ میں اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا شریک

لہ اس سے بھی تقیہ کی حقیت ثابت ہے ۱۲

تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد کے ہات پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلواروں سے اُن کا خاتمہ کر دے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس اخیر رائے پر اتفاق عام ہو گیا اور جھٹ پٹے سے آکر انھوں نے رسول اللہ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرتؐ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ رسولؐ اللہ سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلاکر فرمایا کہ مجھکو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھکر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جاکر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسولؐ اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" (سیرۃ النبیؐ مولوی شبلی صاحب جلد ۱ ص ۱۹۷)

حضرت علیؑ نے یہ حکم پاکر سجدۂ شکر کیا اور یہ اسلام میں پہلا سجدۂ شکر ہے۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اور اُس پر یٰسین فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھکر ان کافروں کے سروں پر پھینکی اور مجمع میں سے صاف نکل گئے کسی نے حضرتؐ کو نہ پہچانا۔ آخر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر میں گھسے اور آپکی چارپائی کے پاس آئے حضرت علیؑ فوراً چارپائی سے کود کر اُن کے سامنے ہوئے۔ اونھوں نے پوچھا محمد کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ نے گرج کر جواب دیا خدا بہتر جانتا ہے جہاں ہیں۔ خدا کی پناہ میں ہیں۔ یہ کہکر اُن کے سامنے سے چل دیئے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کو روکتا یا آزار پہنچاتا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت علی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے مگر کوئی بھی مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ سب بھاگ گئے (طبری جلد ۲ ص ۲۴۵)۔ جب حضرت علیؑ بستر نبوی پر سوئے تو خدا نے جبرئیل و میکائیل کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتۂ برادرانہ قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر نسبت

دوسرے کے طویل کی۔ پس تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر جبرئیلؑ و میکائیلؑ نے اپنی اپنی زندگانی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیوۃ کو گوارا نہ کیا تب خدا نے پھر انکی جانب وحی فرمائی کہ کیا تم دونوں علی ابن ابی طالب کی طرح نہیں ہوسکتے؟ دیکھو میں نے محمدؐ اور علیؑ میں مواخات قائم کی اور علیؑ اس وقت بستر نبیؐ پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ ایثار بالحیوۃ کرکے اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور شر اعداء سے علیؑ کی حفاظت کرو۔ پس بحکم الٰہی دونوں ملک مقرب نے نازل ہوکر بستر علیؑ کے سرہانے اور پائنیں قرار لیا اور جبرئیلؑ فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابو طالب کے بیٹے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ ملائکہ پر خود فخر ومباہات فرماتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے رسول مقبول پر جب کہ وہ مدینہ جارہے تھے علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۤءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی لوگوں میں ایسے نیک بندے بھی ہیں جو خدا کی رضاجوئی کے لئے اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے (تاریخ خمیس جلد ا ص۳۶۷ و اسد الغابہ و احیاء العلوم در روضۃ الاحباب و حبیب السیر و مدارج النبوۃ وغیرہ) صبح کو کفار بارادہ قتل مکان میں گھسے تو حضرتؐ کی جگہ حضرت علیؑ کو پایا۔ خائب وخاسر واپس آئے اور آپکی تلاش میں مصروف ہوئے۔ غار تک پہونچے مگر پتا نہ ملا۔ آنحضرتؐ کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر آنحضرتؐ کو تلاش کرتے پہونچے اور حضرت علیؑ سے حضرتؐ کو پوچھا آپ نے کہا حضرتؐ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ سنکر آپ بھی حضرت صلعم کے پیچھے دوڑے اور راستہ میں حضرتؐ کے قریب جا پہونچے۔ رسول اللہؐ نے اس اندھیری رات میں حضرت ابو بکر کی آہٹ سنی تو سمجھے کہ مشرکین سے کوئی آرہا ہے۔ یہ سمجھکر حضرتؐ جلدی جلدی آگے چلنے لگے یہاں تک کہ بند نعل ٹوٹ گیا اور پاؤں کے انگوٹھے سے پتھر کی ٹھوکر سے بکثرت خون جاری ہوا۔ پھر حضرتؐ اور زور سے دوڑنے لگے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے بلند آواز سے حضرتؐ کو پکارا۔ حضرتؐ کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر آگئے اور پوچھا یا حضرت میں بھی آپکے ساتھ چلوں؟ حضرتؐ نے اجازت دی تو آپ بھی چلنے لگے یہاں تک کہ غار میں پہنچ گئے یہ غار ثور مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ڈھائی میل جنوب کو واقع ہے۔ جب حضرت

ابو بکر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس پہنچے ہیں تو حضرتؐ کی خدمت میں دو اونٹنیاں پیش کیں کہ ان سے جو پسند ہو اپنی سواری کے لئے قبول فرمالیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اس شرط سے کہ قیمت پر دو۔ حضرت ابو بکر فوراً راضی ہو گئے اور دو سو درہم کی ایک اونٹنی حضرت کے ہاتھ (سات سو درہم نفع لیکر) نوسو درہم کو بیچ دی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷) غرض دونوں بزرگ غارِ ثور میں داخل ہوئے۔ وہاں سانپ تھا جس نے حضرت ابو بکر کے پاؤں میں کاٹ کھایا۔ رسول خدا صلعم نے اپنا لعاب دہن لگادیا تو اچھا ہو گیا۔ صبح ہوئی تو تعاقب کرنے والے کفار مکہ پاؤں کے نشان پہچانتے ہوئے آن پہونچے مگر اللہ کی قدرت غار کے منہ پر مکڑی کے جالے پیدا ہو گئے۔ کفار یہ حالت دیکھکر سمجھے کہ بھلا اس میں کوئی کیا چھپا ہو گا۔ وہاں سے مڑکر دوسری طرف تلاش کرنے لگے۔ حضرت ابو بکر ان کفار کی آواز سنکر کانپنے لگے اور کہا کہ آے رسول خداؐ ہمارا تعاقب کرنے والے تو بہت اور ہم صرف دو ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور بہت کتابوں میں ہے کہ حضرت ابو بکر سانپ کے کاٹنے کی تکلیف سے رو رہے تھے۔ پنجشنبہ کا دن گزر کر رات کو یکم ربیع الاول تھی کہ قریش نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن غار میں پہنچے۔ یکشنبہ ۴ ربیع الاول تک غار میں رہے۔ حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لئے کھانا پانی پہونچاتے رہے۔ چوتھے روز ۵ ربیع الاول روز دوشنبہ کو عبد اللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی حاضر ہوئے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر یا آپکا سر لے کر آئیگا اوسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس پر سراقہ بن مالک حضرتؐ کو کھوجتا ہوا پہنچا۔ اسے دیکھکر حضرت ابو بکر رونے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا روتے کیوں ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سراقہ قریب آیا تو اوس پر ایسی ہیبت چھائی کہ واپس گیا اور کہہ دیا کہ مجھے محمدؐ کا پتا کہیں نہیں لگا۔

قبا میں حضرتؐ کا پہنچنا حضرتؐ ۸ یا ۱۲ ربیع الاول کو مقام قبا میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یہاں ایک مقام پر حضرتؐ کا اونٹ خود بخود بیٹھ گیا اور آگے نہ چلا۔ آپ اُتر پڑے۔ وہاں کے رہنے والوں

نے جوشِ مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ آنحضرتؐ کو قبا میں آئے ہوئے تین دن ہوئے تھے کہ حضرت علیؑ پا پیادہ مکہ سے (کل امانتیں وغیرہ واپس کرنے کے بعد) آکر حاضر خدمت ہوئے آنحضرتؐ اپنے بھائی۔ وزیر۔ وصی اور خلیفہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور سینہ سے لپٹا لیا مگر پاؤں پر ورم اور حالت تباہ دیکھکر بہت روئے۔ اس وقت حضرت علیؑ کے پاؤں سے لہو بہتا تھا۔ حضرتؐ نے قبا میں ۴ دن قیام کیا۔ یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرنا تھا۔ کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آکر عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم اوٹھا لیں گے۔ آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اوسی وزن کا دوسرا پتھر اوٹھا لیتے۔ ۴ دن کے بعد آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۶ ربیع الاول روز جمعہ کو اس میں داخل ہو گئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا تھا جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ جہاں اب مسجدِ نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا یہیں حضرتؐ اتر پڑے آنحضرتؐ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے طیار ہو گئے تو آپ نے نقل مکان فرمایا اور زید بن حارثہ و ابورافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہؑ وغیرہ کو مدینہ لے آئیں۔ ان سب کے آنے پر حضرتؐ اپنے گھر میں رہنے لگے۔

مسجد نبوی مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ ایک زمین دو یتیموں کی تھی۔ آپ نے فرمایا میں یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہوں۔ یتیموں نے اپنی کائنات مفت نذر کرنی چاہی لیکن حضرتؐ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہِ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھا۔ صحابہ پتھر اوٹھا اوٹھا کر لاتے آنحضرتؐ بھی ان کے ساتھ اوٹھاتے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں۔ برگ خرما کا چھپر۔ کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمال

جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج کے لئے مکان بنوائے۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف کرتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۲) یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

بعض اصحاب کے دروازے مسجد نبوی کی جانب تھے۔ رسول مقبول نے حضرت علیؑ کے سوا سب اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے دروازوں کو بند کر دیں۔ اس پر کچھ اصحاب نے چہ می گوئیاں کیں تو آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا کے حکم سے تم لوگوں کے دروازے بند کر دیئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ لہٰذا اس باب میں تم کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے حکم دیا میں نے اسکی تعمیل کی (خصائص نسائی و ازالۃ الخفار جلد ۲ ص۲۶)

نماز و زکوۃ آنحضرتؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے ایک ماہ بعد نماز پنجگانہ کی ۷ رکعتیں قرار پائیں۔ اس سے پہلے ہر وقت کی (سوائے مغرب کے) دو دو رکعتیں تھیں۔ ابن خلدون کے مطابق اسی سال زکوۃ بھی فرض ہوئی۔

اذان اسی سلسلہ ہجری (۶۲۲ء) میں اذان بھی مقرر کی گئی کیونکہ کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب جبرئیل اذان کا حکم لیکر رسول اللہؐ پر نازل ہوئے تو اوس وقت حضرتؐ کا سر مبارک جناب امیرؑ کی گود میں تھا۔ جناب جبرئیلؑ نے اذان و اقامت کہی جب رسول اللہؐ بیدار ہوئے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سُنا۔ عرض کی ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کر دو۔ پس حضرت علیؑ نے بلال کو بلا کر اذان تعلیم کر دی اور اوسی وقت سے بلال موذن مقرر ہو گئے۔

مسٹر چیمبر نے اپنی انسائکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "موذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین اور دلکش ہوتی ہے اگرچہ شہر کے دن کے شور و غل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوشگوار

معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر کو اس امر پر مبارک باد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُس نے انسانی آواز کو موسائیوں کی تُرہی اور عیسائیوں کے گرجا کی گھنٹی پر ترجیح دی" (انسائکلوپیڈیا جلد ۶ ذکر مذہب اسلام) لہ

عقد مواخات ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد حضرت رسولخدا صلعم نے مہاجرین مکہ کی دل بستگی اور تقویت کے لئے ایک عجیب تمدنی انتظام کیا۔ ایک ایک مہاجر (مکہ سے جو مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آ گئے تھے) کا ایک ایک انصاری (جو لوگ مدینہ کے باشندے اور اب مسلمان ہو گئے تھے) سے بھائی چارہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۴۵ یا ۵۰ مہاجرین کا بھائی چارہ ۴۵ یا ۵۰ انصار کے ساتھ کر دیا جس نے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہر حال میں ہمدرد اور شریک بنا دیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ سے بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے آنحضرت صلعم کو اعلےٰ انسانیت سکھانے اور دنیوی زندگی کو بہترین عنوان سے برتنے کی تعلیم دینے کا کس قدر زبردست اور بے مثل و نظیر سلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شاہنشاہی ہے ... جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لئے ضرور ہے۔ تفحص اور استفصار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا۔ اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کثرت سے سیکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صـ۲۱۲)

لہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں اذان میں کلمہ الصلوۃ خیر من النوم نہیں تھا۔ ایک دن حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں سوتے تھے۔ مؤذن نماز صبح کے لئے جگانے کو آیا تو اپنے طور پر کہا اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمُ (نیند سے بہتر نماز ہے) حضرت عمر جگ گئے اور آپ کو یہ کلمہ پسند آگیا تو مؤذن کو حکم دیا کہ اس کلمہ کو نماز میں داخل کر دو۔ جب سے یہ بھی داخل اذان ہو گیا (ازالۃ الخفاء صـ۹۰ مقصد ۲)

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ کے مذاق کا کوئی شخص آنحضرتؐ کو نہ مہاجرین میں ملا نہ انصار میں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ اور میں کس کا بھائی بنایا گیا؟ فرمایا انت اخی فی الدنیا والاخرۃ۔ اے علیؑ دنیا و آخرت میں تمہارا بھائی تو میں ہوں (کسی اور کو یہ وصف نہیں مل سکتا) حضرت علیؑ کوفہ میں منبر پر فرمایا کرتے تھے انا عبد اللّٰہ واخو رسول اللہؐ۔ میں خدا کا بندہ اور رسول خداؐ کا بھائی ہوں (ابو الفدا جلد ۱ ص ۱۲۷) لہ

ایرونگ لکھتا ہے کہ" اس دانائی اور سادگی کے اصول سے اُس سلطنت کی بنیاد پڑی جو قلیل مدت میں بہت عظیم الشان طاقت حاصل کرنے والی اور دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں کی ہلا دینے والی تھی" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۱۲)

اصحاب صفہ صفہ سائبان کو کہتے ہیں مسجد نبوی کے کنارے مسجد سے ملا ہوا ایک سائبان تیار کر کے بعض نادار اور بے سازوسامان اصحاب کو اسی سائبان میں آباد کر دیا گیا تھا اسی سے وہ لوگ اصحاب صفہ کہے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو انکو بلا کر ساتھ کھا لیتے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب ایک دفعہ جناب سیدہؑ نے حضرتؐ سے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں مجھکو ایک کنیز عنایت ہو تو حضرتؐ نے فرمایا بیٹی ان کنیزوں سے تم کو کیسے دوں۔ اصحاب صفہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرو یہ تمہارے لئے لونڈی سے بہتر ہوگی۔ یہ تسبیح زہراؑ آج تک جاری اور ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے اصحاب صفہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ تک پہنچی تھی۔

لہ ہجرت سے پہلے بھی مکہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے وہاں کے مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کیا تھا اور اس میں (۱) حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا (۲) طلحہ کو زبیر کا (۳) حضرت عثمان کو عبد الرحمان بن عوف کا اور (۴) جناب حمزہ کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا تھا۔ اُس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہارا بھائی میں ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۹۸ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۵)

اوس وخزرج کا اسلام لانا

اوس وقت مدینہ میں دو قسم کے مسلمان تھے۔ ایک مہاجرین (جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے) دوسرے انصار جو مدینہ کے باشندے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا۔ انصار زیادہ تر دو زبردست قبیلوں اوس وخزرج سے تھے جو اسلام سے پہلے بت پرست تھے۔ یہ اگرچہ دو بھائیوں کی اولاد سے تھے مگر ان میں مدت دراز سے شدید عداوت قائم تھی۔ اسلام نے ان میں اتحاد کر دیا اور ان کے فتنہ وفساد کو رو دیا۔

مدینہ کے یہود ونصاریٰ

مدینہ کے اکثر عیسائی بھی آنحضرت کی ہدایت سے مسلمان ہو گئے مگر یہودیوں نے جو مالدار اور قوی بھی تھے شدید مخالفت کی تو حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے صلح کر لی۔

حضرت عائشہ کا زفاف

سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک ماہ بعد آنحضرت صلعم نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا تھا۔ اور اوسی سال حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ سے بھی نکاح ہوا مگر اوس وقت زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ مدینہ پہونچنے پر سنہ ہجری میں اُن سے زفاف بھی ہوا۔

سنہ ۲ ہجری۔ نکاح جناب سیدہ

۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری مطابق سنہ ۶۲۳ء کو جناب امیرؑ کا نکاح جناب سیدہ سے ہوا اور ۱۹ ذی الحجہ کی شب میں جناب سیدہ کی رخصتی جناب امیرؑ کے گھر ہوئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت فاطمہ . . . کی شادی کے پیغام آنے لگے تھے . . . سب سے پہلے ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی آپ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی انکو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے[۱] . . . حضرت علیؑ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں

[۱] مولوی شبلی صاحب نے ترجمہ میں اختصار سے کام لیا۔ حضرت ابوبکر کے سوال پر آنحضرتؐ کو اتنا غصہ ہوا کہ آپ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا میں تو ہلاک ہو گیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کہا میں نے فاطمہ سے شادی کا پیغام دیا حضرت نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر نے بھی جا کر درخواست کی اس پر بھی آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) علامہ

یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور حطیتہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی۔ عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر وہ اسکی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ مہر۔ زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ کے نذر کیا۔ حضرت علی اب تک آنحضرتؐ کے ہی پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری ... نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہ اس میں اٹھ گئیں۔ شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک۔ دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے ؎ یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۲۶۵)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۸) ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرتؐ نے صاف انکار بھی کر دیا (اسد الغابہ) مگر حضرت علیؑ سے بغیر آپکی درخواست کے خود فرمایا کہ اے علیؑ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تم سے کر دوں۔ تم کو بھی منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا ہاں اور دونوں میں شادی ہوگئی (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۸۴ مطبوعہ مصر)

؎ یہ معلوم ہے کہ حضرت رسول خداؐ کا خاندان دنیا بھر کے خاندانوں سے افضل ہے لہذا آنحضرتؐ کا مطلب ہوا کہ اے فاطمہؑ میں نے تمہارا نکاح اوس شخص سے کیا جو دنیا بھر سے افضل ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اُس وقت جس قدر صحابہ موجود تھے ان سب سے حضرت علیؑ افضل تھے۔ اور کیوں نہ ایسے ہوتے کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے نفس اور دونوں بزرگ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے تھے ۱۲

اُس وقت جناب سیدہ کی عمر دس سال اور حضرت علی کی ۲۴ سال کے قریب تھی۔

ہجرت کے دوسرے ہی سال (سنہ ۶۲۳ء) ماہ شعبان میں نماز کا رخ کعبہ کی جانب کر کے اُسی کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں اور آنحضرت صلعم کے مدینے میں آنے کے بعد ڈیڑھ برس تک نماز بیت المقدس [illegible] جاتی تھی۔

اسی سال (سنہ ۲ ہجری مطابق جنوری سنہ ۶۲۴ء) ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ عید الفطر کی نماز بھی اسی سال سے جاری ہوئی۔

حکم جہاد اسی سال آنحضرتؐ کو حکم جہاد بھی ہوا۔ حفاظت خود اختیاری عقل کا ضروری حکم ہے۔ آنحضرت کو بھی حکم جہاد محض اسی اصول پر ہوا۔ زمانہ حال کے ایک مولف نے سچ لکھا ہے "کوئی ہوس ملک گیری ان لڑائیوں کا باعث نہ تھی اور نہ مذہب اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا ان سے مقصود تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مد نظر تھا۔ مطالعہ کنندگان تاریخ کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کو رسول کریم اور ان کے اصحاب سے کس قدر بغض اور عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث کیا تکلیفیں اور اذیتیں انھوں نے رسول خدا اور صحابہ کو پہنچائی تھیں۔ ہر چند ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کثیر نے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر دوسری مرتبہ باقی ماندہ لوگ مدینہ کو ہجرت کر کے چلے آئے مگر کفار کا غصہ فرو نہ ہوا اور آخر کار وہ رسول کریم کے قتل کے درپے ہوئے اور مکہ سے نکل آنے پر بھی تلاش کی کوشش جاری رہی۔ ان حالات میں رسول کریم کا ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ میں مع رفقاء کے آجانا اور یہاں کے لوگوں کا آپکی مدد کرنا انکی سخت ناگواری کا باعث ہوا۔ اور جو عداوت مہاجرین مکہ سے ان کو تھی وہ مدینہ کے انصار کے ساتھ بھی ہوگئی اور سب سے بڑا خوف کفار مکہ کو یہ تھا کہ اگر مسلمان زیادہ قوی ہو جائیں گے تو مکہ پر حملہ کرینگے۔ اس کے علاوہ مدینہ کے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی انصار سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو چلے گئے اور قریش سے جا ملے ایسی حالت میں رسول کریم اور مہاجرین و انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کے واسطے اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ امور ذیل کو اختیار کرتے (۱) اس بات

کی خبر رکھنا کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں (۲) جو قبائل مدینہ میں اور
کے ارد گرد رہتی ہیں ان سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا اور عہد شکنی کی
حالت میں اُن سے مقابلہ کرنا (۳) جو مسلمان مکہ میں بہ مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پاکر
وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت
کرنا (۴) جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کر وہ
مدینہ پر آنے والا ہے تو ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا۔ غزوات و سرایات مابعدمیں
معلوم ہوگا کہ ہر لڑائی کے واسطے کوئی نہ کوئی وجہ ان امور چارگانہ سے ضرور تھی" (المرتضیٰ
از تاریخ اسلام جلد ۲ صـ۷) ۔ جہاد دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک وہ جس میں آنحضرتؐ
خود شریک ہوتے تھے وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ دوسرا وہ جس میں آپ خود نہ جاتے تھے
بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام کرکے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔

غزوۂ ابواء صفر ۲ ہجری (۶۲۴ء) ابواء مدینہ سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کا قبیلہ بنی ضمرہ
مسلمانوں کو ایذا دینے کی غرض سے قریش کے ساتھ متفق ہوا تھا۔ آپ نے دو سو آدمی
سے چڑھائی کی۔ لڑائی نہیں ہوئی بلکہ اس شرط پر صلح ہوگئی کہ بنی ضمرہ نہ قریش کا ساتھ دیںگے
نہ مسلمانوں کا۔ یہ اول غزوہ ہے۔ حضرت حمزہ اس کے علم بردار تھے۔ قریباً ایک مہینہ کے
بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤساء سے تھا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرتؐ کے
مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا۔

غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاخر ۲ ہجری (۶۲۴ء) آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ
پہنچکر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے۔

سریہ بطن نخلہ رجب ۲ ھ (۶۲۴ء) حضرت عبد اللہ بن جحش کو ۱۲ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا کہ قریش کے حالات کا پتا
لگاکر آنحضرت کو اطلاع دیں۔ عبد اللہ نے خود ان پر حملہ کر دیا۔ اس میں ایک شخص عمرو بن الحضرمی
مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ عبد اللہ نے واپس آکر یہ حال بیان کیا اور

مالِ غنیمت پیش کیا۔ آنحضرت نے سُنا تو نہایت غضب ناک ہوکر فرمایا۔ میں نے تم کو اسکی اجازت نہیں دی تھی اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم کی ذات اس سے بری تھی۔ البتہ ایک صحابی اس کے باعث ہوئے اُس کا الزام آنحضرت صلعم پر کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

غزوۂ بدر ماہ رمضان سنہ ۲ھ (سنہ ۶۲۴ع) مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہونچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سُننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس۳۰ سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لا رہا ہے (اس طرح مسلمان دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں گے) حضرت رسولخدا ۳۱۳ ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر جا اُترے۔ قریش ۹۵۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کو روانہ ہوئے لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کو خدا نے مدد دی جس سے یہ فتح یاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے ۷۰ ہی اسیر ہوئے۔ ۳۶ کافروں کو صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اُس کا بھائی عاص۔ اور عتبہ۔ شیبہ۔ ولید بن عتبہ۔ نیز اسلام کے دوسرے بہت سے پُرانے دشمن مارے گئے۔ اس غزوہ کے علم بردار حضرت علی تھے۔ قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ مغربی مورخین کو حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی لیکن تائید ایزدی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ اس غزوہ میں مسلمان بہت کم اور کفار بہت زیادہ تھے۔ اس سبب سے آنحضرت صلعم گھبرا گھبرا کر خدا سے دعا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر کہتے تھے اے رسول کیوں پریشان ہوتے ہیں خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ بلکہ حضرت کے ساتھ ایک عریشہ (سایہ بان) میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس غزوہ میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا تم لوگ مشورہ دو۔ حضرت ابوبکر نے کہا مقام بدر تک ہمارے ان کے درمیان دو منزل کا فرق رہیگا۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اب کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے کہا یا حضرت یہ قریش ہیں

اور انکی عزت معلوم ہے۔ خدا کی قسم جب سے ان کو عزت ملی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان نہیں لائے۔ خدا کی قسم وہ آپ سے پورا مقابلہ کرینگے۔ حضرت عمر کے اس قول پر حضرتؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا مجھے مشورہ دو۔ تب جناب مقداد نے کہا کہ ہم تو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسےٰ سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑو۔ ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ قسم اس خدا کی جس نے آپکو مبعوث بحق کیا ہے۔ ہم آپ کے سامنے رہیں گے اور آپ کے پیچھے رہیں گے اور آپکی داہنی طرف اور بائیں طرف رہیں گے یہاں تک کہ خدا آپ کو فتح دے (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) اس پر آنحضرتؐ مسکرائے اور مقداد کو دعائے خیر دی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) اسیران جنگ سے آنحضرتؐ نے نہایت اچھا سلوک کیا۔ ایک شخص سہیل عام مجمعوں میں آنحضرتؐ کے خلاف تقریریں کرتا تھا حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اگر اس کے اعضاء بگاڑوں گا تو خدا اسکی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑے گا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۴۱)۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔

غزوہ سویق

غزوہ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا جو اثر ہوا کیوں کر بیان ہو۔ کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ ان کا سردار ابو سفیان ایک فوج لیکر ذی الحجہ ۲ھ (سنہ ۶۲۴ء) میں آنحضرتؐ سے لڑنے کو نکلا اور مدینہ کے قریب آکر ایک انصاری کو قتل کرکے کچھ مکانوں میں آگ لگادی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو تعاقب کیا مگر ابو سفیان بھاگ گیا۔

غزوہ احد شوال ۳ھ (سنہ ۶۲۵ء)

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے ابو سفیان نے ۳ ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا عکرمہ ابن ابوجہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ حضرت صلعم کے ساتھ پورے [illegible] بھی نہیں تھے۔ احد پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کردی تھی کہ لڑائی فتح ہو جائے مگر پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ خلاف حکم رسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں وہاں سے ہٹ آیا۔ غرض فتح کی شکست ہو گئی۔ حضرت حمزہ شہید ہو گئے۔ سب مسلمان حضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر

عثمان تک فرار کر گئے۔ اس اثنار میں ایک گو پئے کے پتھر سے آنحضرتؐ کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے اور ایک پتھر سے پیشانی مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے زخم بھی آئے اور آپ گڑھے میں جا پڑے۔ اُس وقت حضرت علی جہاد میں مصروف تھے اور کبھی کبھی حضرتؐ کو دیکھ بھی جاتے تھے۔ آخر مرتبہ کفار کو ہٹا کر حضرت کو پہاڑی کے اوپر لے گئے رات ہو گئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ ابوسفیان اس خوف سے کہ آنحضرتؐ اہل مدینہ کے ساتھ دوبارہ حملہ نہ کریں مکہ کو واپس گیا۔ اس جنگ میں ۷۰ مسلمان مارے گئے اور ۷۰ ہی زخمی ہوئے۔ کفار صرف ۳۰ یا ۲۲ مارے گئے جن میں سے ۱۲ کو صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اس جنگ میں بھی علمبردار حضرت علی تھے۔ حضرت ابوبکر جب غزوہ احد کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور کہتے کہ غزوہ احد سے میں بھی بھاگا اور سب سے پہلے لوٹ کر میں ہی آیا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۲۵ وکنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۷۵ وغیرہ) اور حضرت عمر کہتے تھے کہ غزوۂ احد میں ہم لوگ بھاگ گئے تو میں فرار کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں بُز کوہی کی طرح اُچکتا پھرتا تھا (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۸۸ وطبری جلد ۴ صفحہ ۹۰ وکنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۸) مگر حضرت علی برابر جاں نثاری میں مشغول رہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی تم کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے۔

اس جنگ میں حضرت علی کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسولخداؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ جس وقت حضرت علی نے یہ شجاعت دکھائی اور آنحضرت کی اس طرح مدد کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی اپنی تعریف سُنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار[1] اور اس کے بعد جبرئیل نے حضرت صلعم سے کہا اے محمدؐ یہ کمال مواسات وجوانمردی ہے جو علی مرتضیٰ تم سے کرتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ اس پر جبرئیل بولے اور میں تم دونوں سے ہوں۔ صاحب [illegible] النبوۃ لکھتے ہیں کہ اگر ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی (اے محمدؐ تم علیؑ کو پکارو کہ وہ مظہر العجائب ہیں تم ان کو مصیبتوں کے وقت اپنا ناصر وغمگسار پاؤ گے قریب ہے کہ ہر ہم وغم زائل ہو جائے بہ سبب تمہاری نبوت کے اے محمدؐ اور بہ سبب تمہاری ولایت کے اے علی) بھی اس معرکہ میں نازل ہوئی ہے مگر مشہور یہ ہے کہ

[1] یہ نہیں [illegible] کہ لاسیف الا ذوالفقار ولافتیٰ الا علی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۵)

جنگ خیبر میں نازل ہوئی ہے کہ حضرت علی کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں اور مدینہ میں رہ گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے نادعلی پڑھتے ہی حاضر ہوئے۔ حضرت علی نے حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت ایسا ادا کیا کہ مافوق اس سے متصور نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا جنگ احد میں سولہ ضرب تلوار کی مجھے پہونچی کہ ان کی چار ضربوں سے میں زمین پر گر پڑا۔ اور ہر بار جب میں زمین پر گرتا تھا ایک مرد خوبصورت نیک خو میرا بازو پکڑتا اور کہتا تھا کہ کافروں کی طرف متوجہ ہو کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ جب بعد جنگ حضرت علی نے آنحضرتؐ سے یہ حال بیان کیا تو حضرتؐ نے فرمایا اے علی خدا تمہاری آنکھوں کو روشن رکھے وہ جبریل تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳) حضرت علی نے باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آپ زخمی ہو گئے تھے کفار پر حملہ کر کے سب کو شکست دی۔ اس وقت جبریل نازل ہوئے اور حضرت رسولخداؐ سے پوچھا یہ کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہاۃ کر رہا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علی تھے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۳۶)۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۷۷) حضرت رسولخدا صلعم کے زخمی ہونے سے شور ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بھی شہید ہو گئے "آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہونچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہرا نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علی سپر میں پانی بھر کر لائے۔ جناب سیدہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا (سیرۃ النبی صفحہ ۲۷۹)" "خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ ہند امیر معویہ کی ماں نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے" (سیرۃ النبی صفحہ ۲۸۰) "آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہ کا کوئی

نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا اما حمزۃ فلا بواکی لہ۔ لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اوٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعاے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۸۳)

غزوۂ حمراء الاسد شوال ۳ھ (سنہ ۶۲۵ء)

غزوۂ احد کے بعد آنحضرت صلعم مدینہ واپس آئے تو پتا ملا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ اسی طرح روانہ ہو گئے۔ علم حضرت علی مرتضیٰ کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرت کی خبر سنکر مکہ کو واپس گئے (طبری جلد ۳ ص ۲۸)

سریہ ابوسلمہ محرم ۴ھ (سنہ ۶۲۵ء)

خبر ملی کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرتؐ نے ابوسلمہ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ ابوسلمہ نے حملہ کر کے بنو اسد کو بھگا دیا

سریہ عبد اللہ بن انیس

محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن انیس کو مقابلہ پر بھیجا۔ انھوں نے سفیان کو قتل کیا۔

واقعہ رجیع

قبیلہ عضل و قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہماری ہدایت کے لئے کسی کو بھیج دیجئے۔ آنحضرتؐ نے عاصم کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ رستے میں ان لوگوں نے بدعہدی کر کے عاصم کو قتل کرنا چاہا اس پر مسلمانوں کو ان سے لڑنا پڑا۔ چار مارے گئے اور تین مقید ہوئے۔

واقعہ بیر معونہ

صفر ۴ھ (سنہ ۶۲۵ء) میں ابو براء کلابی نے آکر آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرتؐ نے ستر انصار کو بھیج دیا ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرتؐ کا خط دیکر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا پھر بڑا لشکر لے کر آیا اور کل صحابہ کو قتل کر دیا (طبری جلد ۳ ص ۳۳)

غزوۂ بنو نضیر

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خوں بہا اب تک واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلعم کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے

پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھکر آنحضرت صلعم پر پتھر گرا دے۔ حضرتؐ کو یہ راز معلوم ہو گیا۔ فوراً مدینہ کو واپس آئے (تاریخ طبری جلد۳ ص۳۷)

غزوۂ ذات الرقاع قبیلۂ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو آنحضرتؐ جمادی الاولےٰ سنہ۴ھ میں کئی سو صحابیوں کے ساتھ ذات الرقاع تک گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے

غزوۂ بدر ثانی غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان کہتا گیا تھا کہ آئندہ سال ہم لوگ پھر آئیں گے تو اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا کہ کفار قریش کے سامنے سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ اس پر آنحضرتؐ ایک جماعت کے ساتھ بدر تک گئے۔ اس غزوہ کے علمدار بھی حضرت علی تھے مگر کفار نہیں آئے نہ لڑائی ہوئی۔

غزوۂ دومۃ الجندل دومۃ الجندل کے سردار نے لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے تھے۔ آنحضرت سنہ۵ھ میں انھیں منع کرنے کو نکلے تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ بنی مصطلق ایک قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ شعبان سنہ۵ ہجری کو آنحضرت انکی طرف گئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی علم بردار تھے۔

واقعہ افک اسی غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت حضرت عائشہ کا (جو اس سفر میں آنحضرت کے ساتھ تھیں) گلوبند کہیں گر پڑا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ حضرت رسولخداؐ سے کہتیں حضرتؐ تلاش فرماتے مگر اس کے ڈھونڈھنے کو وہ بغیر کسی کو خبر کئے قافلہ سے خود پیچھے رہ گئیں۔ ایک شخص جو چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے رہتا تھا وہ انھیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر لایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت عائشہ کو اس کے ساتھ متہم کر دیا حضرت رسولخدا صلعم کو بھی شک ہو گیا اور بہت دنوں تک حضرت عائشہ سے کشیدہ ہے۔ پھر فرمایا "مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں" (امہات الامہ ص۶۶)

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

یہود بنی نضیر جو خیبر میں جلا وطن ہوئے تھے آنحضرتؐ سے انتقام لینے کے درپے تھے ان میں سے ۲۰ شخصوں نے مکہ جاکر ابوسفیان کو ملا لیا اور پھر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبائل میں جاکر اُن کو اپنا شریک کر لیا غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں طیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضرتؐ مدینہ سے نکلے اور کوہ سلع کو پشت پر رکھکر سامنے کی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق جناب سلمان فارسی کی صلاح سے کھدوائی۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ سردی بڑی سخت تھی۔ ایک رات حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ جاکر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا استغفر اللہ و رسولہ مجھے معاف رکھیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جا سکتے ہو مگر ممدوح نہیں گئے۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے عمر تم جاکر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور اسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)۔ کافروں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے خاصکر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمر نے اسکی بہادری بیان کر کے مسلمانوں کو اور ڈرا دیا۔ ایک دن وہ خندق پھلانگ کر آگیا۔ فوج اسلام میں سے باوجود مبارز طلبی عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلا صرف حضرت علی بار بار اوٹھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور پکارا۔ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علی نے اوٹھکر کہا میں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علی نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علی نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علی:۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو:۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی:۔ لڑائی سے واپس جا۔ عمرو:۔ میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔
حضرت علی:۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا اور کہا مجھکو یہ امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا۔ پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوبکر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ حضرت علی کو ذو القرنین بھی کہتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ آپکی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ انکی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۳۱۱)۔ جناب امیرؑ عمرو بن عبد ود کے مقابلہ میں نکلے تو آنحضرت نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکل پڑا ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صـ۲۳۸ وسیرۃ محمدیہ جلد ۲ صـ۱۰۲)۔ غزوہ خندق میں حضرت علی سے ایسی شجاعت۔ بہادری اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولخداؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علی کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہیگی۔ نیز حضرت رسول مقبول نے حضرت علی کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذو الفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۲۱۳) حضرت علی نے عمرو کو قتل کر کے دستور عرب کے مطابق اس کے اسباب نہیں لئے۔ اسکی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا تو کہا ماقتلہ الا کفو کریم۔ میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا لوگوں نے کہا علی۔ اسوقت اس نے یہ شعر کہے ؎

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ ⁂ لکنت ابکی علیہ آخر الابد
لکن قاتلہ من لا یعاب بہ ⁂ من کان یدعیٰ قدیما بیضۃ البلد

اگر عمرو کا قاتل علی کے سوا کوئی ہوتا تو میں اپنے بھائی پر زندگی بھر روتی رہتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب)

کہتے آئے ہیں (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۵۴۸) جب حضرت علی معرکہ جنگ سر کر کے واپس آئے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اُٹھ کر حضرت علی کا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۱۶۳ اور روضۃ الصفاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)

غزوہ بنو قریظہ خندق کے بعد آنحضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ ہجری میں گئے لشکر کا علم حضرت علی کو عنایت کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲)

سریہ سیف البحر ۵ ہجری میں ابوعبیدہ کی ماتحتی میں ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا۔

غزوہ بنو لحیان رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کے لئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی گروہ بھاگ گئے۔

غزوہ ذی قرد ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑے گیا تو ربیع الاول ۶ ہجری میں آنحضرتؐ چلے گروہ مل گئیں تو واپس آئے۔

سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ھ میں آنحضرتؐ نے عبدالرحمن بن عوف کو ہدایت کے لئے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔

سریہ فدک شعبان ۶ ہجری میں خبر ملی کہ بنو بکر اور یہودان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے حضرت علی کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اور مسلمان مال غنیمت لے کر پلٹے۔

سریہ وادی القریٰ جناب زید شام جاتے تھے وادی القریٰ کے پاس بنو فزارہ نے لوٹ لیا تو وہ مدینہ واپس آکر مدد لے گئے اور کامیاب ہوئے۔

سریہ عرینہ عرینہ کے کچھ شریر آنحضرتؐ کے غلام یسار کو ہلاک کر کے بہت اونٹ بھگالے گئے آنحضرتؐ نے لوگوں کو بھیج کر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ ہجری (۶۲۸ء) میں حج کے ارادہ سے آنحضرتؐ مکہ کی طرف چلے قریش کو خبر ہوئی تو روکا حضرتؐ ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا ٹھہر گئے اور مرنے مارنے پر اور کبھی جنگ سے نہ ہٹنے پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والے اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ قریش کے ایلچی عروہ نے کہا اس سال آپ حج کو نہ جائیں۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور اُن اوباش لوگوں

فرار اڈیٹر النجم مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کے لیئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۴ر

فتح الرحمان اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا قیمت ۴ر

فتح مبین اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کے مناظرے سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے قیمت ۴ر

فتح القدیر اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جاکر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے قیمت ۳ر

قول کریم ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور انکی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہ ہو سکا قیمت عہ

معراج شہادۃ شہادۃ حضرت امام حسینؑ کے متعلق جناب بہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب نور ایمان کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے قیمت ۲ر

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ سے کس درجہ بے رخی کی۔ واقعہ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۲ر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا فرقہ اہل قرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اس کے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کرکے ثابت کر دیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل قرآن کو بھی مان لینا پڑا قیمت ۴ر

اسلامی خدا توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کرکے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۸ر

زنانی مجالس خدا کے فضل سے گھر گھر ہونے لگیں مگر افسوس حدیث کی ایسی کوئی کتاب

نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہو۔ اسمیں عقائد فضائل اور مذہبی معلومات کے ساتھ ساتھ سچے حالات مصائب اور صحیح روایتوں کا عام فہم مطلب بیان کیا گیا ہو۔ انھیں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم نے مجالس خاتون لکھی جسکی پہلی جلد میں ۳۰ مجلسیں محرم میں پڑھنے کی درج کی ہیں اور آخر میں دردناک نوحے بھی ایسے درج کر دیئے ہیں کہ مجلس میں بیبیاں سنکر تڑپ جاتی ہیں اور نہایت زور سے گریہ و بکا ہوتا ہے۔ قیمت فی جلد عمہ۔ تیسری جلد میں ار ربیع الاول سے ۳۰ ذی الحجہ تک جس قدر خوشی کی تاریخیں ہیں اونکے لیے محفل کے مضامین اور جس قدر غم کی تاریخیں ہیں اونکے لئے مجلس کے مضامین نہایت مفید درج کر دیئے ہیں۔ خوشی کی محفلوں کے لئے بہت عمدہ قصیدے اور غم کی مجلسوں کے لئے دردناک نوحے بھی نہایت موثر جمع کئے ہیں۔ قیمت عہر، جلد منگائیے ورنہ افسوس کیجیے گا۔ آپکی لڑکیوں اور بہنوں کے لئے بہترین تحفہ اور بے مثل مذہبی زیور ہے۔



مشعل ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور اونکے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت مجسٹریٹ آپ نے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۴۱۲ صفحہ قیمت صرف عہر

ہاضوم نفخ۔ قراقر پیچش۔ اسہال اور بدہضمی وغیرہ میں مفید ہے۔ قبض کا دافع ہے بھوک بڑھاتا ہے۔ درد شکم اور درد حوالی گردہ کو زائل کرتا ہے۔ ورم جگر اور ورم طحال کا محلل ہے اور غذا کو صحیح طور سے ہضم کر کے خون صالح بننے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ بعد غذا حسب ضرورت ہو ایک ماشہ تازہ پانی یا قبض کی حالت میں نیم گرم پانی سے کھانا چاہئے قیمت فی شیشی ۱۲ ملنے کا پتہ۔ حکیم سید محمد شفیع صاحب دواخانہ ... کھجوا ضلع سارن

تنقید بخاری حضرت حجۃ الاسلام فخر الحکما اعلی اللہ مقامہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب ہے جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور جس کا جواب لکھنے کے لئے اہلحدیث کانفرنس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کر سکی۔ اسکی پہلی دوسری جلد مدت دراز سے نہیں ملتی ہم دوبارہ چھپوانا چاہتے ہیں۔ درخواستیں جلد اس پتہ پر آئیں۔

سید موسیٰ کاظم صاحب کھجوا (صوبہ بہار)

(سید فائز الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپوا کر شائع کیا)

اصلاح

جلد ۱۸	ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۵۶ھ	...ر

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ قسم اول پانچ روپیہ

چندہ سالانہ قسم دوم تین روپیہ

یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر جب ان سے کتاب کے اوراق نکال کر جلد بندھوانے کا ارادہ ہوتا ہے اور کئی کئی نمبر غائب پاتے ہیں تو دفتر میں شکایت کرتے ہیں کہ فلاں فلاں نمبر ہم کو نہیں ملے۔ ان کے بغیر سوانح عمری مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسے حضرات کو خیال کرنا چاہیئے کہ دفتر ان نمبروں کو مکرر کیونکر روانہ کر سکتا ہے بغیر سوانح عمری کے لئے کسی طرح پچھلے نمبر روانہ کر دیئے جاتے ہیں مگر آیندہ کے لئے کل حضرات سے التماس ہے کہ رسالہ جس وقت پہونچے پڑھکر اپنے صندوق یا الماری میں قفل لگا کر بند کر دیا کریں۔ اور جب آخر سال میں تاریخ ائمہ ختم ہو جائے تو ہر نمبر سے اس کے اوراق نکال کر جلد بندھوالیں۔ کل حضرات اس کا خیال رکھیں کہ ایک نمبر پہونچنے پر اگر دفتر میں شکایت آگئی کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو دفتر اس کو مکرر روانہ کر دے گا لیکن اگر چار یا پانچ نمبر کے بعد قبل کا پرچہ طلب کیا جائیگا تو اسکی قیمت فی نمبر ۸ر آنے کر وہ بھیجا جائیگا۔ مثلاً نمبر ۳ پہونچنے پر اگر کوئی صاحب خبر دیں کہ نمبر ۲ نہیں ملا تو مکرر بغیر قیمت بھیج دیا جائیگا۔ لیکن اگر نمبر ۵ پہونچنے پر خط آیا کہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ نہیں ملا تھا تو دونوں کی قیمت عہ پہونچنے پر مکرر بھیجے جائیں گے۔ بس آپ حضرات اپنے پرچوں کی حفاظت کیا کریں۔ دیکھنے کے بعد کسی جگہ لاپروا سے نہ چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ لیجائیں۔ یہ رسالہ اس قدر نہیں چھپتا کہ ناظرین کو سو دو سو پرچے مکرر [illegible]

۵۵ و ۵۶ ہجری کا چندہ جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجا وہ فوراً منی آرڈر سے روانہ کر دیں۔ آیندہ نمبر بذریعہ وی پی جائیگا جس میں ۳ر پیسہ زائد خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا۔ خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب [illegible] ان حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھیں اور نہ اتنا مال ہے کہ اس کے لئے پوسٹ کارڈ خریدا جائے۔ آپ حضرات اس اطلاع کو کارڈ کی خبر تصور کر کے فوراً چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں نہایت شکر گزار ہونگا کہ وی پی بھیجنا ایک مصیبت [illegible]

کاغذ کی مصیبت بہت بڑھتی جاتی ہے۔ قیمت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ دوسرے اخبارات نے اپنا چندہ بڑھا دیا۔ اب اصلاح کیا کرے؟ اگر آپ حضرات صرف دو جدید خریدار عنایت فرمائیں تو بغیر چندے میں اضافہ کئے رسالہ آسانی سے شائع ہو سکتا ہے۔

تاریخ ائمہ جو مومنین حضرات ائمہ طاہرین کے معرفت نیز حالات جاننا چاہتے ہیں وہ جلد اصلاح کے خریدار ہو جائیں ورنہ تاریخ ائمہ کے طبع ثانی کا انتظار بھی انکے لئے افسوسناک ہوگا۔





اصلاح

نمبر ۳ | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۶ ہجری | جلد ۴۱

التماس دعا کل حضرات ناظرین وہمدردان اصلاح کی خدمت میں گزارش ہے
کہ ہماری صحت خراب ہوتی جاتی ہے۔ جب سے خلیفہ اول کی سوانح
ی کی غیر معمولی محنت پڑی ضعف قلب پیدا ہوگیا۔ جاڑے کی فصل میں یہ شکایت خفیف
ہی مگر اپریل سے زیادہ ہوجاتی ہے کل حضرات دعا فرمائیں کہ شافی مطلق صحت کاملہ عطا فرمائے
اتنی قوت بھی مرحمت فرمائے کہ دین حق کی جو خدمتیں پیش نظر ہیں خصوصاً (۱) تاریخ
ر کی تکمیل (۲) خلیفہ دوم کی سوانح عمری کی اشاعت (۳) تصویر صحیح بخاری کی ترتیب وغیرہ
اچھی طرح انجام پاسکیں۔ اور مومنین سے جو وعدے ہم کرچکے ہیں وہ اچھی طرح پورے ہوجائیں۔

سوانح عمری خلیفہ دوم الحمد للہ خلیفہ اول کی سوانح عمری اس درجہ پسند کی گئی کہ
تقریباً ہر روز اسکی مدح وثنا میں خطوط آتے رہتے ہیں۔
اور معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی کتابوں میں یہ ایک نادر اضافہ ہوا ہے۔ تبلیغ مذہب حق میں بھی
اس کا بیّن اثر ہورہا ہے اور خدا کے فضل سے مومنین کی تعداد میں اضافہ کا باعث بھی ہورہی ہے
مگر اس کے ساتھ مومنین کو اس کا بھی سخت افسوس ہے کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری اب تک شائع نہیں
ہوئی۔ برابر اس کا ذکر بھی خطوط میں ہوتا اور حسرت ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ
اپنی عمر کا اعتبار نہیں۔ اگر اس نعمت عظمےٰ کے مطالعہ سے محروم رہے تو بڑا ہی رنج رہیگا۔ ان کل
ہمدردان دین وملت کی خدمت میں التماس ہے کہ ہم شروع سے کہہ رہے ہیں یہ کام تنہا ایک شخص کے

کرنے سے ویسا مفید نہیں ثابت ہوگا جیسا مطلوب ہے۔ اس لئے بار بار دو معین مصنف کی ضرورت واضح کردی گئی جو سیکڑوں کتابوں کو دیکھیں۔ ان میں سے مضامین نکالیں۔ حالات کی تحقیقات کریں۔ روایتوں کی جانچ پڑتال کریں۔ عبارتوں کا ترجمہ لکھیں۔ غرض اس کی تصنیف میں ہر طرح کی مدد پہونچائیں۔ ان کا حق المحنت پچاس پچاس روپیہ ماہوار کے حساب سے چار سال کا ۴۸۰۰ روپیہ قرار دیا گیا۔ اور ساتھ ہی اسکی بھی ضرورت واضح کردی گئی کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی "الفاروق" جن کتابوں سے لکھی ان سب کا پیش نظر رہنا بھی نہایت ضروری بلکہ اس سوانح عمری کا سب سے اہم موقوف علیہ ہے اور وہ انشاء اللہ ۳۲۰۰ روپیہ میں مہیا ہوجاتی ہیں پس اگر آپ حضرات اس معمولی مقدار کو جلد مہیا کردیں تو فوراً یہ کام شروع کردیا جائے۔

ناظرین کے افسوس وحسرت سے ہم اس پر بھی آمادہ ہیں کہ اسی سال رجب ۱۳۵۶ہجری سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی شائع کرنے لگیں۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا کتابوں کا انتظام ہوجائے اور دو معین مصنف بھی مقرر ہوجائیں۔ اس رقم کے انتظام کی بھی بہت آسان صورت لکھی تھی کہ ناظرین اصلاح سے صرف ۹۹۷ حضرات اسکی کوشش کریں کہ دو دو خریدار دیں سے سوانح عمری خلیفہ اول مکمل (قیمتی للعہ) کی قیمت ۸ روپیہ اور ایک ایک تصویر عزا کی قیمت ۲ لیکر بھیجدیں اور اس دس روپیہ کے عوض دفتر سے یہ دونوں کتابیں منگا کر ان خریداروں کو دے دیں۔ اب اس کتاب کی اشاعت آپ کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اگر دو مہینہ تک آپ حضرات پوری کوشش کردیں تو ہر شخص کو سوانح عمری خلیفہ اول کا دو اور تصویر عزا کا ایک جدید خریدار ملنا دشوار نہیں ہے۔

اس طرح اگر اس سال ۳۰ جمادی الاولےٰ تک ۹۹۷ حضرات نے ان دونوں کتابوں کی قیمت روانہ کردی تو انشاء اللہ رجب ۱۳۵۶ہجری سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی شاندار سوانح عمری بھی شائع ہونے لگے گی اور آپ حضرات کا افسوس بھی رفع ہوجائیگا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ماہ رجب سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی حاضر ہونے لگے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو جلد از جلد سوانح عمری خلیفہ اول مکمل دو جلدوں کی قیمت آٹھ روپیہ اور تصویر عزا ایک جلد کی قیمت ۲ جملہ عـہ دس روپیہ بھیج دیں اور یہ کتابیں ہم سے منگالیں۔ اس کے جواب سے کل ناظرین جلد ہمیں مطلع کریں تا کہ ہم بھی فیصلہ کرسکیں کہ اسی رجب سے اس سوانح عمری کی اشاعت شروع کردیجائے تین مہینہ کی مدت بھی کافی ہے۔ اگر آپ لوگ کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہوسکتے ہیں۔

لکھنؤ میں سنیوں کا شیعوں پر حملہ

اس ماہ بلکہ اس سال کی نہایت درد انگیز خبر یہ ہے کہ نہم ماہ ربیع الاول کو مومنین لکھنؤ حسب دستور قدیم اپنے مکانوں کے اندر عید زہرا مناتے اور محفل عبادت منعقد کرکے فضائل وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ برادران اہلسنت نے ان بیچاروں پر حملہ کردیا جس کے بعد کئی روز تک لکھنؤ کی گلیوں بلکہ سڑکوں تک پر فتنہ و فساد کا بازار گرم رہا۔ بہت کثرت سے شیعہ زخمی ہوئے اور نہ معلوم کس قدر جان سے مارے گئے۔ اس کے مفصل حالات روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں میں شایع ہو رہے ہیں معلوم ہوتا ہے برادران اہلسنت نے خیال کیا کہ صوبہ متحدہ سے برٹش گورنمنٹ اٹھ گئی اور سنی وزیر اعظم کو خلفاء بنی عباس کا قائم مقام تصور کرلیا۔ نہم ربیع الاول کی محفلیں لکھنؤ میں اس وقت سے قائم ہیں جب سے وہاں مسلمان آباد ہوئے مگر آج کے قبل کبھی اس کے لئے ایسا فتنہ و فساد نہیں ہوا۔ البتہ اس سال چونکہ صوبہ متحدہ کے وزیر اعظم نواب صاحب چھتاری مقرر ہوئے ہیں اور وہ بھی اوسی مذہب کے پابند ہیں۔ غالباً اس سبب سے سنیوں کو جرءت ہوئی کہ طے کرلیں برٹش راج اٹھ گیا اور بجائے "سوراج" کے "سنی راج" قائم ہوگیا جو چاہو کرو۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ برٹش گورنمنٹ کا اس وقت فرض اولین ہے کہ جلد اس فساد کے اصلی بھید کا پتا لگائے اور وہ پوری تحقیقات کرینگی تو ضرور اس نتیجہ پر پہونچینگی کہ برادران اہلسنت اب اپنے ہم مذہب وزیر اعظم کو خلیفہ بغداد کی طرح خلیفۂ لکھنؤ سمجھنے لگے ہیں اور جس طرح اونھوں نے سابق خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں بے وجہ شیعوں پر حملے کئے۔ انکو قتل کیا۔ انکو لوٹا۔ ان کے بچوں عورتوں تک کو ذبح کیا۔ ان کے مکانوں میں آگ لگائی۔ انکی عبادت گاہوں تک کو پھوک ڈالا اوسی عہد کو اس وقت لکھنؤ میں دہرانے پر آمادہ ہیں۔ بغداد کے شیعوں پر مدت دراز تک یہ مظالم ہوتے رہے اور تاریخ کے اوراق ان خونی واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم صرف دو سال کا واقعہ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے فی ھذہ السنۃ وقعت ببغداد فتنۃ عظیمۃ۔ اس سال (۳۶۱ ہجری میں) بغداد کے اندر بہت بڑا فتنہ برپا ہوا فنھبت الاموال وقتل الرجال واحرقت الدور وفی جملۃ ما احترق محلۃ الکرخ وکانت معدن التجار والشیعۃ۔ اس فساد میں لوگوں کے مال لوٹ لئے گئے۔ لوگ قتل کئے گئے۔ مکانوں میں آگ لگادی گئی۔ جو جو حصہ جلائے گئے انمیں

محلہ کرخ بھی تھا جہاں تاجروں اور شیعوں کی خاص آبادی تھی بلکہ[1] ان لوگوں کی کان تھا (تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۴۴) ۔ پھر سنہ ۳۶۲ ہجری کے متعلق لکھا ہے کہ وزیر ابو الفضل نے جو نہایت سخت متعصب سنی تھا محلہ کرخ کے شیعوں کو قتل عام کرنے کے لئے فوجیں بھیج دیں ۔ فالقی النار فی عدۃ اماکن من الکرخ فاحترق حریقا عظیما وکان عدۃ من احترق فیہ سبعۃ عشر الف انسان وثلث مأتہ دکان وکثیر من الدور وثلاثۃ وثلاثین مسجدا و من الاموال ما لا یحصی ۔ اس سنی وزیر نے محلہ کرخ کے شیعوں کے بہت سے مکانوں میں آگ لگوادی جس سے ۱۷ ہزار شیعہ جل گئے ۔ تین سو دکانیں پھونک دی گئیں شیعوں کے بہت سے مکان اور ۳۳ مسجدیں جلا ڈالی گئیں اور مال واسباب تو اس قدر جلائے گئے جن کا حساب ہی نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۰۶) ۔ بغداد میں بھی ایسا کرنے والے سنی ہی تھے اور لکھنؤ میں بھی یہی ہیں ۔ ایسی حالت میں برٹش گورنمنٹ کا فرض ہے کہ لکھنؤ کو عہد بنی عباس کا بغداد ہونے سے بچائے ۔ راقم جمیل مظفر ساکن یکا گاؤں

کار نمایاں

(لکھنؤ میں سنیوں نے شیعوں پر جس بے دردی سے حملہ کیا اوس کے متعلق جناب حکیم آشفتہ صاحب لکھنوی نے حسب ذیل قابل قدر نظم شایع کی ہے)

مسلمانو! بڑے کار نمایاں کرکے بیٹھے ہو ⁂ نہ کرتے جو درندے وہ ساماں کرکے بیٹھے ہو
اسی کا نام ہے اسلام کی تعلیم ؟ کیا کہنا ⁂ یہی اخلاق ہے کیا قابل تعظیم کیا کہنا
یہی ہیں وہ خصوصیات قومی ناز کے قابل ⁂ یہی جوہر ہیں کیا شاباش کی آواز کے قابل
یہی چھپ چھپ کے طفل و پیر کا جو خوں بہاتے ہیں ⁂ یہی ہیں وہ بہادر جو مجاہد نام پاتے ہیں
نہ کرتے بھیڑیئے جو کام وہ در اصل کرائے ⁂ بڑے رن سور نکلے عورتوں کو قتل کرائے
مسلمانوں کے خوں کی کوئی قیمت بندہ پرور ہے؟ ⁂ سنو اسلام میں قتل عمد بھی کوئی جوہر ہے
ضعیفوں پر جفا و جور اور تاویل مذہب کی ⁂ ابھی کچھ اور ہونا چاہیئے تفصیل مذہب کی
فروع دین یہی ہیں جو اصول دیں سکھاتے ہیں ⁂ یہی ڈنڈ بلے ہیں جو فردوس کی راہیں دکھاتے ہیں
یہی ہیں یادگار سلف جو ہر ادھر دیکھو ⁂ اوٹھاؤ گردنیں خونخوار آنکھوں کا اثر دیکھو

[1] یعنی مدح صحابہ کا چار یاری جھنڈا ۱۲

جہنم بھر کے رگ رگ میں شقاوت کے عداوت کے ::: چلے ہیں جوڑنے ٹوٹے ہوئے رشتے محبت کے
بھرم کھل جائے یہ چندے یہ نذرانے جو رک جائیں ::: مزا آجائے گر مذہب کے دیوانے یہ رک جائیں
وہ مذہب جو سکھائے طرز خونخواری وہ مذہب ہے ::: وہ مذہب جو پڑھائے درس بیزاری وہ مذہب ہے
وہ مذہب ہے کوئی مذہب شجاعت جس سے کھو جائے ::: وہ مذہب ہے کوئی مذہب جہاں تہذیب سے جائے
وہ مذہب کیا جہاں ہٹ دھرمیوں سے رنگ سیکھے ہوں ::: ترس کھانے کے قابل جس میں بوڑھے ہوں نہ بچے ہوں
وہ مذہب جو سر پر آسماں ڈھانے کا قائل ہو ::: جہاں عورت سی صنف ناتواں ظلموں کے قابل ہو
لگا کر اپنے گھر میں آگ خود شعلوں سے کھیلے ہیں ::: خدا رکھے بڑے رستم ہیں کیا کیا ظلم جھیلے ہیں
وہ بہنیں جن کو بے وارث بنایا ہے بلکتی ہیں ::: اجل کی گود میں فاقوں کے مارے اب سسکتی ہیں
اوٹھو معصوم بچے یتیموں کی گود سے لے لو ::: ذرا سا شرماؤ ان کو کر کے چندے ہی کفن دیدو
تمہارے ہاتھ کے مارے ہوئے زخمی کدھر جائیں ::: کہاں سے اب کریں مزدوریاں کیا لیکے گھر جائیں
تمہارا تو یہ دعوے تھا کہ ہم ہیں مصلح عالم ::: عرب سے ہند تک لہرائے ہیں تہذیب کے پرچم
ہمیں نے ظلم کی بنیاد دنیا سے مٹائی ہے ::: ہمیں نے اہل عالم کو رواداری سکھائی ہے
ادھر دعووں کو دیکھو اور ادھر کردار کو دیکھو ::: ملا کر اک ذرا گفتار سے رفتار کو دیکھو
ہمیں تو شرم آتی ہے یہ کہتے ہیں مسلماں ہیں ::: نہ ہو انسانیت جس میں وہ انساں خاک انساں ہیں

(منقول از اخبار النجم لکھنؤ ۲۴ر ربیع الاول سنہ ۵۶ ہجری)

حضرت رسولخدا کے متعلق عقائد اہلسنت

ماہ ربیع الاول میں حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت با سعادت واقع ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ کے متعلق حضرات اہلسنت کے کچھ عقائد کا ذکر لطیف ہو۔ یہ تو مخصوصات شیعہ سے ہی کہ وہ آنحضرتؐ کو قبل از بعثت بھی مسلم جانتے ہیں اور بعد بعثت بھی۔ مگر حضرات اہلسنت کا اعتقاد اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت قبل از بعثت کافر بت پرست تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے جلیل القدر پیشوا علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے "بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلعم پہلے کافر تھے۔ پھر خدا نے آپکی ہدایت کی اور آپ کو نبی بنایا۔ چنانچہ خدا نے جو قرآن مجید میں وجدک ضالا فھدی فرمایا ہے اس کا مطلب کلبی نے یہ کہا کہ مراد

اس سے یہ ہے کہ آپ بھی [illegible] تھے قوم گمراہ میں ۔ پس خدا نے آپکی ہدایت توحید کی طرف
کی ۔ اور دوسرے بزرگ سدی نے کہا کہ حضرت اپنی قوم (کفار قریش) کے مذہب پر
چالیس سال تک تھے ۔ تیسرے بزرگ مجاہد بیان کرتے تھے کہ مراد وجدک ضالاً سے
یہ ہے کہ آپ ہدایت سے گمراہ تھے ۔ پس خدا نے اپنے دین کی ہدایت کی (تفسیر کبیر جلد ۸
صفحہ ۶۰۲) ان عبارتوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان حضرات کے دل میں حضرت رسولخدا
صلعم کی کیا حقیقت ہے اور کہاں تک وہ حضرت کو ہدایت کے قابل سمجھتے ہیں اس لئے کہ
جو شخص چالیس سال تک خود بت پرست رہا ہوگا وہ دوسروں سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ
اچھا کام نہیں بلکہ گمراہی ہے ۔ زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ صرف قبل نبوت ہی حضرت بت پرستی کا
الزام نہیں قائم کیا گیا بلکہ بعد بعثت کے متعلق بھی اصرار ہے ۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب
لکھتے ہیں "آنحضرت صلعم نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی ۔ کفار بھی موجود تھے ۔ جب آپ نے یہ
آیت پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ تو شیطان نے آپکی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے
تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ ۔ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی
شفاعت مقبول ہے ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپکی متابعت کی ۔
یہ قصہ اگرچہ سرتاپا بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے اور اکثر محدثین مثلاً بیہقی ۔ قاضی عیاض ۔ علامہ عینی
حافظ منذری، علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے
محدثین نے اس روایت کو بسند نقل کیا ہے ۔ ان میں طبری ۔ ابن ابی حاتم ۔ ابن المنذر ۔ ابن مردویہ
ابن اسحاق ۔ موسیٰ بن عقبہ ۔ ابومعشر شہرت عام رکھتے ہیں ۔ اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے
کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے
چنانچہ لکھتے ہیں "وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منہا علی شرط الصحیح وھی مراسیل
یحتج بمثلہا من یحتج بالمراسیل ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح
کی شرط کے موافق ہیں ۔ اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کرسکتے
ہیں جو مرسل روایتوں کے قائل ہیں" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۲۶) ۔ اسی طرح حضرت عائشہ
سے تعلقات کے متعلق ان حضرات کے ایسے اعتقادات ہیں کہ کسی آریہ یا عیسائی شخص کے
سامنے ان کا ذکر ہوتا ہے تو کسی مسلمان کی غیرت اسکی مقتضی نہیں ہوتی کہ ان غیر مسلم احباب سے

آنکھیں بھی چار کر سکے بلکہ شرم سے گڑ جاتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلعم کے متعلق اردو کتابوں تک میں یہ چیزیں لکھ کر شائع کی جا رہی ہیں " آپ اکثر حضرت عائشہ کے ساتھ ایک دسترخوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر گزرے آپ نے ان کو بھی بلا لیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھایا (قبل نزول حجاب) کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ چوستی تھیں ؎۱ پیالہ میں وہیں پر منہ رکھکر پیتے تھے جہاں حضرت عائشہ منہ لگاتی تھیں۔ ایک دفعہ دونوں ساتھ کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت سودہ شکایت لے کر پہونچیں کہ عمر مجھ کو ضرورت سے بھی باہر نکلنے میں ٹوکتے ہیں۔ راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہات ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپکی دعوت کی۔ آپ نے فرمایا عائشہ بھی ہونگی؟ اوس نے کہا نہیں ارشاد ہوا تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔ میزبان دوبارہ آیا اور پھر یہی سوال وجواب ہوا اور وہ واپس چلا گیا۔ تیسری دفعہ پھر آیا۔ آپ نے پھر فرمایا عائشہ کی بھی دعوت ہے؟ عرض کی جی ہاں۔ اس کے بعد آپ اور حضرت عائشہ دونوں لپک اس کے گھر گئے" (سیرۃ عائشہ صہ ۵۷) اس واقعہ پر مصنف کتاب نے یہ حاشیہ دیا ہے " محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ کے تنہا دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُس روز خانہ نبوی میں فاقہ تھا۔ آپ نے مروت اور لطف اخلاق سے دور سمجھا کہ گھر کی بیوی کو بھوکی چھوڑ کر خود شکم سیر کروں۔ پڑوسی نے اس لئے دو دفعہ انکار کیا کہ اوس کے ہاں سامان

؎۱ اس جملہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ آنحضرت صلعم اوسی ہڈی کو کیونکر چوستے تھے۔ کیا جس ہڈی کو معظمہ چوستی تھیں اس کو اوسی وقت آنحضرت بھی چوسنے لگتے تھے یعنی آدھی ہڈی حضرت عائشہ کے منہ میں ہوتی تھی اور آدھی حضرت رسول خدا صلعم کے منہ میں؟ یا جب حضرت عائشہ چوس چکتی تھیں تب حضرت اس ہڈی کو چوستے تھے مگر پھر تو ہڈی میں گوشت یا شوربا رہتا نہیں ہوگا۔ پھر حضرت ؐ کیا چوستے تھے کیا صرف حضرت عائشہ کا وہ مصالحہ دار لعاب دہن جو اوسی ہڈی میں لگ جاتا تھا؟ (جس طرح حضرت عائشہ کی اُس مسواک کو بھی چوسا تھا جو انھوں نے اپنے لعاب دہن سے نرم کرکے آپکو آپکی وفات کے وقت دی تھی)

ایک ہی آدمی کے مطابق تھا۔ تیسری دفعہ کچھ اور سامان کر کے حاضر ہوا (سیرۃ عائشہؓ ص۵۹)
مگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس روایت کے صحیح سمجھنے سے حضرت رسول خدا صلعم پر اخلاق
کے بڑے بڑے اعتراضات ہوتے ہیں (۱) آپ نے مومن کی دعوت رد کی (۲) دوبارہ
وہ آیا اور دوبارہ آپ نے اسکی دعوت رد کر کے اس کو ذلیل کیا (۳) آپ نے انتہائی خود
غرضی کو راہ دیا کہ حضرت عائشہ کا پیٹ بھرنے کے لئے آپ نے بھی کھانے سے انکار کیا
جس طرح نفس پرست لوگ دوسروں کا مال کھینچنے میں ہر ممکن تدبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرتؐ
نے اپنی بیوی کی شکم سیری کے لئے انکار اور ضد سے کام لیا (۴) جب اس پڑوسی نے پہلی
دفعہ حضرت عائشہ کی دعوت سے انکار کیا اسی وقت حضرتؐ کو معلوم ہو گیا کہ اس کے ہاں بھی
فقر کی حالت ہے۔ کسی خاص وجہ سے اس نے صرف آپکی دعوت کی ہے۔ آپ کو خاموشی سے
اس کے ساتھ چلے جانا تھا مگر اس کے خلاف کیا (۵) دوبارہ اس نے آکر اپنی عسرت اور
تنگدستی کو زیادہ واضح کر دیا مگر حضرتؐ نے اپنی ضد نہیں چھوڑی اور اس غریب کا کچھ بھی
خیال نہیں کیا (۶) اگر آپ نے حضرت عائشہ کو بھوکی چھوڑ کر خود کھانا مروت کے خلاف
سمجھا تو اپنی بیوی کے لئے دو دو مرتبہ اصرار کرنا کس طرح پسند کیا؟ یہ کس درجہ کی بد اخلاقی
اور بے مروتی تھی (۷) اگر خانۂ نبوی میں فاقہ تھا تو آپ نے صرف حضرت عائشہ کے کھانے
کی فرمائش کیوں کی۔ کیا صرف وہی آپ کی بیوی تھیں؟ اور بیویاں پتھر کی بنی ہوئی تھیں کہ
اُن کو بھوک کی شکایت نہیں تھی؟ اگر کہا جائے کہ دوسری بیویوں کے پاس کھانے کو تھا صرف
حضرت عائشہ کے پاس نہ تھا تو حضرتؐ نے دوسری بیویوں ہی سے کہہ کر حضرت عائشہ کو بھی کیوں
کھانا نہیں کھلوا دیا اور اُس غریب پڑوسی پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ کیوں ڈالا؟ (۸) خدا
نے فرمایا ہے:۔ یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ وہ لوگ اپنے نفسوں پر
دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم نے اس صفت
کے خلاف خود کیوں عمل کیا؟ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان سب میں کوئی بات نہیں تھی صرف یہ دکھانے
کے لئے کہ حضرت رسول خدا حضرت عائشہ پر ایسے فریفتہ اور عاشق تھے کہ بغیر ان کے حضرتؐ کو
کھانا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا اور بغیر ان کے حضرت کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے تھے۔
یہ باتیں بنائی گئیں۔ حالانکہ خدا نے حضرتؐ کے اخلاق کی یہ تعریف فرمائی ہے انک لعلی خلق عظیم

اے رسول یقیناً تم بڑے اخلاق والے ہو۔ لطف یہ ہے کہ جس قدر حضرت رسول خدا صلعم کی فریفتگی کی باتیں لکھی گئیں اسی درجہ حضرت عائشہ کی بے رخی کے حالات بھی جمع کئے گئے مثلاً ایک سفر میں حضرت عائشہ اور حفصہ دونوں ساتھ تھیں۔ رات کو بلاناغہ آپ حضرت عائشہ کی محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہ نے کہا لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہ کی محمل میں تشریف لائے۔ دیکھا تو حفصہ تھیں۔ آپ سلام کرکے بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاو ڈالا تو حضرت عائشہ سے ضبط نہ ہو سکا محمل سے اُتر پڑیں۔ دونوں پاؤں گھاس پر رکھدیئے اور بولیں خداوندا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تو کوئی بچھو اور سانپ بھیج جو مجھ کو آ کر ڈس لے (سیرۃ عائشہ صفحہ ۵)" ایک دفعہ حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا آنحضرت کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا۔ تمہارے لئے دعا کرتا۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ میری موت مناتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ اِسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں" (سیرۃ عائشہ صفحہ ۵۹) فقط سید ظہیر حیدر مولوی عالم

تعلیم نسواں

دام فیوضکم تسلیم۔ اصلاح نمبر۲ میں زنانہ کالج امرتسر کے اغوار کے واقعہ پر آپ نے جو نوٹ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانہ کی تعلیم نسواں کو ناپسند کرتے اور اس کو مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پھر کیا عورتیں جاہل رکھی جائیں؟ یا ان کو زیور علم سے آراستہ نہ کیا جائے یا ان کو مثل جانوروں کے بنایا جائے؟ اگر آپ کہیں کہ صرف مذہبی تعلیم دی جائے تو قصور معاف آپ حضرات نے ان بیچاریوں کی مذہبی تعلیم کا بھی تو کوئی انتظام نہیں کیا۔ آج اگر کوئی شخص چاہے کہ صرف مکان کے اندر رکھکر اپنی لڑکیوں کو مذہبی تعلیم خود دے تو فرمایئے کس نصاب تعلیم کو اختیار کرے۔ بس قاعدہ بغدادی اور قرآن مجید تک تو پڑھا سکتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہے جس کی تعلیم دینے سے لڑکیوں کو مذہبی تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔ لے دے کر صرف ایک تحفۃ العوام ہے کہ اگر بوڑھی عورت پڑھے تب بھی وہی۔ جوان عورت پڑھے تب بھی وہی۔ جوان لڑکیاں پڑھائی جائیں

تب بھی وہی اور چھوٹی بچیوں کو تعلیم دی جائے تب بھی اسی کی۔ حالانکہ بچیوں کو تحفۃ العوام پڑھانا بہت مشکل ہے کہ ہر سطر میں فارسی یا عربی کا کوئی لفظ ضرور ہوتا ہے جو بچیوں کے ذہن میں جلد نہیں آتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ جناب والا نے تصور عزا کتاب جیسی آسان زبان میں لکھی ہے ویسی بھی کوئی مذہبی کتاب بچیوں کے پڑھانے کی نہیں ملتی۔ کیا خوب ہو کہ آپ ہی کوئی اور زیادہ آسان عام فہم اور دلچسپ عبارت میں ایک مختصر کتاب چھوٹی بچیوں کے لئے لکھ دیں۔ جس میں ان کے لئے مذہب کی کل ضروری باتیں درج کر دی جائیں اور بچیاں اس کو شوق سے پڑھیں ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے۔ مثلاً کوئی ناول ہی نہایت مہذب ہو اور اس میں بطور قصہ کے اصول دین۔ فروع دین۔ عقائد و اعمال و ضروری امور ایمان درج کر دیئے جائیں مگر اس کا بھی خاص خیال رہے کہ وہ کتاب مختصر ہو اور اس کی قیمت بہت کم رکھی جائے۔ کسی طرح ایک روپیہ یا سوا روپیہ سے زیادہ نہ ہو تاکہ ہر غریب بچی تک وہ کتاب پہونچ سکے۔ یہ بھی مذہب کی ایک اہم خدمت ہے۔ جناب عالی کو اس طرف جلد توجہ کرنی چاہئے۔ برادران اہلسنت میں دن رات لڑکوں لڑکیوں کے لئے مذہبی نئی نئی کتابیں بہت دلچسپ اور مفید نکلتی رہتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور صرف اوسی ایک تحفۃ العوام یا زیادہ سے زیادہ تحفہ احمدیہ پر پڑے ہوئے ہیں جن کے پڑھانے کے لئے جب تک والدین کوئی خاص مولوی صاحب نہ رکھیں اوس وقت تک لڑکیوں کا ان کتابوں کا پڑھنا تقریباً ناممکن ہے۔ ضرورت ایسی کتاب کی ہے کہ معمولی لکھی پڑھی مائیں بھی خود اپنی بچیوں کو وہ کتاب آسانی سے پڑھا دیں۔ اور بچیوں کے ذہن میں وہ چیزیں اچھی طرح جم جائیں۔ فقط بشیر حسن۔

شیعوں کو تعدد ازدواج کی ضرورت

مکرمی۔ سلام مسنون۔ اصلاح بابت ماہ محرم ۱۳۵۶ھ ص ۲۲ پر مضمون زیر عنوان "ہندوستان میں شیعوں کی زندگی" نظر سے گزرا۔ آغا جعفر صاحب نے شیعیان علی کو نہایت سنہری اور مفید رائے دی ہے لہذا بندہ بھی اس نیک رائے پر عمل پیرا ہو کر دنیا و دین کا فائدہ اوٹھانا چاہتا ہے۔ مگر بذات خود تلاش کرنے سے قاصر ہوں۔ اس وجہ سے رسالہ اصلاح کے ذریعہ سے اعلان کرتا ہوں کہ میں نکاح ثانی کرنا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ رشتہ سادات میں ہو۔ عمر بیس سال سے زائد نہ ہو سلیقہ شعار۔ امور خانگی سے واقف۔ سادگی پسند۔ مغربیت اور نئی روشنی سے بے بہرہ۔ مذہب حقہ

شیعہ اور تعلیم مذہبی۔ اگر خاندان سادات میں ممکن نہ ہوسکے تو کسی دیگر شریف النسب رشتہ کے لئے کوشش کی جائے۔ میری عمر اس وقت ۳۰۔ ۳۵ کے درمیان ہے۔ صحت بفضلہ نہایت اچھی ہے۔ منکوحہ بیوی موجود ہے۔ بچے بھی ہیں ۱۵۰/ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہوں زمینداری کی آمدنی کافی سے زیادہ ہے۔ خدا کا فضل وکرم ہے گزارہ معقول ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی بات میرے متعلق قابل دریافت ہو تو تحریر فرمائیے۔ فقط م۔ح از ضلع الموڑا

اصلاح ضلع الموڑا کے قرب وجوار کے مومنین اس کی سعی کرکے دفتر اصلاح میں خبر دیں کہ ممدوح کو لکھ دیا جائے۔ ہمیں اپنی تعداد بڑھانا ضروری ہے۔

سنہ ۱۳۵۶ ہجری کے تاریخی نام محمد سعید خصلت۔ شفاعت پنجتن۔ چودہری رضی حسن اغنی رسول۔ رسول غنی۔ سید نذر علی حیدر۔ دانش رضا منظور نقی۔ معتقد قایم خاں۔ محمد معتقد مہدی خاں۔ عباس رضا حیدر۔ غلام احمد کبیر۔ سید کبیر معظم۔ معظم شاہ۔ ضمیر شاہ۔ محمد بخشش نبی۔ قمر رضوی۔ سید غنی حیدر۔ قاضی نصیر الدین۔ قاضی سفیر الدین۔ محمد منظور سجاد۔ محمد نذر قدیر۔ خواجہ شریف قائم۔ سید الیاس ظفر۔ خواجہ اشرف نقی۔ محمد خیرات احمد۔ آغا اسلام حیدر۔ محمد خورشید سعید۔ شیخ شمس ولی۔ شیخ قیصر ولی شیخ گلشن ولی۔ محمد ظفر الاحمد۔ محمد ظل الباقر۔ مرزا ظل حسنین۔ مخدوم یوسف تقی۔ مرزا محمود رضی سید محمد ظریف۔ سید ظریف محمد۔ نذیر الہدی شاہ۔ سید مظفر نبی۔ مرزا عبد الرضا۔ سید غلام اسمعیل محمد ظہیر الحسن۔ مہر علی رضا۔ رضی ہاشم۔ منظور اللطیف۔ مشہود رضا۔ تفضل الٰہی۔ تفضل ولی۔ محمد مبارک رضا

لڑکیوں کے نام فریدہ خاتون۔ قمر راضیہ۔ خیرات سکینہ۔ انوار الخواتین۔ سیدہ طاہرہ خاتون جمیل اختر بیگم۔ سیدہ ماہ رخشندہ بیگم۔ لطافت سکینہ خانم۔ نظیف الزہرا بیگم۔ بلند اختر زینب

خواجہ حسن نظامی صاحب اور حاجی ثناء اللہ صاحب خواجہ حسن نظامی صاحب صوفی جماعت ہندوستان کے مقتدا، اور حاجی ثناء اللہ صاحب امرتسری اہلحدیث حضرات کے سردار ہیں۔ خواجہ صاحب نے حضرت علیؑ کے قرآن مجید کے متعلق ایک نوٹ دیا تھا جس پر اڈیٹر صاحب اہلحدیث بہت خفا ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحب شیعہ مذہب کی طرف جھکتے جاتے ہیں اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے جو لکھا ہے اس کے چند جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں یہ اس نوٹ کے جواب میں یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے شیعیت سے کچھ بھی تعلق نہیں

ہے ... اور میں سُنی فرقہ کو بھی جس میں میرے دوست مولانا ثناء اللہ صاحب اہلحدیث کا جھنڈا لئے کھڑے ہیں سیدھے راستہ پر نہیں سمجھتا ... میں ان سب سے بری ہوں اور یہی میرا تبرا ہے ... البتہ مجھے اس پر اصرار ہے کہ آپ کے محدثین نے بنی فاطمہ اور بنی ہاشم پر حکومتوں کے دباؤ یا دنیا کی طمع سے علمی ظلم کئے ہیں۔ اور وقت آگیا ہے کہ میں ان تمام جرائم کو طشت از بام کر دوں۔ ورنہ مجھے نہ شیعوں سے کچھ تعلق ہے نہ آپ جیسے سنیوں سے جنکی آنکھیں حق و عدل کی دید سے بند ہو گئی ہیں اور جن کے کان سماعت حق سے بہرے ہو گئے۔ اور وہ صُمٌّ بُكْمٌ رہنا اہلحدیث کا طرہ امتیاز تصور کرتے ہیں بسم اللہ میدان میں آیئے۔ حسن نظامی" (اخبار منادی دہلی صہ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء)

مدح صحابہ کے خلاف سُنی اخبارات کی ایکس

مدح صحابہ کے متعلق بکثرت سنی اخبار و رسائل بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ایجاد صرف شیعوں کے چڑانے کو کی گئی چنانچہ اخبار النجم لکھنؤ لکھتا ہے:۔

"ذرا اِن سُنی جرائد کی ذہنیت تو ملاحظہ کیجیے"

اس وقت مدح صحابہؓ کے سلسلہ میں جو کمیشن ہو رہا ہے اس میں شیعہ حضرات نے اپنے مذہب کی حمایت میں جہاں اور بہت سے دعاوے پیش کئے ہیں وہاں ایک چیز یہ بھی نمایاں طریق پر پیش کی ہے کہ اہلسنت و جماعت کے بہت سے مقتدر حضرات اس تحریک مدح صحابہؓ کو سنیوں کی زیادتی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ کمیشن کے روبرو شیعہ وکیل مسٹر حیدر مہدی نے سات سُنی جرائد کے نام پیش کئے ہیں۔ جن کے اقتباسات سے وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کریں گے وہ جرائد یہ ہیں:۔ اخبار ہند کلکتہ۔ رسالہ نگار لکھنؤ۔ اخبار نظام دہلی۔ اخبار مشرق گورکھپور اخبار پیام دکن۔ اخبار حق لکھنؤ۔ اخبار خورشید سندیلہ۔

ہند کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس اخبار اور اس کے ایڈیٹر کا کوئی مسلک نہیں یہ صاحب دین کی تمام باتوں کے خلاف جنگ کرنا اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔

نگار۔ ایک ادبی رسالہ ہے اور اس کے ایڈیٹر مسٹر نیاز فتحپوری ہیں آپ کے کفر و ارتداد پر علمائے کرام کے بہت سے فتاوے ہو چکے ہیں۔

پیام جو کہ ایک سیاسی روزنامہ تو ضرور ہے مگر مذہبی معاملات میں اسکی رائے کا اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناواقف انگریزی اردو زبان پر اپنے خیالات ظاہر کرنا شروع کردے۔ باقی اور جتنے نام درج کئے گئے ہیں ان کو دنیائے صحافت میں ذرہ برابر بھی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

بہر حال مسلمان اور ناظرین النجم خصوصاً ان مدعیان اسلام جرائد اور ان کے ایڈیٹروں کی ذہنیت ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد ایسے نمایندوں کے متعلق اپنی رائے کا فوری اظہار کریں"۔ (النجم ۲۵ر صفر ۱۳۵۶ھ ہجری)

اصلاح آپ حضرات کا تو قدیم شیوہ ہے کہ جس راوی کو حق گو دیکھا اوسے یا شیعہ رافضی کہدیا یا جھوٹا مفتری کا خطاب دے دیا۔ امام شافعی۔ امام نسائی۔ علامہ طبری تک کو جب آپ لوگوں نے نہ چھوڑا تو اس زمانہ کے انصاف بیں اخبارات ورسائل اہلسنت کو کیوں نہ برا کہیں گے۔

عقد حضرت ام کلثوم اور اخبار اہلحدیث امرتسر اخبار اہلحدیث امرتسر میں ایک طولانی مضمون عقد حضرت ام کلثوم کے متعلق شائع ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ جس طرح عیسائی اور آریہ صاحبان اسلام اور حضرت رسولخدا کے متعلق صرف اپنی کہے جاتے اور مسلمانوں کی ایک نہیں سنتے ہیں بالکل اسی طرح سنی برادران مذہب شیعہ اور ائمہ طاہرین کے متعلق اپنی گفتگو کئے جاتے اور حقیقت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ آپ دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم دختر جناب سیدہ کا عقد معاذ اللہ حضرت عمر سے ہوا۔ اسکی دلیلیں دو قسم کی ہوسکتی ہیں۔ یا سنیوں کی حدیث وسیرۃ وتاریخ کی شہادتیں یا شیعہ کتابوں کے بیانات۔ چونکہ آپ حضرت عمر کے فضائل میں اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں اس وجہ سے آپ کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت پہلے اپنی مذہبی کتب سے پیش کیجئے۔ جب اس میں آپ کامیاب ہوجائیں اور شیعوں پر ثابت کردیں کہ کتب اہل سنت سے اس عقد کا ہونا صحیح معلوم ہوتا ہے اس وقت اگر شیعہ انکار کریں تب انکی کتابوں سے آپ احتجاج کریں۔ ہمارا تو دعوے ہے کہ آپ کتب اہلسنت سے اس کو ثابت کرسکتے ہیں نہ کتب شیعہ سے۔ آپ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ "ولدیت ام کلثوم کا ثبوت ہم بحوالہ کتاب تہذیب الاحکام دے چکے ہیں جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔ ماتت ام کلثوم بنت علی وابنھا زید ابن عمر بن خطاب فی ساعۃ واحدۃ (حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم

اور اس کا بیٹا زید ابن عمر ایک ہی وقت میں فوت ہو گئے" (اہلحدیث ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

اگر آپ انصاف سے دیکھیں تو یہی عبارت اسکی قطعی دلیل ہے کہ وہ ام کلثوم دختر جناب امیرؑ نہیں تھیں اس لئے کہ وہ اپنے فرزند زید کے ساتھ ایک ہی دن مرگئیں ۔ اور کل مورخین کہتے ہیں کہ یہ دونوں عہد معویہ میں مرگئے اور حضرت امام حسنؑ نے دونوں کے جنازے کی نماز پڑھی پس جب ام کلثوم وہ تھیں جو حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں مرگئیں تو واضح ہے کہ یہ وہ نہیں ہو سکتیں جو واقعہ کربلا میں موجود تھیں ۔ اور کل مورخین آکی بھی تصریح کر رہے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کی حقیقی بہن جناب ام کلثوم واقعہ کربلا میں جو شہادت حضرت امام حسنؑ کے گیارہ سال کے بعد ہوا موجود تھیں ۔ اور اسکی بھی تصریح ہے کہ جناب سیدہؑ کی بیٹی دو ام کلثوم نہیں بلکہ ایک ہی تھیں ۔ پس اگر وہ حضرت امام حسنؑ کے سامنے مرگئی تھیں تو واقعہ کربلا میں کیسے موجود رہیں ؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ کلثوم جو حضرت عمر سے بیاہی گئیں وہی تھیں جو حضرت ابو بکر کی صاحب زادی تھیں اور چونکہ حضرت ابو بکر کی بیوہ سے جناب امیرؑ نے عقد کر لیا تھا اور وہ ام کلثوم ان کے ساتھ جناب امیرؑ کے گھر آگئی تھیں اس سبب سے ان کو لوگ بنت علی کہنے لگے اور یہ مجاز عرب میں شائع و ذائع تھا ۔ جب زید باوجود غلام ہونے کے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے فرزند کہے جاتے تھے تو ام کلثوم اپنی ماں کے ساتھ جناب امیرؑ کے گھر رہنے کی وجہ سے آپکی بیٹی کیوں نہ کہی جائیں ؟ پس اگر ان ام کلثوم کو آپ اس وجہ سے حقیقی دختر جناب امیر کہتے ہیں تو جناب زید کو بھی حقیقی فرزند جناب رسولخدا کہئے ۔ یہ بھی آپ لوگوں کے دعوے باطلہ کا زبردست جواب ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب سیدہؑ اوس وقت تک زندہ رہیں کہ واقعہ کربلا میں شریک ہو گئیں اور وہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی بیوی بتائی جاتی ہیں گیارہ بارہ برس پہلے مرچکی تھیں پس یا یہ کہئے کہ جناب ام کلثوم کربلا میں نہیں تھیں ۔ یا یہ کہئے کہ وہ عہد معویہ میں نہیں مریں ۔ یا یہ کہئے کہ حقیقت میں دو ام کلثوم تھیں ایک زوجہ حضرت عمر جو جناب سیدہ کی بیٹی نہیں بلکہ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی تھیں جو معویہ کے زمانہ میں اپنے فرزند زید کے ساتھ مرگئیں ۔ دوسری وہ جو حضرت عمر کی زوجہ نہیں تھیں بلکہ جناب سیدہ کی صاحبزادی تھیں اور جو واقعہ کربلا میں موجود رہیں ۔ خدا کرے آپ ٹھنڈے دل سے اس مضمون کو پڑھیں اور آریوں کی تقلید چھوڑ سکیں ۔ تاکہ راہ حق نظر آسکے ۔ فقط ظہیر حیدر مولوی عالم

جواب خطوط کی معذرت

ہمدردان اصلاح کے بکثرت خطوط اس طرف دفتر میں آئے ہوئے پڑے ہیں جن کی تعمیل اب تک نہ ہو سکی۔ اس طرف ہم کو ضعف قلب کی شکایت زیادہ رہی۔ دفتر کا کام بہت کم ہو سکا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا جو کچھ موقع ملا رسالہ کے مضامین کی ترتیب اور تاریخ ائمہ کی تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ وہ حضرات مطمئن رہیں انشاء اللہ کل خطوط کی تعمیل جلد ہی کی جائیگی۔ اس تاخیر کو معاف کریں اور میری صحت کی دعا فرمائیں۔ خداوند عالم کل خدمات کا بوجھ اٹھانے کی قوۃ کاملہ عطا فرمائے کہ پھر سب آسان ہے۔

شکریہ

(۱) جناب حکیم سید نذیر احمد صاحب جے پوری دام مجدہ نے اکولا (برار) سے رسالہ اصلاح کی اعانت میں ع۶ عنایت فرمایا (۲) جناب منشی غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر بستی بائی روشن (پنجاب) نے تاریخ ائمہ کی اعانت میں عہ عنایت فرمایا (۳) جناب سید علی جعفر صاحب نے کجھوا نے اپنے پوتوں کے ختنہ و عقیقہ کے موقع پر للعہ رسالہ اصلاح کی اعانت میں عنایت فرمایا خداوند عالم کل حضرات کو جزائے خیر عطا کرے اور دوسرے مومنین کو بھی آمادہ کرے کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا سامان جلد کریں۔ بس اب ہر وقت اسی سوانح عمری دوم کی اشاعت کی فکر رہتی ہے

دو امام باڑوں کی حالت

فرخ آباد کا ایک امام باڑہ سال گزشتہ کی بارش میں بالکل گر گیا جس کے لئے عام مومنین سے اعانت کی درخواست کی گئی مگر میرے خیال میں صرف مومنین شمس آباد کو چاہئے کہ جلد اس کو بنوا کر اجر بے حساب حاصل کریں۔ کیونکہ مومنین فرخ آباد کی مالی حالت بہت کمزور ہے۔ شہر آرہ (صوبہ بہار) کے امام باڑے کی چھت بھی گر گئی۔ وہاں کے حضرات کل مومنین سے اعانت کے خواستگار ہیں مگر میری رائے ہے کہ جناب سید احمد حسن صاحب پیشکار خود پٹنہ جا کر رؤسا گزری و گلزار باغ و بانکی پور و رؤسا حسین آباد کو پکڑیں۔ انشاء اللہ صرف پٹنہ ہی سے اس کی مرمت کا سامان ہو جائیگا۔

کونسلوں میں شیعوں کی نیابت

ہم نے اصلاح نمبر ۱ میں تحریک کی تھی کہ مومنین تین تین چار چار نکاح اور متعہ کر کے اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں اسکے ساتھ ہر مقام کے مومنین کو غور و فکر کرنی چاہئے کہ کس طرح ہر صوبہ کی اسمبلی میں شیعہ ممبر شیعوں کے نمائندہ ہو کر پہونچیں اور شیعوں کے حقوق کی حمایت کریں۔ پارسی۔ عیسائی اور سکھ ایسی قلیل التعداد قوم تک کو جب یہ حق مل گیا تو ہم لوگ اس سے کیوں محروم رکھے جائیں کہ بغیر اس کے اس ملک میں رہنا بہت دشوار ہے موقع تاخیر کا نہیں ہے جو کرنا ہو جلد کیجئے۔ — آغا جعفر

اخبار غم

افسوس (۱) میرے محترم دوست جناب حاجی محمد تقی صاحب ہیڈ کلرک کلکٹر نینیٹل کی اہلیہ محترمہ نے ۲۵ صفر کو انتقال کر کے ممدوح کو اپنے سخت غم میں مبتلا کیا۔ مرحومہ بڑی عابدہ۔ خلیق اور مذہبی امور کی ہمدرد تھیں۔ ایک سات سال دوسری ڈیڑھ سالہ بچی چھوڑی (۲) میرے صدیق مکرم جناب مولوی سید محمد رضی صاحب پروفیسر مدرسہ جوادیہ بنارس کے ایک بچے نے بھی ۱۴ صفر کو نمونیہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا (۳) مکرمی ومحترمی جناب مولوی سید امیر حسن صاحب وظیفہ یاب تعلقہ دار حیدر آباد دکن کے فرزند صالح سید بدر الحسن صاحب مرحوم نے انتقال کر کے بوڑھے باپ کو جس مصیبت میں مبتلا کیا اوس کا بیان دشوار ہے (۴) حبیب محترم جناب مولوی سید محمد سبطین صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے جوان فرزند سید محمد حسنین صاحب ایم اے نے بھی جوانی میں انتقال کر کے ممدوح کی نظروں میں دنیا کو اندھیری کر دیا۔ مگر قوی امید ہے کہ کل حضرات مصائب کربلا کو یاد کر کے اپنا اپنا صدمہ بھول جائیں گے۔ کیونکہ خوب فرمایا ہے لا یوم کیومک یا ابا عبد اللہ۔ خدا اکل مرحومین کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔ ایک کی مصیبت سے دوسرے کو تسکین ہوتی ہے۔

اخبار جدیدہ

لکھنؤ میں ۹ و ۱۰ ربیع الاول کو لکھنؤ میں سنی شیعہ کے درمیان سخت فساد ہوا دس یا اس سے کچھ زیادہ آدمی ہلاک اور تقریباً دو سو زخمی ہوئے۔ کثرت سے لوگ گرفتار کیے گئے ہیں۔ مگر اب شہر میں امن ہے۔ خدا مظلوموں پر رحم فرمائے ــــ گزشتہ تین سال میں ایران نے دنیوی اعتبار سے بڑی ترقی کی ہے۔ طہران میں ایک یونیورسٹی بھی قائم ہو گئی ہے ــــ
ایڈورڈ ہشتم سابق بادشاہ انگلستان کی شادی ۳ جون ۱۹۳۷ء کو مسز سمپسن سے ہو گئی۔
بمبئی میں پھر ہندو مسلمان کے درمیان فساد ہو گیا ــــ اسپین کی جنگ اب تک جاری ہے
۲۷ مئی کو مصر مجلس اقوام کا ممبر تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح مصر کی سیاسی آزادی مسلم ہو گئی ــــ
۲۵ مئی کو شملہ میں ایک مویشی کانفرنس بھی ہوئی ــــ سرحد پر فقیر ایپی نے بغاوت برپا کر رکھی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھیوں اور حکومت ہند میں سخت جنگ جاری ہے ــــ
دور بینوں کا خیال ہے کہ ایپی کے فقیر کی پشت پر کسی یوروپین سلطنت کا ہاتھ ہے۔ اس سال افغانستان کی آزادی کی اٹھارویں سال گرہ منائی گئی۔ اٹلی سے جنگ کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے

کے ساتھ تیر چھوڑتے اور اِدہر سے اُدہر۔ اُدہر سے اِدہر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعتہً ایک بچے کا تیر نشانہ پر جا لگا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا انا ابن سید البطحاء (میں مکہ معظمہ کے سردار کا فرزند ہوں) جوں ہی یہ جملہ بچے کے مونہہ سے نکلا۔ گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ نہایت تیزی کے ساتھ اس بچے کی طرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاحب زادے تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کہا اور تمہارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سنکر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکہ میں آکر ہاشم کے حقیقی بھائی مطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا معلوم ہوا کہ مطلب حطیم کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اُس کے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا زبان سے ادا کیا۔ مطلب فوراً مکہ سے نکل مدینہ پہونچے اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پاکر پہچان لیا۔ بے ساختہ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے مگر اوس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا۔ شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا پیارے شیبۃ الحمد میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ شیبۃ الحمد یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو یہ جا وہ جا۔ شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اُس کی نظروں میں ساری دنیا اندھیر ہو گئی مگر غریب کر ہی کیا سکتی تھی۔ صبر کرکے اور کلیجہ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبۃ الحمد کو اونٹنی پر سوار کئے ہوئے مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے دیکھ کر بہ آواز بلند کہا هٰذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا نہیں۔ میرا غلام نہیں۔ میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا بھتیجا ہے۔ پس اوس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔

الغرض عبد المطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پُوت کے پانوں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں۔ عبد المطلب ابتدا ہی سے نیک سیرۃ نیک خصلت نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفات حمیدہ اور خصائل بزرگانہ ان میں جمع ہو گئے تھے مطلب کے مرے پیچھے اُن کے تمام مناصب ان کی طرف عود کر آئے اور مکہ کی ریاست کی باگ ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ حلبی اپنی سیرۃ میں عبد المطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبد المطلب آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کرکے خدا کی وحدانیت کے قائل ہو گئے

تھے[1] اور مکہ کی چار دیواری کے اندر بہت سے اُن طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعہ سے اول عرب میں پھر تمام روئے زمین میں دی گئی مثلاً وفائے نذر۔ محارم سے نکاح کی ممانعت۔ قطع ید سارق۔ دختر کشی کی مناہی۔ تحریم خمر وزنا۔ اور یہ کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔ عبدالمطلب کے واقعات زندگی میں ایک بڑا واقعہ چاہ زمزم کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے خدا کے اُس مقدس معبد کا نام جو سرزمین مکہ میں واقع ہے کعبہ رکھا گیا۔ ساتھ ہی اس چشمہ کا نام زمزم رکھا گیا۔ بلکہ بنائے کعبہ کی تاریخ سے اس چشمہ کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے گویا یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور بنائے کعبہ کا سبب واقع ہوا۔ اس چشمہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی دو بیویاں تھیں۔ ہاجرہ اور سارا اور دونوں سوکنوں میں سازگاری نہ تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیم ہاجرہ کو اور ان کے بیٹے اسمٰعیل سمیت اس جگہ لے آئے جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹوں کو اس غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر ملک شام واپس چلے گئے۔ یہاں ہاجرہ اور اون کے معصوم بچے کو پیاس لگی کیونکہ جو پانی وہ اپنے ساتھ لائی تھیں ہو چکا۔ پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ان پر مایوسی طاری ہوئی تو بے قراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ اتفاق سے کنکروں پتھروں اور کوڑے کرکٹ کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ کنکروں پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر خدا بجا لائیں۔ خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اُس کے گرداگرد منڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اسکی وجہ سے اردگرد کے بہت سے قبائل یہاں آ بسے۔ ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمۂ زمزم کے قریب آباد ہوئے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو ان کا سردار تھا بایں خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر اُن کے کردار ناشایستہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں۔ چنانچہ اوس نے اپنی ساری قوم کو جمع کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اوسکی اس رائے سے اتفاق اور سب نے سرزمین مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم

[1] آخر عمر میں بت پرستی ترک کرنے کا دعوےٰ قرار اس وقت کیا جائے جب ابتدائے عمر میں اس کا پتا ملتا ہو کہ آپ بت پرستی کرتے تھے لیکن کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ۱۲

ظاہر کیا۔ عمرو نے قوم کے نفیس و قیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں اور حجر الرکن یا حجر المقام جو کچھ بھی کعبہ کا چڑھاوا تھا اس چشمہ میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاصہ عمیق گڑھا ہو گیا تھا ڈال دیئے اور منڈیریں توڑ تاڑ کنکروں پتھروں سے پاٹ دیا۔ یہاں تک کہ اُس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے بھاگا۔ اُس زمانہ سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا اور سیکڑوں برس گزر گئے کسی کو اوسکی طرف خیال بھی نہ ہوا مگر عام الفیل کے سال عبدالمطلب کو اس کا خیال ہوا اور اونھوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔

عبدالمطلب کے اس مقام خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مورخوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ مگر ایک روایت جو عقل و نقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے مشہور مورخ ابن اسحاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے کہ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیم کعبہ میں سوتا تھا۔ خواب میں ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال۔ میں نے کہا طیبہ کہاں ہے؟ اس کا اوس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہو گیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود۔ میں نے زمزم کا پتا پوچھا تو کہا قریۃ النمل کے متصل۔ میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے اوس موقع پر پہونچا اور کھودنا شروع کیا۔ تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھودا کئے۔ چوتھے روز ایک تختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔ عبدالمطلب زمزم کے کھودنے میں کامیاب ہوئے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرۂ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ یہ بھی هٰذَا الطُّوىٰ اِسْمٰعِيْلُ۔ یہ سُن کر بہت سے لوگ زمزم پر آ جمع ہوئے اور عبدالمطلب کی مزاحمت کر کے فساد پر آمادہ ہو گئے اور لگے کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسمٰعیل کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں ہم اور تم دونوں شریک رہیں گے۔ اگر تم ہماری شرکت تسلیم کرو بہتر۔ ورنہ ہم تم کو اس پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے اپنا قبضہ اوٹھا لو۔ یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس کنویں کو بدستور پاٹ دینگے اور پھر اپنے خرچ سے کھدوا کر تیار کر لیں گے۔ عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد پر کامیاب ہو گئے"۔

(امہات الامہ صفحہ ۴۰)

(مذکورہ بالا واقعات زیادہ تفصیل سے سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۰ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۵ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ و سیرۃ ابن ہشام و تاریخ خمیس وغیرہ میں موجود ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب نے آخر میں جو لکھا کہ "عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا" اس میں حد درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر دیں اس لئے کہ اس سے جناب عبدالمطلب کا خدا کے ہاں خاص درجہ ثابت ہوتا ہے اور ہم اس واقعہ کو (مجازاً) جناب عبدالمطلب کا معجزہ کہہ سکتے ہیں۔ اصلاح نمبر ۶ جلد ۳ میں اس کو مختصر طور پر لکھا گیا تھا۔ اسی کی نقل مناسب ہے۔ "جناب عبدالمطلب کو جس وقت یہ بشارت ملی اس وقت تک ان کے ایک ہی فرزند تھا جس کا نام حارث تھا۔ جس کے ساتھ وہ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوئے۔ جب کچھ کامیابی نظر آئی تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش سمجھے کہ یہ کامیاب ہوئے حصہ لینے کو آموجود ہوئے کہ یہ کنواں تو ہمارے جد اسمٰعیل کا ہے۔ ہم سب شریک ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے اس کو خاص ہمارے حصہ میں دیا ہے۔ مگر قریش اور تیز ہو کر کہنے لگے نہیں نہیں۔ تم تنہا اس پر متصرف نہیں ہو سکتے۔ ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس میں سب کا حصہ مساوی ہے۔ اب ایک طرف جناب عبدالمطلب تنہا ہیں۔ دوسری طرف کل قریش کا مجمع ہے۔ طرفین میں رد و بدل ہوتی رہی۔ آپ فرماتے کہ یہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے اور وہ لوگ اس کو جمہوری جائداد بنانا چاہتے تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ بنی سعد کی کاہنہ پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے۔ وہ جو کچھ فیصلہ کر دے اس پر سب راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب ہوا جو اس خاندان کا بزرگ تھا اور سب کے سب مع حشم و خدم شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب عبدالمطلب بھی اپنے دو چار ساتھیوں کے ہمراہ چلے۔ یہ سفر بہت طولانی تھا کہ اونٹ کی سواری پر ملک شام جانا تھا۔ اس سبب سے خاص کر پانی کا زیادہ مقدار میں ساتھ رکھنا ضروری ہوا۔ مگر ابھی اس سفر کی چند ہی منزلیں طے ہونے پائی تھیں کہ اثنائے راہ میں جناب عبدالمطلب کے پاس کا کل پانی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سب پیاسے ہوئے لیکن نہ کہیں کنواں نظر آیا۔ نہ دریا۔ نہ چشمہ۔ اس کے ساتھ سفر کا تعب جس سے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی قریب بہ ہلاکت پہنچ گئے۔ اب زندگی اور موت کا فیصلہ تھا مجبوراً ان بیچاروں نے سرداران قریش سے جو اس نزاع میں فریق مخالف تھے پانی مانگا کہ ہم لوگ پیاسے مرا چاہتے ہیں تھوڑا پانی پلا دو۔ مگر ان سب نے قطعی انکار کر دیا۔ اور ایک شخص کو بھی رحم نہ آیا۔

جب جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ یہ لوگ جو ہمارے ہم وطن ہم قبیلہ سب ہی ہیں کسی طرح پانی

نہیں دیتے اور ہماری سخت پیاس پر کسی کو رحم نہیں آتا اور اب پیاس سے مرجانا یقینی ہے تو بخیال اس رسوائی کے کہ سب بُرے حال سے مرے پڑے رہیں گے اور کسی کو کفن و دفن میسر نہیں ہوگا یہ رائے کی کہ ہم سب اپنے اپنے لئے ایک ایک گڑھا (بطور قبر) مہیا کریں تاکہ جو شخص مرتا جائے اس کو دفن کرتے جائیں۔ آخر میں ایک ہی شخص ایسا رہے گا جو بے دفن پڑا رہے اور ایک شخص کا اس طرح پڑا رہنا بہتر ہے اس سے کہ سب کے سب بے دفن رہیں۔ ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً اس کی تعمیل شروع کردی۔ گڑھے کھدنے لگے اور قریش جو آپ کے مخالف جا رہے تھے کھڑے تماشہ دیکھتے ہے دوسرے روز جناب عبدالمطلب نے سوچا کہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دھرکر بیٹھے رہنا اور اپنے کو موت کے حوالہ کردینا نامردی ہے۔ کچھ کوشش کرنی اور اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ تاکہ اس طرح ہم لوگوں کے نام میں عاجزی کا دھبہ نہ لگے اور بے بسی کی موت نہ ہو۔ یہ طے کرکے آپ اونٹ پر سوار ہوئے۔ فلما انبعثت به راحلته انفجرت من تحت خفها عين عذبة من ماء فكبر وكبر اصحابه وشربوا وملئوا اسقيتهم ـ ثم دعا القبائل من قريش فقال هلموا الى الماء فقد سقانا الله فقال اصحابه لا نسقيهم لانهم لم يسقونا ـ فلم يسمع منهم وقال فنحن اذا مثلهم ـ فجاء اولئك القرشيون فشربوا وملئوا اسقيتهم وقالوا قد والله قضى الله لك علينا يا عبدالمطلب ـ والله لا نخاصمك فى زمزم ابدا ان الذى سقاك هذا الماء بهذه الفلاة لهو الذى سقاك زمزم فارجع الى سقايتك راشدا فرجعوا اليه ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبينها ـ جیسے ہی جناب عبدالمطلب کی اونٹنی آپ کو اٹھا کر چلی فوراً اس کے پاؤں کے نیچے کی ریت ہٹی اور دفعۃً آب سرد و خوش گوار کا چشمہ نمایاں ہوا۔ جس پر جناب عبدالمطلب نے تکبیر کہی۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر جو خوشی ہوئی کیوں کر بیان کی جائے سب اس چشمہ سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھی اوس سے بھرلیں۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے قریش کے ان قبیلوں کو بھی جن سے نزاع تھی آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی لو کہ خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کردیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب کے ساتھیوں نے کہا ہم تو ان کو اس پانی سے نہیں پینے دینگے کیونکہ جب ہم پیاسے تھے تو انکو کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک قطرہ بھی کسی نے ہمیں نہیں دیا۔ مگر جناب عبدالمطلب نے انکی بات

ہیں دی اور فرمایا اگر ہم بھی ان کے ہی ایسا کریں تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہا!!!
غرض وہ قریش مجمع ہو گئے اور سب نے اس پانی سے پیا اور اپنی مشکیں بھر لیں۔ جس کے بعد ان لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اے عبد المطلب خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دے دی۔ خدا کی قسم اب زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کرینگے کیونکہ جس خدائے برحق نے اس بے آب وگیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کر کے تم کو سیراب کیا اوسی نے زمزم سے بھی تم کو سیراب کیا ہے۔ اب چلو تم اپنے اس کنوئیں پر اطمینان سے اور بے کھٹکے قبضہ کر لو۔ ہم لوگ کچھ نہیں بولیں گے۔ اس طرح وہ لوگ کاہنہ کے پاس پہونچنے بھی نہ پائے اور وہیں سے پلٹ آئے اور وہ کنواں جناب عبد المطلب کو چھوڑ دیا۔ جناب عبد المطلب مکہ میں واپس آکر پھر چاہ زمزم کھودنے لگے یہاں تک کہ سونے کی ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہوئیں۔ اوس وقت قریش نے پھر ہجوم کیا اور کہا اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ جناب عبد المطلب نے کہا نہیں بلکہ یہ بھی ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے۔ مگر وہ لوگ نہ مانتے تو آپ نے فرمایا اچھا آؤ قداح (قرعہ یا فال) سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ ان سب نے پوچھا وہ کس طرح؟ فرمایا دونوں ہرنیاں ایک جگہ۔ تلواریں ان سے الگ اور زرہیں علحدہ رکھی جائیں اور دو تیر خانہ کعبہ کے دو تمہارے اور دو ہمارے ان پر ڈالے جائیں۔ جس کا تیر جس پر پڑ جائے وہ چیز اوسی کی ہو جائے اور جس کے حصہ میں کوئی چیز نہ پڑے وہ کچھ نہ لے۔ سب راضی ہو گئے اور جناب عبد المطلب کے اس انصاف کی داد دی۔ پھر تیر ڈالے گئے تو خانہ کعبہ کے دونوں تیر دونوں ہرنیوں پر اور جناب عبد المطلب کے دونوں تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے مگر قریش کے تیر کسی چیز پر نہیں پڑے۔ اس طرح بھی فیصلہ جناب عبد المطلب ہی کے موافق ہوا۔ اب آپ نے دونوں تلواریں خانہ کعبہ کے دروازے میں لٹکا دیں اور دونوں ہرنیوں کو توڑ کر ان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے۔ اس طرح یہی وہ پہلا سونا تھا جس سے خانہ کعبہ کی زینت کی گئی اور ایک روایت ہے کہ وہ دونوں ہرنیاں اسی طرح خانہ کعبہ میں رکھ دی گئیں اور بعد میں کسی نے چرا لیں (تاریخ کامل جلد ۲ صلا) نہایت حیرت خیز امر یہ ہے کہ فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولخدا صلعم کی مفصل سوانح عمری کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ان کو چاہیئے تھا کہ حضرت کے جد معظم جناب عبد المطلب کے اس عظیم الشان اور قابل فخر واقعہ کو نہایت اہمیت

سے جلی حروف میں لکھتے اور دوسری قوموں کو دکھاتے کہ خدا نے آنحضرت صلعم کے اجداد تک کو کیسے
فضائل و کرامات مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن افسوس اونھوں نے اس واقعہ کو صرف ڈیڑھ سطر میں
اس طرح ختم کر دیا "عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر گم
ہو گیا تھا اونھوں نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا" (سیرۃ النبی صلعم
جلد ۱ ص ۱۲۱)۔ حضرت عبد المطلب صرف جناب امیر علیہ السلام کے دادا نہیں تھے اور نہ اس سے
حضرت کی کوئی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ اس موقع پر بھی
اختصار ہی کی ضرورت تھی۔ الغرض اس کے بعد سب لوگ اور خاص کر حاجی حضرات نے
دوسرے کنووں کو چھوڑ دیا اور چاہِ زمزم ہی سے پانی لیتے اسی کو وہ پسند کرتے اور اسی میں
برکت سمجھتے۔ گزشتہ واقعات سے جب جناب عبد المطلب نے دیکھا کہ بار بار قریش آپ کی مخالفت
کرتے اور آپ سے نزاع کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو اپنی تنہائی سے متردد ہوئے اور خدا سے
نذر کی کہ اگر آپ کو دس لڑکے مرحمت ہوں جو بالغ ہو کر لوگوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد اور حمایت کریں
تو آپ خدا کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک لڑکے کو بطور قربانی ذبح کریں گے۔ خدا کے ہاں
آپ کا درجہ اس درجہ بلند تھا کہ فوراً آپ کی دعا مقبول ہوئی اور خدا نے دس لڑکے آپ کو عنایت
فرما دیئے۔ مولوی شبلی صاحب اس کو اس طرح لکھتے ہیں "انھوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں
کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دینگے۔ خدا نے یہ آرزو پوری
کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو
کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے۔
عبد اللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے اور انکو
چھوڑ دیجئے۔ عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق
یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے
یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبد المطلب نے سو اونٹ
قربانی کئے اور عبد اللہ بچ گئے" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲۱)
شمس العلماء معاصر دہلوی لکھتے ہیں "جس سال عبد اللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں
طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے لشکرِ مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اگرچہ

سارا سال واقعات ہائلہ سے پُر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا۔ لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہل چل ڈال دی یعنی یمن کے حاکم کا خانۂ خدا پر خوں خوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

یمن کا حاکم اُبرہۃ الاشرم ایک نہایت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسم حج میں نہایت ذوق شوق سے دور دراز کا سفر حج کر کے جوق جوق خانہ کعبہ میں آتے اور طواف وزیارۃ سے آتش شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اوٹھی اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور انتہاء سے زیادہ جاہ و جلال دیکھکر آتش حسد پر لوٹنے لگا۔ شہر صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنا یا اور زوار کعبہ کو اس کی زیارت کی تکلیف دی۔ لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارت کو نہ آئے تو اُبرہہ غصے میں جلا اٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف بڑھا۔ مکہ کے لگ بھگ پہونچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوئے لیکن جب اونھوں نے اُبرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقۃ نہیں دیکھی تو اپنے اہل وعیال کو لے مکہ کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔ عرب بے شک بہادر تھے۔ جاں باز تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں بے خوف کود پڑتے تھے اور جان دے دینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن تو بھی اونھوں نے گوارا نہیں کیا کہ ایسے زبردست اور ڈراونی شکل کے جانوروں کے مقابلہ میں سینہ بہ سینہ اور کلہ بہ کلہ ہو کر لڑیں۔

اُبرہہ نے رستہ میں سے حمیر کو بطور سفارۃ سرداران قریش کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم لوگ میری مزاحمت کروگے اور جنگ کی طرف مائل ہوگے تو میرے پاس بہت سا سامانِ حرب موجود ہے۔ اس گفت وشنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائل قریش میں سے کسی کو اُبرہہ سے مقابلہ کرنے کی جرءت نہیں ہوئی۔ اُبرہہ نے رستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آدھمکا۔ قبائل قریش پہلے ہی سے مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ تاہم کعبۂ مقدس کی عمارت میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکر یمن کعبہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم ایک خوں ریز جنگ کر کے اپنی جانیں کعبہ پر قربان کر دینگے۔ اُبرہہ کو معلوم ہوا تو اوس نے اِس روز کعبہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور

آج کے حملہ کو کل کے لئے اٹھا رکھا۔ دوسرے دن کی صبح کو اپنی خونخوار فوج ساتھ لے کے آگے بڑھا لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اُسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبہ میں موجود ہیں اونھیں پیام تو پہونچا دیا جائے تاکہ غفلت میں مرکر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اوس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبہ کے مجاوروں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبدالمطلب۔ اُبرہہ نے عبدالمطلب کو بلایا اور تخلیہ میں گفتگو کی۔ عبدالمطلب یہ کہتے ہوئے اُبرہہ کی مجلس سے باہر نکل آئے کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہی اس کا محافظ بھی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد سے بچالے گا اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ الغرض اُبرہہ لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبہ کی دیواریں نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانۂ خدا کی جانب قدم اٹھائے مکہ کی غربی سمت سے لشکر الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لئے ہوئے فوج فوج آگئے اور لشکر یمن پر کنکریاں برسانے لگے جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی۔ تھوڑی دیر میں سارا لشکر خدا وندی غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہوگیا ظالم اور گستاخ اُبرہہ اگرچہ زخموں سے چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن اس کا مرغ روح عقاب موت سے بچ نہیں سکا اور رستے ہی میں مرکر رہ گیا" (امہات الامہ صفحہ ۲۴)

مسٹر امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ اُبرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا (جس کا نام محمود تھا) اور یہ جانور عربوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس سبب سے اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا وہ لکھتے ہیں کہ یہ حملہ آور فوج کچھ تو وبا کے نمودار ہو جانے سے اور کچھ مینہ اور اولوں کے خوفناک طوفان سے تباہ و برباد ہوگئی۔ جس جگہ اُن کے خیمے ڈیرے لگے تھے وہاں پانی نے اپنا قیام کرکے ان کے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے اور اسی واقعہ کی یادگار میں یہ سال عام الفیل کہلاتا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولخدا صلعم کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو خوب جلی حرفوں سے لکھکر اسکی اہمیت اور عظمت کو اچھی طرح دکھایا ہوگا۔ مگر کس قدر تعجب ہے کہ جناب عبدالمطلب کے حالات تو آپ نے لکھے لیکن اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ البتہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن انکی عبارت میں بھی بعض اہم چیزیں مجمل رہ گئیں اس وجہ سے انکی تفصیل کی ضرورت ہے۔ مورخ مشہور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے

اُبرہہ نے ایک دستہ سواروں کا بسرگردگی اسود بن مقصود حبشی مکہ کی طرف روانہ کیا اس غرض سے کہ اونٹ وغیرہ بار برداری کے لئے اور کچھ آدمی اسباب وغیرہ کے اٹھانے اور لادنے کی غرض سے گرفتار کرلادیں۔ چنانچہ اسود ابن مقصود اطراف مکہ میں گیا اور اہل مکہ کی کچھ مویشیاں اور اونٹ جس میں دوسو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے پکڑ لایا۔ عبدالمطلب اُن دنوں قریش کے سردار اور مکہ کے سربرآوردہ آدمیوں میں تھے۔ پہلے ان کا قصد لڑائی کا ہوا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو خاموش ہو رہے۔ اُبرہہ نے دوسرے دن حناط حمیری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ اہل مکہ کو اس کے ارادہ سے آگاہ کرے اور اگر اہل مکہ انہدام کعبہ سے کچھ چون وچرا کریں تو لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ عبدالمطلب نے یہ پیام سنکر جواب دیا واللہ ما نرید حربہ وھذا بیت اللہ فان یمنعہ فھو بیتہ وان تخلی عنہ فمالنا من دافع (خدا کی قسم ہم اوس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے پس اگر وہ (خدا) اوس کو روکے تو یہ اوس کا گھر ہے۔ اور اگر وہ اس سے کچھ تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے)۔ اور چند رؤسا قریش کو ہمراہ لے کر اُبرہہ کے پاس گئے۔ پہلے ذونفر حمیری سے ملاقات کی جس کو اُبرہہ نے قید کر رکھا تھا۔ ذونفر نے فیل بان کے ذریعہ سے اُبرہہ کو عبدالمطلب کے آنے کی اطلاع کرادی۔ اُبرہہ نے ان کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ تخت سے اُتر کر فرش پر ان کے ساتھ بیٹھا۔ اثناء کلام میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کی سفارش کی۔ اُبرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے کچھ التجا نہ کی۔ یہ تو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا مذہبی مکان ہے اور اونٹوں کا سوال کیا!! عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل وللبیت رب سیمنعہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اونٹوں کو مانگتا ہوں۔ اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ غالباً اس کو روکے گا۔ اُبرہہ نے سنکر تھوڑی دیر تک سکوت اختیار کیا۔ بعد اس کے بے تامل عبدالمطلب کو اُن کے اونٹ واپس کردیئے۔

علامہ طبری تحریر کرتا ہے کہ اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ عمرو بن لعابہ وغیرہ گئے تھے اور اُبرہہ سے یہ درخواست کی تھی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں دی جائیگی بشرطیکہ کعبہ منہدم نہ کیا جائے۔ لیکن جب اُبرہہ نے اس سے انکار کیا تو عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے واپس آئے اور قریش اور کل اہل مکہ کو ہدایت کی کہ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں اور خود وقت روانگی

خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ان کے پاس قریش کے چند منتخب آدمی موجود تھے اور سب گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے اور عبدالمطلب یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

لاھم ان العبد یمنع حلہ۔ فامنع حلالک۔ لا یغلبن صلیبھم۔ ومحالھم ابدا محالک

وانصر علی آل الصلیب۔ وعابدیہ الیوم آلک اے خدا بے شک بندہ روکتا ہے جو اوس کے محل میں آتا ہے پس تو بھی منع کر اس کو جو تیرے مکان پر آئے ہرگز اونکی صلیب اور اونکا غصہ کبھی تیرے غصہ پر غالب آئے گا اور مدد کر اہل صلیب اور اس کی پرستش کرنے والوں پر آج اپنے اہل کو۔

بعد اس کے عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور اُبرہہ کعبہ کے گرانے کی غرض سے مکہ کی طرف بڑھا۔ اللہ جل شانہ نے ان پر چڑیوں کا ایک جھنڈ دریا سے بھیجا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۴۸)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فیل بان نے اُبرہہ سے کہا اے بادشاہ یہ سردار قریش آپ کے ہاں آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش کرتے ہیں۔ یطعم الناس بالسھل والوحوش فی رؤس الجبال یہ زمین پر آدمیوں کو اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں (اور پرندوں) کو کھانا کھلایا کرتے ہیں۔ آپ اجازت دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں اُبرہہ نے اجازت دی وکان عبد المطلب رجلا عظیما وسیما جسیما جناب عبدالمطلب ایک عظیم الشان قد آور۔ وجیہ اور بارعب وجلال بزرگ تھے۔ جب اُبرہہ نے آپ کو دیکھا تو نہایت تعظیم وتکریم کی اور اپنے تخت سے اُتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور ان کو اپنی بغل میں بٹھالیا۔ پھر ترجمان سے کہا ان کے آنے کی غرض دریافت کرو۔ آپ نے فرمایا تمہارے لوگ میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں اونھیں واپس کردو۔ یہ سنکر اُبرہہ نے ترجمان سے کہا ان سے کہو کہ جب تم میرے پاس آئے تھے تو تمہاری جلالت قدر اور عظمت وشان سے میری نظر میں تمہاری بڑی وقعت ہوگئی تھی مگر اب تم میری نظروں سے گر گئے۔ تم دو سو اونٹ کے لئے سوال کرتے ہو اور اس گھر (خانہ کعبہ) کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ جس کے گرانے کو میں آیا ہوں۔ حالانکہ وہی تمہارا دین بھی ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا دین بھی۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس سے انھیں مانگتا ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اسکی حفاظت کرلے گا۔ غرض جناب عبدالمطلب کے اونٹ واپس مل گئے۔ اور آپ نے اپنی جگہ آکر قریش کو پہاڑیوں پر روانہ کردیا

اور خود خانہ کعبہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر خدا سے دعا کرنے لگے فرماتے تھے ؎

یا رب لا ارجوا لھم سواکا　　یا رب فامنع منھم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا　　امنعھم ان یخربوا فناکا

اے خدا میں ان لوگوں کے لئے سوائے تیرے کسی کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ اے خدا ان لوگوں سے تو اپنے گھر کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ ان لوگوں کو تو اس سے باز رکھ کہ تیری عبادت گاہ کو ویران و برباد کریں۔ اس کے بعد وہ اشعار کہے ہیں جو اوپر ترجمہ ابن خلدون سے نقل کئے گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صـ۱۱۲)۔ اس واقعہ سے جناب عبدالمطلب کے ایمان و معرفت و عظمت و جلالت کی متعدد باتیں روشن ہوئیں (۱) جناب عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کی اتنی فکر تھی کہ پہلے خود ارادہ کیا کہ ابرہہ سے لڑیں مگر اسکی بے پناہ طاقت دیکھکر خیال فرمایا کہ اس میں اہل مکہ ختم ہو جائیں گے اور اتنے لوگوں کا خون ضائع جائیگا۔ اس وجہ سے آپ اس ارادہ سے باز رہے (۲) جب ابرہہ مکہ میں آیا تو اوس نے ایک قاصد بھیجا کہ جا کر مکہ والوں سے پوچھو ان کا سردار کون ہے۔ اس نے دریافت کیا تو سب نے باتفاق جناب عبدالمطلب کو بتایا اور اس بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ جس سے آپ کا کمال اقتدار واضح ہے (۳) جناب عبدالمطلب کا خدا پر توکل اور یقین انتہا درجہ کا ثابت ہوتا ہے کہ بار بار کہتے رہے اس گھر کا مالک خدا ہے وہ اسکی ضرور حفاظت کریگا (۴) ابرہہ باوجودیکہ آپکا مخالف تھا مگر آپ کے دبدبہ و شوکت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کی تعظیم میں تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر آپ کی بغل میں بیٹھا (۵) جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ کی حفاظت کا ایسا تردد تھا کہ سب کو پہاڑوں پر روانہ کر دیا مگر اپنی پرواہیں کی اور خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر اوس وقت خدا سے الحاح و زاری کرنے لگے (۶) پورے واقعہ میں کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ جناب عبدالمطلب نے اللہ کے سوا کسی معبود کا نام لیا ہو یا کسی بت کا ذکر کیا ہو۔ یا کسی سے دعا کی ہو۔ حالانکہ اُس زمانہ میں لوگ اپنے بڑے بتوں لات و عزیٰ و ہبل وغیرہ سے کیسی کیسی دعائیں کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابتداء سے موحد اور صرف اللہ کے ماننے والے تھے اور کسی وقت بھی بت پرستی کا خیال تک آپ کو نہیں ہوا (۷) انسان کو مال و دولت بہت عزیز ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ اپنی اولاد بلکہ اپنے مذہب تک کو چھوڑ دیتا ہے مگر جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ اور خانہ کعبہ اتنے عزیز تھے کہ آپ نے انکی حفاظت کے لئے مال تک قربان کر دینے کا ارادہ کیا اور ابرہہ سے درخواست

کی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں لے لو مگر خانہ کعبہ کو منہدم نہ کرو۔

اسی طرح جناب عبدالمطلب کے دوسرے بڑے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ مہندی کا خضاب بھی آپ ہی نے ایجاد کیا کہ آپ سے پہلے کسی کو اس کا خیال تک نہیں ہوا تھا۔

جناب عبدالمطلب کی زندگی کا یہ بھی ایک بڑا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم یہودی کی حمایۃ نہایت شریفانہ عنوان سے کی اور اسکی وجہ سے اپنے دوست کی محبت کی ذرہ برابر پروا نہیں کی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:۔ حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذنیۃ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہوگئی تھی۔ یہ بات حرب بن امیہ کو (جو معویہ کا دادا تھا) بہت زیادہ ناگوار ہوتی۔ وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ یہ حرب حضرت عبدالمطلب کا مصاحب بھی تھا۔ غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن عبدمناف بن عبدالدار اور (۲) (حضرت ابوبکر کے دادا) صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبدالمطلب کو ہوئی تو آپ نے اسکی تحقیق شروع کی مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا کہ اس یہودی کا قاتل کون ہے۔ پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اسکی فکر اور جستجو میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ دونوں اصل بانی فساد حرب بن امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب حضرت عبدالمطلب اسی حرب کے پاس گئے اور اسکی ملامۃ کی کہ تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے انھیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے کیا انکار اور دونوں کو پوشیدہ کر دیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرۃ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جا کر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آؤ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اوس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا اور کون افضل ہے۔ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں نجاشی کے پاس پہونچے تو اوس نے ان کے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے

قطعی انکار کر دیا۔ تب ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دناءت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار و [illegible] شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیونکہ) تم غیظ و غضب سے دور۔ عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کے لئے مضبوط رسی ہو۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جس کے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو (اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا) یہ سن کر حرب ابن امیہ کو غیظ آگیا اور اس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔

اس کے بعد جناب عبد المطلب نے حرب بن امیہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبد اللہ بن جدعان تیمی کو اسکی جگہ مصاحب بنا لیا۔ نیز آپ نے حرب ابن امیہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اور ان سب کو اس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہو سکیں تو حضرت عبد المطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کر دیا جس سے اس کی کل کمی پوری ہو گئی (تاریخ کامل جلد ۲ ص ٦)

جناب عبد المطلب ہی وہ پہلے بزرگ بھی ہیں جو حرا پہاڑ پر عبادت کیا کرتے خصوصاً جب ماہ رمضان کا چاند دکھائی دیتا تو حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور مہینہ بھر مسکینوں کو کھانا تقسیم کرتے رہتے (تاریخ کامل جلد ۲ ص ٦)۔ باوجودے کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس شرف کا مالک ہوتا تھا مگر جناب عبد المطلب میں یہ صفت بھی تھی چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " مامون نے اپنے عظیم الشان کتب خانہ میں عرب جاہلیت کے زمانہ کا بھی بہت کچھ سرمایہ جمع کیا تھا۔ جاہلیوں کے قصائد اور اشعار کے علاوہ

اُس زمانہ کے خطوط ۔ دستاویزات ۔ معاہدے جہاں تک مل سکے نہایت کوشش سے فراہم کئے تھے ۔ اس کتب خانہ میں عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرضہ کا ایک رقعہ موجود تھا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا اور اوس کے یہ الفاظ تھے :۔ حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان بن فلان الحميرى من اهل وزل صنعا ۔ عليه الف درهم فضة كيلا بالحديد ومتى دعاه بها اجابه ۔ شهد الله والملكان (رسائل شبلی صفحہ ۲۱۲) یہ واقعہ کتاب الفہرست لابن الندیم صفحہ ۔ میں بھی موجود ہے ۔

جناب عبد المطلب کے فضائل و ماثر اس درجہ مشہور تھے کہ ان کے بعد ان کے خاندانی مخالفین کے سامنے بھی لوگ بے دھڑک بیان کر دیتے تھے ۔ چنانچہ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے بھی اس کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے ۔ لکھتے ہیں :۔ وذكروا ان دغفلا النسابه دخل على معوية ۔ فقال له من رأيت من علية قريش ۔ فقال رأيت عبد المطلب بن هاشم و امية بن عبد شمس ۔ فقال صفهما لى ۔ فقال كان عبد المطلب ابيض مديد القامة حسن الوجه ۔ فى جبينه نور النبوة وعز الملك ۔ يطيف به عشرة من بنيه كانهم اسد غاب ۔ قال فصف لى امية ۔ قال رأيته شيخا قصيرا نحيف الجسم ۔ ضريرا يقوده عبده ذكوان ۔ فقال مه ذاك ابنه ابو عمرو ۔ فقال هذا شيئ قلتموه بعد و احدثتموه ۔ واما الذى عرفت فهو الذى اخبرتك به

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ علم نسب کا بڑا واقف کار شخص دغفل معویہ کے دربار میں حاضر ہوا تو دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں ۔

معویہ ۔ اے دغفل بتاؤ تو تم نے بزرگان قریش سے کس کس کو دیکھا ہے ۔

دغفل ۔ عبدالمطلب بن ہاشم اور امیہ بن عبدشمس (جو امیہ کے بزرگ) کو دیکھا ہے ۔

معویہ ۔ ذرہ مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کرو ۔

دغفل ۔ جناب عبد المطلب گورے چکتے رنگ ۔ بلند قامت اور خوبصورت چہرے والے تھے ۔ ان کی پیشانی میں نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت چمکتی رہتی تھی ۔ ان کے دس جوان بیٹے ان کو اپنے حلقہ میں لئے رہتے اور وہ سب بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا سب شیر نیستان ہیں ۔

ع ۔ یہ عبدالمطلب بن ہاشم ساکن مکہ کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے ۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کیا جائیگا تو وہ ادا کریگا ۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں ۔

معویہ۔ اچھا اب امیہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل ۔ وہ ایک ناٹے (پست قامت) دُبلے۔ پتلے۔ اندھے بڈھے تھے جن کو ان کا غلام ذکوان تمام کھینچتا پھرتا تھا۔

معویہ۔ کیا بکتے ہو وہ ان کا بیٹا ابو عمر تھا۔

دغفل۔ یہ بات تو اب تم لوگ کہنے لگے ہو اور بعد کو اسکی ایجاد کی گئی ہے۔ میں جو کچھ اوکی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے (اغانی جلد اصفحہ)۔

علامہ حلبی نے لکھا ہے :- کان عبد المطلب یامر اولادہ تبرک الظلم والبغی ویحثہم علے مکارم الاخلاق وینہاہم عن دنئیات الامور وکان یقول لن یخرج من الدنیا ظلوم حتے ینتقم منہ وتصیبہ عقوبۃ الی ان ھلک رجل ظلوم من اھل الشام لم تصبہ عقوبۃ فقیل لعبد المطلب فی ذلک ففکر وقال واللہ ان وراء ھذہ الدار دارا یجزے فیھا المحسن باحسانہ ویعاقب المسئی باساءتہ اے فالظلوم شانہ فی الدنیا ذلک حتے اذا اخرج من الدنیا ولم تصبہ العقوبۃ فھی معدۃ لہ فی الاخرۃ ورفض فی آخر عمرہ عبادۃ الاصنام ووحد اللہ سبحانہ وتعالے وتؤثر عنہ سنن جاء القرآن باکثرھا وجاءت السنۃ بہا منہا الوفاء بالنذر والمنع من نکاح المحارم ۔ وقطع ید السارق والنہی عن قتل المؤدۃ وتحریم الخمر والزنا وان لایطوف بالبیت عریان ۔ جناب عبد المطلب اپنی اولاد کو حکم دیتے رہتے کہ خبردار کبھی ظلم۔ بغاوت یا کسی سا زیادتی نہ کرنا۔ اور مکارم اخلاق اختیار کرتے اور دنارت کی باتوں سے بچتے رہنا۔ اور کہتے تھے کہ جو شخص کسی پر ذرہ برابر ظلم کریگا وہ دنیا سے بغیر اسکی سزا پائے نہیں جاسکتا۔ اتفاق یہ کہ شام کا ایک ظالم شخص مرگیا مگر اس کو اسکے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملی تھی۔ لوگوں نے جناب عبد المطلب سے اس کا حال بیان کرکے پوچھا کہ اگر ظلم کا بدلہ دنیا میں ملنا ضروری ہے تو فلاں شخص کو کیوں نہیں ملا۔ آپ نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا اور کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک اور گھر (آخرت) بھی ہے جہاں اس دنیا کے اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور بُرا کام کرنے والوں کو بُرا بدلہ ملے گا۔ یعنی ظالم کی شان یہی ہے کہ دنیا میں اس کو بدلہ ملے اور اگر یہاں سے بچ کر چلا گیا اور اوسکو کوئی بدلہ نہیں ملا تو آخرت میں

اسکی سزا ضرور پائے گا۔ آپ نے آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کردی تھی اور صرف ایک اللہ سبحانہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ میں ایسی اچھی باتیں ایجاد کیں کہ جب آپ کے بعد اسلام آیا تو قرآن مجید نے بھی ان باتوں کو قائم رکھا اور احادیث رسول صلعم میں بھی ان کی تائید کی گئی۔ مثلاً نذر پوری کرنا۔ محارم (ماں۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ دادی نانی وغیرہ) سے نکاح کو حرام سمجھنا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا۔ دختر کشی سے باز رہنا۔ شراب پینے۔ زنا کرنے اور خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنے سے بچتے رہنا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صلا)

اُس زمانہ کے بادشاہوں اور ارباب حکومت سے بھی آپ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اور وہ لوگ آپ کی نہایت عزت کرتے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے "سیف بن ذی یزن اس خداداد کامیابی کے بعد یمن کی مستقل حکومت کرنے لگا اور مقررہ سالانہ خراج کسرے کو بھیجتا رہا۔ عرب کے نامی نامی شعراء نے تہنیت کے قصائد لکھے۔ امراء و عظماء قریش اس سے ملنے کو آئے اور اس غیبی امداد پر اس کو مبارکباد دی۔ منجملہ ان کے قریش کے نامی سردار عبدالمطلب (جد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) بھی تھے۔ سیف بن ذی یزن نے ان کی سب سے زیادہ تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھلایا اور کمال عزت سے ان کو رخصت کیا" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ ص۱۵۸)۔ جناب عبدالمطلب ہر کمال میں اعلےٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ کے اشعار بھی کثرت سے اور بہت ہی فصیح و بلیغ ہیں۔ مترجم تاریخ ابن خلدون نے لکھا ہے:۔

"علماء تفسیر و تواریخ نے واقعہ فیل میں اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ اصحاب فیل پر چڑیوں کے ذریعہ سے سنگ باری کی گئی تھی۔ شعراء جاہلیت بھی اپنے اپنے قصائد میں اس کا ذکر کر رہے ہیں ... بغرض اثبات مدعا صرف عبدالمطلب کے چند اشعار ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو اس واقعہ میں موجود تھے ؎

صرمت ومالک لا تصرم ✻ ورأسک من کبراشیم
وبیل ولک الشیب بعد الشباب ✻ فمالک من خلۃ مزعم
فدع عنک ذکر لیالی الوصال ✻ فانک من ذکرہ احلم
وعد القوافی ذات الصواب ✻ بجیش اتاک بہ الاشرم
اسل دوابہ دحص بیت الالہ ✻ لیترک بنیانہ یھدم

فردھم اللہ عن ھدمہ ※ داعیاھم الفیل لا یقدم
بطیر ابابیل ترمیہم ※ کان مناقیرھا العندم

یں منقطع تعلق ہوگیا اور تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تو منقطع نہیں ہوا اور سر تیرا پیری سے
ابلق ہوگیا ہے۔ اور ظاہر ہوگا تجھ پر بوڑھاپا جوانی کے بعد پس تو عشق و دوستی سے
کیا گمان رکھتا ہے۔ وصل کی راتوں کا ذکر ترک کردے۔ کیونکہ تو اوس کے ذکر سے زیادہ
دانا ہے۔ اور اُن اشعار کو پڑھ جو کہ سچے ہوں اور جن میں اوس لشکر کا ذکر ہو جس کو اشرم
(اُبرہہ) لے کر آیا تھا۔ اوس کے ذریعہ سے خانۂ خدا کو گرانا چاہا تھا کہ ویران وخراب پڑا رہ جائے
پس اللہ نے اونکو گرانے سے روک دیا اور اون کے ہاتھیوں کو ایسا تھکا دیا کہ آگے نہ بڑھ سکے
چڑیوں کی ایک جماعت سے جو اُن کو مار رہی تھیں گویا کہ ان کی چونچ دم الاخوین ہے (ترجمہ ابن خلدون
جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)۔ اوپر بیان کیا گیا کہ آپ جب یتیم ہوگئے تو آپ کے چچا مطلب آپ کو مدینے
مکہ معظمہ لائے۔ جناب ہاشم کی کل جائداد یں اور خدمات مکہ سے سقایہ و رفادہ آپ کے حوالہ کردیں
اور پھر کچھ دنوں بعد قضا کر گئے۔ جناب عبدالمطلب اپنی کم سنی میں پدری جائداد وحقوق پر
قابض ہوئے۔ لیکن چونکہ ہر طرح کمزور تھے آپ کے دوسرے چچا نوفل نے آپ کے انتظام کو
درہم و برہم کردیا کہ آپ کو جو جائداد بطور میراث جناب ہاشم سے ملی تھی اُس میں سے بہت کچھ دبالیا۔
جس پر حضرت عبدالمطلب نے بزرگان قریش سے استغاثہ کیا کہ چچا ہماری حق تلفی کرتے ہیں۔ تم
لوگ انصاف کردو۔ مگر بزرگان قریش نے اس کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہم لوگ تم چچا بھتیجے
کے درمیان نہیں پڑینگے۔ اب تو جناب عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے کہ نہ سر پر باپ رکھتے
ہیں۔ نہ وہ شفیق چچا زندہ ہے جو ان کو مدینہ سے یہاں لایا۔ نہ انکی ماں قریشی ہیں جس سے انھیں
ننہالی قرابت کا کچھ زور حاصل ہو۔ نہ بچپن سے یہاں قیام رہا کہ ہر شخص سے رسم اتحاد و محبت
پیدا ہوگئے ہوں۔ بلکہ ابھی ابھی چند سال ہوئے کہ اپنے ننہال مدینہ سے یہاں آئے
ہیں۔ جس سے آپ کا قیام گو اپنے خاندان ہی میں ہے مگر بالکل اجنبی شان اور مسافرانہ
عنوان سے۔ اور گو خوشحال بلکہ گویا شہزادے ہیں کہ تفویض ریاست کے بعد رئیس مکہ ہوگئے
لیکن بے کس و بے بس۔ بخلاف اس کے ان کا حریف نوفل جو چچا بھی ہے اور بزرگ خاندان بھی
جس کے اختیارات بحیثیت شاہزادے بلکہ بطور ولیعہدی (کیونکہ جناب ہاشم کے بعد مطلب و

نوفل ہی رئیس مکہ تسلیم کئے جاتے تھے اور جناب عبدالمطلب کی طرف سے تو سب کو بے خبری بلکہ مایوسی تھی) بہت بڑھے ہوئے ۔ اور قومی تعلقات دوستانہ مراسم کل قبیلوں سے تیس چالیس سال سے مستحکم تھے لہذا سب نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی اور کسی نے اس تصفیہ یا خود میں دست اندازی مناسب نہ سمجھی ۔ تب جناب عبدالمطلب نے بمجبوری اپنے ماموں کو جو مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو النجار کے سردار تھے ان کل واقعات کی خبر کر کے ان سے مدد چاہی ۔ اور انکو حسب ذیل اشعار بھی لکھ بھیجے جن میں اپنے ظالم چچا نوفل کی تعدی اور سرداران قریش کی بے توجہی کی شکایت درج تھی :۔

یا طول لیلی لاحزانی و اشغالی ⁂ هل من رسول الی النجار اخوالی

ینبی عدیا و دینارا و مازنها ⁂ و مالکا عصمة الجیران عن حالی

قد کنت فیکم ولا اخشی ظلامة ذی ⁂ ظلم عزیزا منیعا ناعم البالی

حتی ارتحلت الی قومی و ازعجنی ⁂ عن ذاك مطلب عمی بتر حالی

و کنت ما کان حیا ناعما جذلا ⁂ امشی العرضنة سحابا لاذیالی

فغاب مطلب فی قعر مظلمة ⁂ و قام نوفل کی یعدو علی مالی

ان رای رجلا غابت عمومته ⁂ و غاب اخواله عنه بلا والی

انحی علیه و لم یحفظ له رحما ⁂ ما امنع المرء بین العم و الخال

فاستنفروا و امنعوا ضیم ابن اختکم ⁂ لا تخذلوه و ما انتم بخذالی

ما مثلکم فی بنی قحطان قاطبة ⁂ حی لجار و انعام و افضال

انتم لیان لمن لانت عریکته ⁂ سلم لکم و سمام الابلخ الغالی

میرے حزن و اندوہ اور تردد و پریشانی سے میری رات کتنی لمبی ہو گئی (کیونکہ رات بھر اسی غور و فکر میں جگتا رہتا ہوں اور بے اطمینانی کی وجہ سے نیند آتی ہی نہیں) کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ جا کر قبیلہ بنو النجار میں میرے ماموؤں کو میرے مصائب کی خبر دیدے ۔ یعنی عدی و دینار و مازن و مالک کو جو پڑوسیوں کی بڑی حمایت کرتے ہیں میرے حالات سے مطلع کرے (میرے ننہالی رشتہ دار وہ) ہیں آپ لوگوں میں اطمینان آرام اور بے فکری سے تھا جہاں کسی ظالم کے ظلم کا وہم و گمان بھی نہ ہوتا یہاں تک کہ میں اپنی قوم میں چلا آیا

جس کے لئے میرے چچا مطلب نے مجھے اُبھارا اور سفر پر آمادہ کیا۔ جب تک وہ مرحوم زندہ تھے میں بے فکر اور خوش حال تھا۔ ہر طرف دامن پھیلائے ہوئے چہکتا پھرتا تھا۔ مگر افسوس مرحوم چچا مطلب قبر کی تاریکی میں پہونچ گئے اور ان کے بعد نوفل میرا مال لوٹنے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا اس کو یہ جرأت اس سبب سے ہوئی کہ اس نے اپنے مقابلہ پر اس شخص کو دیکھا جس کے چچا تو ختم ہی ہو گئے اور اوس کے ماموں بھی اس سے دور ہیں اور وہ بغیر والی کے ہے۔ وہ چچا اوس شخص (اپنے بھتیجے) پر لوٹ پڑا اور خون کی ذرہ برابر رعایت نہیں کی۔ جس شخص کے چچا اور ماموں سب موجود ہوں وہ کس درجہ محفوظ اور مطمئن ہوتا ہے۔

اب اے میرے ماموں حضرات! آپ لوگ جلد اوٹھئے اپنے بھانجے کو ظلم و ستم سے بچائیے اور اسکی طرف سے غفلت نہ کیجئے کیونکہ آپ لوگ کبھی میری حمایت سے ہاتھ نہیں اوٹھائیں گے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ بنو قحطان میں کسی ہمسایہ کے لئے اکرام و احسان کے اعتبار سے کوئی قبیلہ آپ لوگوں ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ نرمی سے پیش آتے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں اون کے لئے آپ لوگ بھی خوب نرم رہتے ہیں۔ اور جو لوگ متکبر ہوتے گھمنڈ کرتے ہیں ان سب کے لئے آپ حضرات بھی خوب تیز رہتے ہیں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۴۹)

جس وقت یہ خبر ان کے ماموں ابو سعید کو ملی وہ اسّی آدمیوں کے ساتھ چلے اور خانہ کعبہ کے سامنے آ کر اپنی اونٹنیوں سے اُتر پڑے۔ ان کو دیکھکر حضرت عبد المطلب کی باچھیں کھل گئیں۔ لپک کر دونوں ماموں بھانجے بغل گیر ہوئے۔ پھر جناب عبد المطلب نے کہا ماموں جان مکان پر تشریف لے چلیں اور آرام فرمائیں۔ مگر اونھوں نے کہا نہیں جب تک نوفل سے نہیں مل لونگا کوئی کام نہیں کروں گا۔ نوفل خانہ کعبہ کے پاس بزرگان قریش کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ابو سعید اس کے سر پر پہونچ گئے۔ اور تلوار کھینچ کر کہا اے نوفل میں اس گھر کے مالک (خدا) کی قسم کھا کر کہتا ہوں میرے بھانجے کی جائداد انکو واپس کردے ورنہ میں اپنی تلوار کو تیرے خون سے سرخ کردوں گا۔ نوفل نے کہا میں طیار ہوں کوئی عذر نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے کل حقوق واپس کر دیئے۔ اور جو لوگ اس جگہ موجود تھے ان سب کو اس پر گواہ کر کے ابو سعید نے جناب عبد المطلب سے کہا اے میری بہن کے لال چلو اب میں تمہارے ہاں ٹھہروں۔ چنانچہ تین روز تک وہ رہے پھر سب لوگ عمرہ بجا لا کر اپنے گھر واپس گئے۔ اس واقعہ نے جناب عبد المطلب کو مجبور کیا کہ کچھ لوگوں سے ہم عہدی کریں (تاکہ وہ لوگ ایسے وقتوں میں کام آیا کریں)۔ چنانچہ بشر بن عمرو ورقاء بن فلاں اور بنی

خزاعہ کے بہت لوگوں کو بلایا اور خانہ کعبہ میں ان لوگوں سے عہد و پیمان کئے گئے اور اس کے متعلق ایک عہد نامہ بھی لکھ لیا گیا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۷۱ و کامل جلد ۲ ص ۵ وغیرہ)

جناب عبدالمطلب کے کئی بھائی بہن تھیں ۔ علامہ دیار بکری نے لکھا ہے :۔ جناب ہاشم کے چار بیٹے ہوئے (۱) عبدالمطلب (۲) اسد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نانا تھے (۳) ابو صیفی (۴) نضلہ اور پانچ بیٹیاں ہوئیں (۱) شفاء (۲) خالدہ (۳) صفیہ (۴) رقیہ (۵) حمنہ۔

جناب عبدالمطلب کی ماں مدینہ کے قبیلہ نجار کی معزز بیوی سلمےٰ تھیں اور جناب اسد کی ماں قبیلہ (مکہ کی رہنے والی) تھیں جو بیٹی تھیں عامر بن مالک خزاعی کی اور ابو صیفی و حمنہ کی ماں ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھیں اور نضلہ اور شفاء کی ماں قضاعہ کی ایک عورت تھیں ۔ اور خالدہ و صفیہ کی ماں واقدہ بنت ابو عدی مازنیہ تھیں (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۹) یہ بھی خدا کا فضل تھا کہ جناب ہاشم کی عمر صرف بیس یا پچیس سال کی تھی (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۷) مگر اس قلیل عمر میں آپ کو خدا نے اتنی اولاد بھی دی اور آپ کے کارنامے بھی اس قدر حیرت خیز ہوئے جو بڑے معمر لوگوں کے بھی سننے میں نہیں آتے ۔ اور جناب عبدالمطلب نے پانچ عورتوں سے شادی کی جن سے بارہ یا تیرہ یا دس بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں ۔ بیٹے تو یہ ہوئے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) ابو طالب (۴) حمزہ (۵) ابولہب (۶) غیداق (۷) مقوم (۸) ضرار (۹) عباس (۱۰) قثم (۱۱) حجل یا مغیرہ (۱۲) عبداللہ اور بیٹیاں یہ تھیں (۱) عاتکہ (۲) امیمہ (۳) بیضاء (۴) برہ (۵) صفیہ (۶) اروے ۔ اوپر مذکور ہو چکا کہ جناب عبدالمطلب نے اپنی نذر کے مطابق اپنے پیارے فرزند جناب عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا مگر بھائی بہنوں نے روکا اور ان کے عوض اونٹ ذبح کرنے کی رائے دی ۔ چنانچہ سو اونٹ پر قرعہ نکلا اور جناب عبداللہ بچ گئے مگر جن کے رتبے خدا کے ہاں بڑے ہوتے ہیں۔ ان کا امتحان بھی سخت ہوتا ہے ۔ جناب عبداللہ شادی ہونے کے بعد جناب عبدالمطلب کے سامنے ہی دنیا سے انتقال کر گئے اور جناب عبدالمطلب کو بہر طور آپ کا صدمہ اٹھانا پڑا مگر خدا نے ان کے صلب سے آپ کو بہترین فرزند بھی مرحمت فرما دیا تھا جن کا نام محمد مصطفےٰ تھا اور جو آگے چل کر تمام عالم کے سید و سردار ہوئے ۔ جناب عبدالمطلب کی عمر کس قدر ہوئی ۔ اس کی تحقیق بہت دشوار ہے ۔ بعض روایتوں میں ۱۱۰ ۔ بعض میں ۱۲۰ ۔ کسی میں ۸۲ اور کسی میں ۱۴۰ سال لکھا ہے ۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ۱۴۰ سال والی روایت کو اختیار کیا ہے ۔ اور شمس العلماء

مولوی شبلی صاحب نیز ہمارے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ۸۲ سال کے قول کو ترجیح دی ہے مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۱۲۷) اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "و عمر شریفش ہشتاد و دو سال بود" (حیوۃ القلوب جلد ۲) اور یہی تحقیق مورخین یورپ کی بھی ہے۔ چنانچہ پروفیسر سیڈیو نے خلاصۂ تاریخ العرب میں جناب عبدالمطلب کا سنہ ولادت ۴۹۷ء لکھا ہے اور حضرت رسولخدا صلعم کا سال ولادت ۵۷۰ء مانا گیا ہے۔ اس طرح آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت آپ کی عمر ۷۴ سال کی ہوتی ہے اور جب آنحضرت صلعم آٹھ سال کے ہوئے تو گویا ۵۷۸ء میں) آپ نے انتقال کیا۔ اگر یہ حساب درست ہو تو ۸۲ سال عمر کی روایت یقینی صحیح قرار پاتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جناب ہاشم کی ولادت کا سال اس زمانہ میں لوگوں نے ۵۰۸ء مانا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اسی وقت جناب عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے۔ اس حساب سے آپکی عمر صرف ۷۰ سال کی قرار پاتی ہے۔ ممکن ہے جن لوگوں نے اس زمانہ میں جناب ہاشم کی وفاۃ کا عیسوی سال ۵۱۰ء لکھا ہے اپنی تحقیق میں غلطی کی ہو اس لئے کہ جناب عبدالمطلب کی عمر کا قول کم از کم ۸۲ سال ہے۔ اس حساب سے آپ کی ولادت ۴۹۷ء میں ثابت ہوتی ہے (اور وہی جناب ہاشم کے انتقال کا سال بھی ہونا چاہئے) اور آپکی وفات تو بہرطور ۵۷۸ء میں ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

جناب عبداللہ حضرت ہاشم کے پوتے۔ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور حضرت رسولخدا صلعم کے پدر بزرگوار۔ بعض اقوال کے مطابق آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ جناب عبدالمطلب کی ایک بیوی کا نام فاطمہ تھا جو عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم کی صاحب زادی تھیں۔ ان کے بطن سے جناب عبداللہ۔ جناب ابوطالب۔ زبیر۔ عبدالکعبہ۔ بیضاء۔ امیمہ۔ برہ اور عاتکہ پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۱۸۰) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی۔ یعنی ابولہب۔ ابوطالب۔ عبداللہ۔ حضرت حمزہ۔ اور حضرت عباس۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے یہ خطاب آنحضرتؐ یا اصحابہ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود

عبدالمطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین وجمیل تھا۔ اور عرب میں گورے چہرہ کو شعلۂ آتش کہتے ہیں۔ فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صـ۱۲۲) اور فاضل دہلوی لکھتے ہیں "عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ پیغمبر صاحب کے والد نہایت متین اور سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالت نسب بلکہ مکارم اخلاق کی وجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل مطبوع میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے (امہات الامۃ)
جناب عبداللہ کی کنیت ابوقثم یا ابومحمد یا ابواحمد تھی۔ کان عبد اللہ اصغر بنی ابیہ واحبہم الیہ۔ جناب عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے مگر اپنے والد کو سب سے زیادہ پیارے تھے (کامل جلد ۲ صـ ا) باوجود اس کے جناب عبدالمطلب کی اطاعۃ خدا کی یہ حالت تھی کہ آپکی نذر کے مطابق جب ذبح کا قرعہ جناب عبداللہ پر پڑا تو فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے لے چلے پھر لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے کہ آپ میں اور اونٹوں میں قرعہ ڈالا جائے مگر قرعہ عبداللہ ہی پر پڑتا رہا جب سّو اونٹ رکھے گئے تو اب قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ اس پر فوراً لوگ بول اٹھے اے عبدالمطلب خدا تم سے راضی ہو گیا اور بجائے عبداللہ کے اس نے سّو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی۔ مگر جناب عبدالمطلب کی تشفی نہیں ہوئی۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا جب تک سّو اونٹ اور عبداللہ میں تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا۔
جناب عبداللہ کے حسن وجمال کی یہ حالت تھی کہ عورتیں خود آپ کو پیغام دیتیں اور آپ کی عفت کی یہ حالت تھی کہ سب سے انکار کرتے تھے۔ بعض عورتوں کی حالت لکھی ہے کہ آپ سے کہا یا فتے ھل لک ان تقع علیّ الان واعطیک مأتہ من الابل فقال لھا ؎

اما الحرام فالممات دونہ ❊ والحل لاحل فاستبینہ

فکیف بالامر الذی تبغینہ ❊ یحمی الکریم عرضہ ودینہ

اے جوان کیا تم اس وقت میرے ساتھ ... اس کے عوض میں تم کو سو اونٹ دونگی۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ نے دو شعر پڑھے کہ حرام کاری تو میں مرتے وقت تک نہ کروں گا رہا حلال تو حلال صورت کا ذکر ہی نہیں ہے تاکہ میں اس کو دریافت کروں پھر جو تو کہتی ہے

وہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ شریف اور معزز شخص اپنی آبرو اور مذہب دونوں کی حفاظت کرتا ہے
(تاریخ کامل جلد ۲ ص۳) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبد اللہ قربانی سے بچ گئے تو عبد المطلب
کو ان کی شادی کی فکر ہوئی ۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحب زادی جن کا نام
آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں وہ اوس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی
تھیں۔ عبد المطلب وہیب کے پاس گئے اور عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا ۔ اونھوں نے منظور کیا
اور عقد ہو گیا۔ اسی موقع پر خود عبد المطلب نے بھی وہیب کی صاحب زادی سے جن کا نام
ہالہ تھا شادی کی ۔ حضرت حمزہ ان ہی ہالہ کے بطن سے ہیں ۔ ہالہ نے آنحضرت صلعم کو دودھ پلایا
تھا ۔ اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بھی ہیں ۔ دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے
بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبد اللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے
اس وقت اونکی عمر سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی (زرقانی جلد ا ص۱۴۲ سطر ۷) ۔ عبد اللہ تجارت کے لئے
شام کو گئے ۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے ۔ عبد المطلب کو
یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا ۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبد اللہ
کا انتقال ہو چکا تھا ۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے ۔ تمام خاندان کو سخت
صدمہ ہوا ۔ عبد اللہ نے ترکہ میں اونٹ ۔ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن
تھا ۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ میں ملیں ۔ ام ایمن کا اصلی نام برکۃ تھا" (سیرۃ النبی جلد ا
ص۱۲۲) معاصر موصوف نے اسکی تصریح نہیں کی کہ جناب عبد اللہ کی عمر وفات کے وقت کیا تھی
علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۵ یا ۲۸ سال کے تھے اور حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت سے
پہلے انتقال کیا (کامل جلد ۲ ص۴) جناب عبد اللہ مقام ابوا میں دفن کئے گئے (خمیس جلد ا ص۲۱۱)
افسوس جناب عبد اللہ کی زندگی بہت مختصر ہوئی اور جتنے دنوں رہے بھی اپنے والد کے ساتھ اس
وجہ سے آپ کے حالات میں ویسے جلیل القدر کارنامے نہیں ملتے جیسے جناب ہاشم وغیرہ کے۔
ظاہر ہے کہ یہ زمانہ آپ کی سرداری کا تھا ہی نہیں جس میں آپ کوئی خاص اور غیر معمولی کام کر سکتے
البتہ جوانی خصوصاً اس زمانہ جاہلیت کے عہد شباب میں کسی شخص کا اپنے کو باعفت ثابت کرنا
محیر العقول وصف تھا اور تعجب بالائے تعجب یہ تھا کہ جناب عبد اللہ پر عورتیں اس طرح فریفتہ ہوئیں
جس طرح جناب یوسف پر ہوتی تھیں اور آپ نے ہر موقع سے انکار کر کے اپنے کو صرف اعلے درجہ کا

مستقی ہی نہیں ثابت کیا بلکہ اپنے والد کا مطیع بھی اس حد تک دکھایا جسکی مثال بمشکل مل سکتی ہے۔

حضرت ابوطالب جناب عبدالمطلب کے صاحب زادے اور جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے کہ دونوں بزرگوں کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں جناب عبداللہ سے آپ بڑے تھے۔ بلکہ جناب عبداللہ جناب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ فاضل معاصر دہلوی نے لکھا ہے "یوں تو عبدالمطلب کی اولاد کو بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں زیادہ باوقار اور عقلمند ابوطالب تھے یہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالۃ و تربیت ان ہی سے متعلق تھی۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنار عاطفت میں نشوو نما پایا اور جب تک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے" (امہات الامہ صفحہ ۱۴) اور جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔ اوس وقت آنحضرتؐ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اوٹھا تو آنحضرتؐ بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرتؐ کی تربیت سپرد کی۔ ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اوسکی تفصیل آگے آتی ہے... عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرتؐ کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لئے عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو ابوطالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرت صلعم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لیکر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لیکر جاتے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)۔ حضرت رسولخدا صلعم پر بھی آپ کی شفقت کا خاص اثر تھا چنانچہ جناب امیرؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی تھیں کہ جب جناب عبدالمطلب پر آثار موت ظاہر ہوئے تو آپ نے اپنے لڑکوں سے دریافت کیا کہ میرے فرزند محمدؐ کی کفالت کون کریگا [1]

[1] جناب عبدالمطلب آنحضرت صلعم کو نہایت عزیز رکھتے اور برابر اپنے ساتھ بٹھاتے اٹھاتے کھلاتے پلاتے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے "عبدالمطلب کے لئے کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور اوس پر اون کے بیٹوں میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا محض اونکی تعظیم کی غرض سے

سب نے کہا وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ سمجھدار ہیں آپ انھیں سے کہئے کہ کسی کو تجویز کرلیں۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا محمدؐ! تمہارا دادا تو قیامت تک کے لئے تم سے رخصت ہوتا ہے۔ اب تم اپنے چچا اور پھوپھی سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہو؟ محمدؐ نے سب کی طرف نظر کی۔ پھر دوڑ کر ابوطالب کے پاس آگئے۔ یہ دیکھکر جناب عبدالمطلب نے ابوطالب سے کہا ابوطالب! میں تمہاری دیانت اور امانت سے اچھی طرح واقف ہوں دیکھو تم بھی محمد کے لئے ویسے ہی مہربان اور سینہ سپر ثابت ہونا جیسا میں رہا ہوں۔ پھر جب جناب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تو ابوطالب نے محمدؐ کو اپنے متعلق لے لیا"۔

جناب ابوطالب بھی مکارم اخلاق اور انسانی خدمات جلیلہ کے اعتبار سے اپنے بزرگوں ہی کے مثل ثابت ہوئے اور خصوصاً حضرت رسولخدا صلعم کی حفاظت وحمایت و تربیت تو آپ نے اس طرح کی کہ حقیقی باپ بھی عموماً نہیں کرتے۔ آپ کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ یتیم ہو گئے ہیں۔ یا آپ کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے یا شفیق دادا کا سایہ سر سے اوٹھ گیا ہے۔ ایک دُرِ یگانہ کی طرح آپ کو اپنے سے لپٹائے اور اپنی جان خطرے میں ڈال آنحضرتؐ کی کفالت کرتے رہے۔ کسی وقت اپنے سے الگ نہ ہونے دیتے۔ اپنے پہلو میں لٹاتے بہ نفس نفیس آپکی خدمات انجام دیتے۔ کھانے پینے پہننے اور جملہ اسباب راحت میں اپنے اور اپنے اہل وعیال پر آپ کو مقدم رکھتے۔ اور خاص کر کفار قریش اور اشرار یہود سے آپکی حراست و نگہبانی فرماتے (روضتہ الاحباب جلد ا صـ۹۷) حضرت ابوطالب جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے (ایرونگ صـ۱۶) ان کو علاوہ اوس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی حفاظت کے سبب حاصل تھی یہ وجاہت بھی تھی کہ قوم قریش کے تاجروں میں سے تھے اور اوس قافلہ کے ساتھ جو آپ کے جد امجد ہاشم نے جاری کیا تھا اور جو ملک شام اور یمن میں تجارت کرتا تھا بڑے کوشاں رہے (ایرونگ صـ۱۲)

مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " شام کا سفر۔ ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب

(بقیہ حاشیہ صـ۹۷) اور رسولخداؐ جب تشریف لاتے تو اوسی پر بیٹھتے پس آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ میرے بیٹے کو یہیں بیٹھا رہنے دو کہ میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ا صـ۱۷)

نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپکی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصرے میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت کو دیکھکر کہا کہ یہ سیدالمرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا۔ اوس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۲۹) اس کے بعد اس راہب نے جناب ابوطالب سے کہا کہ جلد اس لڑکے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ اور اسے یہودیوں سے بچاؤ کیونکہ اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیں اور جو نشان آنکھ میں جانتا ہوں وہ بھی پہچان لیں گے تو مجھے خوف ہے کہ وہ ان سے شرارت کریں گے فانہ کائن لہ شان عظیم اس لئے کہ اس لڑکے کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ غرض جناب ابوطالب اپنے اسباب تجارت وہیں فروخت کرکے واپس آئے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳ وغیرہ)

جناب ابوطالب برابر حضرت رسولخدا صلعم کی بھلائی اور ترقی کی فکر میں رہتے مگر خاندان بنی ہاشم کی سخاوت اور کثرت اولاد کی وجہ سے اب آپکی مالی حالت ویسی نہیں رہی تھی اور ہوتی بھی کیونکر جو لوگ اپنی دولت دن رات دوسروں کی ذات میں صرف کرتے رہتے ان کے اپنے لئے کہاں بچتی۔ مگر جناب ابوطالب کے دماغ نے اس ناداری میں بھی آپ کو بیکار نہیں رہنے دیا آپ نے یہ تدبیر نکالی کہ لوگوں کا مال تجارت اُجرت پر باہر بھیجنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس زمانہ میں شہر مکہ میں ایک شریف مالدار اور نہایت معزز بی بی جناب خدیجہ تھیں۔ وہ بھی قبیلہ قریش ہی سے تھیں۔ انکی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر جاری تھا اور دولت بھری ہوئی تھی اس سبب سے بھی خاص عظمت کی نظر سے دیکھی جاتیں۔ انھیں بی بی خدیجہ کے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم کی سفارش سے جو آنحضرت صلعم کے بڑے دوست تھے۔ جناب خدیجہ نے حضرت سے فرمائش کی کہ آپ میرا مال باہر لے جاکر بیچا کریں اور اس کا معاوضہ بھی حضرتؐ کو اوروں سے دوگنا منظور کیا جناب ابوطالب نے حضرتؐ کو صلاح دی کہ اسکو منظور کر لیں اور خدیجہ کا مال لے جاکر فروخت کیا کریں۔ آنحضرتؐ نے اس حکم کی تکمیل اور جناب خدیجہ کی درخواست منظور کی اور ان کے اسباب تجارت کے نگراں ہوکر شام کی طرف تشریف لے گئے۔

اس سفر کے حالات سنکر قافلہ تجارت واپس آنے کے ۲۵ ہی دنوں کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرت صلعم سے نکاح کی خواہش کی جسے جناب ابوطالب نے منظور کر لیا تو آنحضرت کی طرف سے خود جناب ابوطالب اور جناب خدیجہ کی طرف سے ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہوگیا۔ جناب ابوطالب کا خطبہ یہ تھا الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمعیل وضئضئ معد وعنصر مضر۔ وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علی الناس۔ ثم ان ابن اخی ھذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن بہ رجل من قریش الا رجح وان کان فی المال قل فان المال ظل زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابتہ وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد و بذل لھا ما آجلہ وعاجلہ من مالی کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نبأ عظیم وخطر جلیل جسیم۔ ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیم کی ذریت جناب اسمعیل کی اصل معد کی نسل اور مضر کی شاخ میں قرار دیا اور اس نے ہم لوگوں کو خانہ کعبہ کا محافظ اور اس کے حرم کا نگراں مقرر کیا۔ اور ہمارے لئے اپنا وہ گھر بنایا جس کا لوگ حج کرتے ہیں اور ہمیں اپنا وہ حرم عنایت کیا جو جائے امن ہے اور اس نے ہم کو لوگوں کا حاکم بنایا (یہ تو ہمارے پورے خاندان کی حالت ہے) خاصکر میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ کی تو یہ شان ہے کہ قریش کا کوئی شخص بھی ان کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ جو بھی آپ کے مقابلہ میں لایا جائیگا یہ اوس سے ضرور ہی بڑھ جائیں گے۔ یہ درست ہے کہ ان کے پاس مال کم ہے مگر سب جانتے ہیں کہ مال تو چلتی ہوئی چھاؤں اور بدل جانے والا حال ہے۔ برخلاف اس کے محمد کے جو ذاتی مفاخر قرابت اور تعلقات ہیں ان سب کو تم لوگ خوب پہچانتے ہو۔ یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنی چاہتے ہیں اور اس کے لئے میرے موجودہ مال اور آئندہ مال سے اس قدر مہر عطا کرینگے اور خدا کی قسم اس کے بعد ان کی شان نہایت عظیم القدر اور انکی عزت بہت بڑی اور ان کا دبدبہ واقتدار بہت بلند ہونے والا ہے۔ جب حضرت ابوطالب اپنا خطبہ تمام کر چکے تو جناب خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے حسب ذیل خطبہ پڑھا۔ الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا علی ما عددت۔ فنحن سادۃ العرب وقادتھا وانتم اھل ذلک کلہ لا تنکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا

فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشهدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ
بنت خویلد من محمد بن عبد اللہ علی اربع مائۃ دینار ۔ ثم سکت ۔ ہر طرح کی
حمد وثنا اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو وہی عزت دی ہے جس کا (ابو طالب) تم نے ذکر
کیا اور ہم لوگوں کو اسی طرح شرف وفضل عطا کیا جس طرح تم نے شمار کیا۔ بے شک ہم
لوگ عرب کے سردار اور اس کے مقتدا ہیں اور تم لوگوں کو یقیناً وہ سب فضائل وامتیازات حاصل
ہیں جن کا تم نے ذکر کیا۔ کوئی قبیلہ تمہارے فضل کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور ایک آدمی بھی تمہارے فخر و
شرف کا جواب نہیں دے سکتا۔ یقیناً ہم لوگوں کو رغبت ہوئی کہ تمہارے خاندان اور تمہارے شرف
سے ہم لوگوں کا پیوند ہو۔ اب اے معاشر قریش تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا
نکاح چار سو دینار پر محمد بن عبد اللہ سے پڑھ دیا۔ اس نکاح کے بعد جناب ابو طالب کی حالت لکھی
ہے کہ وفرح ابو طالب فرحا شدیدا وقال الحمد للہ الذی اذهب عنا الکرب ودفع عنا
الهموم۔ جناب ابو طالب خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کہتے تھے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے
(محمد کے متعلق) ہمارے کل کرب اندوہ کو موقوف اور سب ہموم وغموم کو دفع کر دیا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۹۹)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب

حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے جو اہم حالات تھے اوپر لکھے گئے۔ ضرورت ہے کہ اس جگہ ان
حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کر دی جائے۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے
"ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب
کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے تو مذہب سے ہماری مراد ہے دین فطرت جس کا بعد کو دین اسلام
نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔ پھر دین فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ
جو خدا سے شروع ہو کر قوانین امن وعافیۃ پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو صرف قوانین دعافیۃ
پر بولا جاتا ہے۔ پہلی قسم دین کامل ہے اور اوس کے مقابلہ میں دوسری قسم دین ناقص ... پیغمبر
صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کا دین فطرت پیغمبر صاحب ہی
کے جد اعلیٰ ابراہیمؑ نے ایجاد کیا اور ایجاد نہیں بھی کیا تو شد ومد کے ساتھ اس کو رواج دیا کہ
ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہے ... یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے
یہاں سے لیکر آئے تھے اور دین کے پیچھے تلے خیالات خود اون کے دل سے پیدا ہوتے تھے مگر

خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیمؑ کے بدتوں بعد دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دارد۔ فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبدالمطلب اور ابوطالب میں از سر نو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دو بزرگوں کے خیالات کا پڑتا۔ پیغمبر صاحب پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبدالمطلب نے پرورش کیا۔ اُن کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابوطالب نے۔ اور عبدالمطلب اور ابوطالب کے حالات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ اون کا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے" (امہات الامہ ص۱۶)

اور علماء اہلسنت کے ایک جلیل القدر بزرگ علامہ سیوطی نے نو کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد ذکور و اناث سب کے سب با ایمان اور دین حنیف (دین ابراہیمی) پر تھے۔ یہ کل کتابیں ریاست حیدر آباد دکن کی طرف سے شائع کردی گئی ہیں۔ ان سب میں اونھوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد کبھی مشرک نہیں تھے۔ کبھی کفر نہیں اختیار کیا۔ بلکہ برابر دین ابراہیمؑ کے پیرو رہے۔ مثلاً لکھتے ہیں:- ان آباء النبیؐ لم یکن فیھم مشرک حضرت کے آباء و اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا (مسالک الحنفاء ص۱۹) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباء و اجداد کرام حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہ تک سب کے سب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے اور علماء متاخرین نے اسکی دلیلوں کو تحریر کیا ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرتؐ کے کل آباء و اجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ (کافروں کے صلب اور رحم) میں رکھے اور آخرت میں اُن کے کافر آباء و اجداد پر عذاب کر کے حضرت رسولخدا صلعم کو رسوا کرے (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص۲۵۲) اور علاّمہ

فخرالدین رازی نے اپنی کتاب اسرار التنزیل میں لکھا ہے:۔ ان آباء الانبیاء ما کانوا کفاراً
انبیاء کے آباء و اجداد کافر نہیں تھے ۔ ویدل اا التقلبین لآیۃ دالۃ علی ان جمیع آباء محمدؐ
کانوا مسلمین ۔ اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ کے کل آباء و اجداد مسلمان
تھے۔ ومما یدل علی ان آباء محمدؐ ما کانو مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل
من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات۔ اس امر کی دلیل کہ حضرت رسولخداؐ صلعم
کے آباء و اجداد مشرک نہیں تھے حضرت رسولخدا صلعم کی یہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا ہے
کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کے صلبوں سے پاکیزہ ہی بیویوں کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا۔
(مسالک الحنفار ص۱۸) اور مذہب شیعہ کے بڑے عالم بلکہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے
کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے والد ۔ والدہ ۔ بلکہ کل اجداد
و جدات تک صحیح مذہب پر تھے ۔ اور آپ کا نور مبارک نہ کسی مشرک مرد کے صلب میں داخل ہوا نہ
کسی مشرک عورت کے رحم میں ۔ بلکہ متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے
باپ دادا سب کے سب انبیاء ۔ اوصیاء اور دین خدا کے حامل تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے فرزند
جو آنحضرت صلعم کے اجداد کرام تھے حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء اور خلائق کے مرجع تھے۔
اور ملت ابراہیمی ان کے درمیان باقی تھی اور حضرت موسٰےؑ و عیسٰےؑ کی شریعت کی وجہ سے
ملت ابراہیمی منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ حضرات اوس کے محافظ تھے اور ایک دوسرے کو
اس کی حفاظت کی وصیت کرتے آتے تھے ۔ اور بسند معتبر حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے
آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم نہ میرے والد نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے جد عبدالمطلب نے
نہ اُن کے پدر بزرگوار ہاشم نے ۔ نہ ان کے والد عبدمناف نے بلکہ یہ کل حضرات خانہ کعبہ کی
طرف نماز پڑھتے اور دین حضرت ابراہیمؑ پر قائم تھے" (حیوۃ القلوب جلد ۲ باب فصل ۳)
بلکہ جناب فاطمہ بنت اسد (والدہ حضرت امیرالمومنینؑ) کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان
کی عورتیں بھی کافر یا مشرک نہیں بلکہ دین ابراہیمی پر تھیں ۔ چنانچہ جب جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت
قریب پہونچا اور جناب فاطمہ کو وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور
کہا پروردگارا ! میں تجھ پر اور جو پیغمبر تیرے پاس سے آئے ہیں اور جو کتابیں تیرے
ہاں سے نازل ہوئی ہیں ان سب پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیمؑ کے کلام کی تصدیق

کرتی ہوں پس جس بزرگ نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے میں تجھ کو اوسی کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور جو مولود میرے بطن میں ہے میں اس کے حق کا بھی واسطہ دیتی ہوں کہ تو وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے (مناقب ابن شہر آشوب صـ۱۳۳)

اسی خاندان بنی ہاشم کے ایک بڑے رکن جناب ابو طالب بھی تھے۔ آپ بھی حضرت رسولخدا صلعم کی بعثت تک دین ابراہیمی ہی پر تھے اور جب آنحضرت صلعم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اوس وقت آپ بھی دین ابراہیمی سے دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابو طالب زندہ تھے اور گو اونھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا سلہ مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے اُن کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔ الٰہی صدقہ اپنے پیغمبر کا ابو طالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب۔ ہر چند ابو طالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلۂ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے۔ اور ان کی حمایۃ کے ہوتے ہوئے پیغمبر صاحب کو کسی کی حمایۃ کی ضرورت نہ تھی مگر خرابی یہ آکر پڑی تھی کہ اپنے ہی خاندان میں پھوٹ تھی۔ ایک چچا ابو طالب تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود۔ اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے نام سے چڑتا تھا اور پیغمبر صاحب کو دیکھکر اوسکی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا۔ پس

سلہ بظاہر اسلام کس طرح قبول کرتے؟ جس طرح حضرت شروع سے دین ابراہیمی پر اور کفر و شرک سے بالکل علحدہ تھے بالکل اسی طرح حضرت رسولخدا صلعم کے نبی مبعوث ہونے پر دین اسلام کے پیرو ہو گئے۔ اور دین ابراہیمی و دین اسلام تو درحقیقت دو چیز تھے ہی نہیں۔ وہی اسلام تھا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیم نے کی اور اسی اسلام کی گویا تجدید کے لئے حضرت رسولخدا صلعم تشریف لائے۔ پس اب جناب ابو طالب کیا نیا کام کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے بظاہر اسلام قبول کیا مگر بظاہر بھی آپ نے وہ سب کیا جو بڑے بڑے بظاہر اسلام قبول کرنے والوں سے نہیں ہو سکا اپنی جان سپر کر کے آنحضرت کو بچاتے رہنا اپنی اولاد کو قربان کر کے آپکو محفوظ رکھنا۔ اور تمام قریش سے حضرت کی حمایۃ میں جنگ مول لینا کیا ایسے شخص سے ہو سکتا تھا جو مسلمان نہیں تھا ۱۲

ابوطالب کی حمایت پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں" (امہات الامہ ص۹۷)
اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ
ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ تم نے
جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق
اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے
کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کیونکہ اخیر
راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا
پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق کے سلسلہ
روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک
راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔
ابوطالب نے آنحضرتؐ کے لئے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے؟ وہ اپنے
جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپکی
خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا
کیا یہ محبت ۔ یہ جوش ۔ یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ ابوطالب آنحضرتؐ سے ۳۵ برس
عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہؐ کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرتؐ
انکی عیادت کے لئے گئے تو انھوں نے کہا بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے
دعا نہیں مانگتا کہ مجھکو اچھا کردے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے۔ آنحضرتؐ سے کہا خدا تیرا
کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے" (سیرۃ النبیؐ
جلد ۱ ص۱۵۱ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ ص۱۱۲) جناب ابوطالب کا اسلام اس قدر زبردست
ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری ایسے محدث تک نے آپکا ذکر اپنی کتاب الاصابہ میں
کیا جو صحابہ کے حال میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہے کہ صحابی وہی ہے جو حالت اسلام میں حضرت
رسولخدا صلعم سے ملا ہو۔ اور جو کفر میں مرا اس کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ
بھی حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور برابر حضرتؐ سے ملتے رہے مگر ان کا ذکر علامہ
مذکور نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ اسی وجہ سے تو کہ وہ دونوں کافر تھے۔ جب وہ مسلمان ہی نہیں ہوئے

توصحابہ نہیں قرار پائے اور جب یہ صفت ان میں نہیں آئی توصحابہ کے حالات میں جو کتاب لکھی گئی اس میں
اون کا حال کس اصول سے لکھتے۔ لیکن جناب ابوطالب کا حال تفصیل سے لکھا اور کامل پانچ
بڑے صفحوں میں درج کیا ہے۔ جو اسکی واضح دلیل ہے کہ علامہ مذکور نے آپ کو صحابی رسول سمجھا
اور مسلمان تسلیم کیا۔ علامہ مذکور ہی لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا مبعوث برسالت ہوئے
تو جناب ابوطالب آپکی حمایۃ پر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے دشمنوں کو آپ سے دفع کرنے لگے۔
اور آپکی مدح میں کثرت سے قصیدے لکھے۔ انھیں قصائد میں وہ بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ؞ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

اور حضرت رسولخدا ایسے نورانی ہیں کہ ان کے چہرے کا واسطہ دیکر خدا سے طلب باران کیا جاتا ہے
وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوؤں کے بچانے والے ہیں۔ آپکے ایک اور قصیدہ میں یہ شعر ہے

وشق لہ من اسمہ لیجلہ ؞ فذوالعرش محمود وھذا محمد

خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کی جلالت قدر کے لئے اپنے نام سے ایکنام مشتق کرکے رکھا اس
طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسولخدا احمدؐ ہیں۔
ابن عیینہ کہتے تھے کہ اس سے بہتر شعر میں نے کبھی نہیں سُنا۔ جناب ابوطالب کہا کرتے
تھے ماکذب ابن اخی قط۔ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولا (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) مذکورہ بالا عبارت
کا ہر جملہ پکار کر کہتا ہے کہ حضرت ابوطالب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر اور اسلام پناہ تھے
(۱) مرتے وقت کلمہ شہادتین جاری کرنا جو اس اصول پر نہیں تھا کہ آخر میں اسلام قبول کر لیا بلکہ
ویسا ہی تھا جیسا ہر مومن کا شعار ہے کہ انتقال کے وقت کلمہ شہادتین پڑھتا ہوا دنیا سے جاتا
ہے اور جناب عباس کا جو اس وقت تک کافر مانے گئے کہنا کہ ابوطالب ہی کلمہ اسلام کہہ رہے
ہیں جس کی خواہش رسولؐ کرتے تھے زبردست شہادت ہے بلکہ اس سے قوی تر شہادت کیا ہو سکتی
ہے (۲) رسولخداؐ سے کہنا کہ میری صحت کے لئے خدا سے دعا کرو۔ اگر آپ خدا کو ایک اور حضرت
رسولخداؐ کو پیغمبر برحق نہیں جانتے تھے تو آپ سے یہ فرمائش کیوں کی۔ کیا کافر نے بھی کبھی حضرت
سے ایسی مذہبی درخواست کی تھی؟ (۳) جب آپ کو صحت ہو گئی تو آنحضرتؐ سے یہ کہنا کہ خدا تیرا
کہنا مانتا ہے ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے۔ جب ابوطالب کو یقین ہوا کہ خدا حضرتؐ کی بات مانتا
ہے تو پھر آپ کافر کیسے رہ سکتے تھے۔ اگر جناب ابوطالب جانتے کہ حضرت پیغمبر نہیں ہیں تو ضرور یہ بھی

یقین رکھتے کہ خدا ان کا کہنا نہیں مانتا ہے کیونکہ ہر شخص اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو شخص جھوٹا مدعی نبوت ہوگا خدا مذہبی باتوں میں اوس کا کہنا کبھی نہیں مانے گا (۴) یہ کہنا کہ خدا نے اپنے نام سے لفظ محمد کو مشتق کرکے حضرتؐ کا یہ نام اس غرض سے رکھا کہ (خدا کی طرح) حضرت کی جلالت وعظمت بھی اچھی طرح واضح ہوجائے واضح کرتا ہے کہ جناب ابوطالب کو قطعاً حضرت کا نبی بلکہ سید الانبیاء ہونا معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسی وجہ سے خدا نے آپ کا یہ نام رکھا تاکہ کلمہ اسلام میں اللہ کے ساتھ آپ کا نام بھی رہے اور جو جلالت خدا کو حاصل ہے وہ آپ کو بھی ملے (۵) آپ کا یہ کہنا بھی کہ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہ بولا آپ کے ایمان کی حتمی دلیل ہے۔ جب حضرت ابوطالب کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو اون کو یہ بھی یقین ہوا کہ آپ اپنے دعوے رسالت میں سچے ہیں۔ اور جب حضرتؐ کو سچا نبی تسلیم کرلیا تو پھر اسلام نہ لانے کا معنے کیا ہوگا۔ اسلام کی تعریف تو یہی ہے کہ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا صلعم کو سچا نبی مانے۔
مختصر یہ کہ حضرت ابوطالبؑ کا ایمان ویسا ہی یقینی تھا جیسا حضرت رسولخدا صلعم کا پیغمبر ہونا اور جس طرح حضرت رسولخدا صلعم کے دشمنوں نے حضرتؐ کی نبوت ہی سے انکار کردیا اسی طرح حضرت ابوطالب کے دشمن بھی حضرت کے اسلام ہی سے انکار کرتے ہیں۔ غرض دونوں جماعتیں حق کی منکر ہیں۔ علامہ ابن حجر ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ جناب ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی شان میں یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎ ودعوتنی وعلمت انک صادق ؛ ولقد صدقت فکنت قبل امینا۔ ولقد علمت بان دین محمد ؛ من خیر ادیان البریۃ دینا۔ اے محمدؐ تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً صادق ہو۔ اور (اس دعوے پیغمبری میں بھی) تم سچے ہو اس لئے کہ تم پہلے سے امین ہو۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بہتر اور افضل ہے (اصابہ جلد ۷ صـ۱۱۳ و تاریخ خمیس جلد ا صـ۲۴۲ وغیرہ)
علامہ سید احمد بن سید زینی دحلان نے جو اجلہ علماء اہلسنت سے ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب یہ کتاب مصر میں بڑی تقطیع کے ۴۲ صفحہ پر چھپ گئی ہے۔ اس میں جناب ابوطالب کا یہ شعر بھی ہے ؎
الم تعلموا انا وجدنا محمدا ؛ رسولا کموسی خط فی اول الکتب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا جیسے نبی حضرت موسیٰ تھے اور ان کی نبوت کی پیشینگوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں (اسنی المطالب ص۵)

حضرت ابو طالب کے ایمان پر آپ کا وہ قصیدہ لامیہ بھی زبردست دلیل ہے جس کو آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی حقیت و حمایت میں کہا ہے اور جو بکثرت کتب حدیث و سیرۃ و تاریخ میں منقول ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس قصیدہ میں اسّی سے زیادہ شعر ہیں۔ اور علامہ ابن ہشام کی سیرۃ الرسول میں اس کے ۹۴ شعر منقول ہیں (ملاحظہ ہو مطبوعہ مصر جلد ا ص۱۴۷) اس قصیدہ کے چند شعر یہ ہیں ؎

حلیما رشید احازما غیر طائش ::: یوالی الہ الخلق لیس بماحل

وایدہ رب العباد بنصرہ ::: واظہر دینا حقہ غیر باطل

الم یعلموا ان ابنا لا مکذب ::: لدینا ولا یعبأ بقول الاباطل

محمد (مصطفےٰؐ) بردبار سمجھدار۔ ہوشیار۔ تجربہ کار ہیں۔ ہلکی عقل کے نہیں ہیں۔ وہ خدائے جہاں کو دوست رکھتے ہیں اور بات بنانے والے نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے اپنی مدد سے انکی تائید کی ہے اور انھوں نے اس دین حق کو جو باطل نہیں ہے اچھی طرح ظاہر و واضح کر دیا ہے۔ کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ہمارے فرزند کا کوئی کلام جھوٹ نہیں نکلا اور نہ وہ باطل اقوال کی طرف توجہ کرتا ہے (سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ا ص۱۴۷ وغیرہ)

دنیا کا یہ دستور بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باپ جس امر کو پسند کرتا ہے اسکی تاکید اپنی اولاد پر کرتا ہے اور جس امر کو برا سمجھتا ہے اس سے اپنے لڑکوں کو منع کرتا ہے۔ اب آؤ دیکھیں حضرت ابوطالب نے اپنی اولاد کو مذہب کے متعلق کیا تعلیم دی۔ اگر ان سے فرمایا ہو کہ تم لوگ کافر رہو۔ بت پرستی کرو۔ دین اسلام کو قبول نہ کرو۔ محمد مصطفےٰ کی پیروی نہ کرو تو ماننا پڑے گا کہ آپ بھی معاذ اللہ غیر مسلم تھے اور دین اسلام سے اسی طرح علحدہ رہے جس طرح دوسرے کفار مکہ تھے۔ لیکن اگر واقعات اس کے خلاف ہوں اور اگر آپ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تاکید کی ہو تو کون صاحبِ عقل کہے گا کہ خود تو آپ نے اسلام قبول نہیں کیا مگر اپنے فرزندوں پر اسکے لئے زور دیا۔ اس سے فیصلہ بآسانی ہو جائیگا۔ تاریخ و حدیث و رجال کے اوراق سے پوچھو تو وہ تم کو بتائیں گے کہ (قال ابوطالب لعلی ما ھذا الدین الذی انت علیہ قال یاابت

آمنت باللہ و رسولہ و صلیت معہ فقال اما انہ لا یدعونا الا الی الخیر فالزمہ
جناب ابوطالب نے حضرت علیؑ سے (بطور امتحان) پوچھا کہ بتاؤ یہ کون دین ہے جس پر تم ہو؟ فرمایا اے اباجان میں بھی خدا اور اوس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں تو آپ نے کہا ہاں محمدؐ ہم لوگوں کو خیر (بہتر مذہب ہی کی طرف بلاتے ہیں تم اس (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رہو (تاریخ کامل جلد ۲ صا۲۱)
ان ابا طالب قال لجعفر لما اسلم صل جناح ابن عمک فصلے جعفر مع النبیؐ
ابوطالب نے اپنے تیسرے فرزند جعفر سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد کہا اب اپنے چچازاد بھائی (رسولؐ) کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا کرو۔ تو وہ حضرتؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے (اصابہ جلد ۷ ص۱۱۳)۔ باوجود اس قدر دلائل کے پھر کیوں آپ کے ایمان سے لوگ انکار کرتے ہیں؟ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے والد ماجد تھے پس جب حضرت علیؑ ہی افترا و بہتان سے نہیں بچے تو آپ کے والد کیونکر بچتے۔ اور ایک ہلکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نماز پڑھتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو بلا لیتے تھے کہ آپ کے ساتھ نماز جماعۃ پڑھیں مگر حضرت ابوطالب کو نہیں بلاتے تھے کیونکہ آپ کو ادب منع کرتا تھا کہ چچا کے آگے کھڑے ہوں اور وہ حضرتؐ کے پیچھے رہیں۔ اس سبب سے جناب ابوطالب اپنے گھر نماز پڑھتے ہوں گے جس کو سب لوگ اس طرح نہیں دیکھتے تھے۔ اس سبب سے سمجھ کر اگر ابوطالب بھی مسلمان ہوتے تو آنحضرت ان کو بھی نماز جماعۃ میں بلا لیا کرتے۔ آخر میں ایمان حضرت ابوطالب کی ایک اور زبردست دلیل ذکر کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔
حضرت ابوطالب کی شادی جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوئی تھی۔ یہ فاطمہ بھی حضرت ابوطالب کے ایمان کی زبردست حجت اور لاجواب دلیل ہیں کیونکہ موصوفہ کو تمام مورخین و محدثین حضرت ابوطالب کی زوجہ تسلیم کرتے اور اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ممدوحہ سب سے پہلی اسلام قبول کرنے والی بیویوں میں تھیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ممدوحہ نے ۴ھ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا۔ اور حضرت ابوطالب ان سے چھ سات برس پہلے مکہ معظمہ میں انتقال کر چکے تھے اور کل تاریخیں اسکی گواہی بھی دیتی ہیں کہ وفات ابوطالب تک جناب فاطمہ بنت اسد انکی زوجیت میں رہیں (یعنی آنحضرت صلعم نے ان کو اون سے جدا نہیں کیا) اور چونکہ

عورتوں میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر سب کا اتفاق ہے اس سبب سے جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کی تاریخ بھی سلسلہ بعثت ہی ہے۔ اس طرح فاطمہ بنت اسد ایمان لانے کے بعد دس سال تک حضرت ابوطالب کی زوجیت میں باقی رہیں کہ نہ فاطمہ بنت اسد نے ان کو چھوڑا نہ جناب ابوطالب نے جناب فاطمہ بنت اسد کو جدا کیا۔ نہ رسولخدا صلعم نے یہ حکم دیا کہ چونکہ فاطمہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورت غیر مسلم شخص کی بیوی نہیں رہ سکتی لہذا ان کو ان سے الگ کر دو۔ عقل صاف طور پر کہتی ہے کہ اگر جناب ابوطالب بھی جناب فاطمہ بنت اسد کی طرح مسلمان نہیں ہوتے تو وہ ضرور اپنی بیوی کو اس سے روکتے۔ یا بیوی ہی ان کو اسلام پر آمادہ کرتیں اور بغیر ان کے مسلمان ہوئے ان کے ساتھ نہ رہتیں۔ یا حضرت رسولخدا صلعم نے دونوں میں تفریق کرادی ہوتی کیونکہ اسلام کا حکم مشہور ہے کہ مسلمان عورت کافر مرد کی بیوی نہ رہے پس اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو فاطمہ بنت اسد انکی زوجیت میں کیونکر رہ سکتیں۔ اسلام نے تو ان لوگوں میں علحدگی کرادی تھی جو معرفت مذہب کے بالکل ہی ادنے مرتبہ تک پہونچے تھے۔ چنانچہ مشہور ترین کتب تاریخ وسیر سیرۃ ابن ہشام میں جو تمام معتبر کتب تاریخ مثل طبری۔ کامل۔ ابن خلدون وغیرہ کی ماخذ ہے۔ ذیل کا واقعہ موجود ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ طفیل ابو عمرو الادس بیان کرتا تھا کہ جب میں اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے وطن واپس آیا تو میری زوجہ میرے پاس آئی مگر میں نے اوس سے کہا علحدہ رہ۔ اب میں نہ تیرا شوہر رہا نہ تو میری زوجہ رہی۔ اوس نے گھبرا کر پوچھا کیوں؟ میں نے کہا اسلام نے تجھ کو مجھ سے علحدہ کر دیا میں مسلمان ہوگیا۔ اوس نے کہا جو تمہارا مذہب وہی میرا بھی۔ میں نے کہا اچھا تو تم ذی الشرے میں جا کر غسل کر آ جب وہ نہا کر آئی تو میں نے اوسکو بھی اسلام سکھایا اور وہ بھی مسلمان ہو گئی (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد ابن القیم مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۲۰۵) پس جب معمولی عورت و مرد تک اسلام و کفر کے سبب سے علحدہ کر دیئے جاتے تو عقل سلیم کب قبول کر سکتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابوطالب کی زوجیت سے علحدہ نہ کراتے۔ اب بغیر اس کے چارہ نہیں کہ جناب ابوطالب کے ایمان کا بھی ویسا ہی یقین کیا جائے جیسا اونکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کا علم ہے۔ ورنہ خود رسولخدا کی ذات پر اعتراضات کی بوچھار ہوتی رہیگی۔

اگرچہ عام علماء اس دلیل کو بیان نہیں کرتے مگر حضرات ائمہ طاہرین نے جو علوم نبوت کے اصلی وارث تھے ایمان ابوطالب کے بارے میں اس دلیل کو بھی فرمایا ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے ایمان ابوطالب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ سوال عجیب و غریب ہے! خدا نے تو اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ کسی مسلمان عورت کو اس کے کافر شوہر کی زوجیت میں نہ رہنے دیں بلکہ دونوں کو الگ کر دیں۔ پھر اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو آنحضرت صلعم اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت اسد کو جو سابقات الاسلام سے تھیں جناب ابوطالب کی زوجیت سے کیوں علیحدہ نہیں کرا دیتے؟" (بحار الانوار جلد ۶ صـ ۳۲ حالات جناب فاطمہ بنت اسد) اس سے زیادہ جناب ابوطالب کے ایمان کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ مخالفین تو اسلام تک سے انکار کرتے ہیں جو اُن کا علاج ہے وہی ان کا بھی۔

غرض جب حضرت ابوطالب اسلام قبول کر چکے تھے تو بانیٔ اسلام حضرت رسول خداؐ کی حمایت و اعانت کو بھی آپ اپنا فرض سمجھتے۔۔ چنانچہ آپ نے سمجھا اور اسے بہترین طور پر انجام دیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں رؤسائے قریش شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا کہ "جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں"۔ رسول اللہؐ کی ظاہری پشت و پناہ جو تھے ابوطالب تھے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔ آپ کی پُر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا رسول اللہؐ سے

کہا جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۱۸۲ و سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۸)
اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ جب قریش اس دفعہ بھی ابوطالب کے جواب سے مایوس
ہوئے تو ایک جوان عمارہ بن الولید کو لے کر پھر ان کے ہاں گئے اور کہا اے ابوطالب دیکھو یہ عمارہ
بن الولید قریش کا وہ جوان ہے جو شاعری میں ان سب سے بڑھا ہوا اور حسن و جمال میں سب سے
بہتر ہے۔ تم اس کو لے کر اپنا بیٹا بنا لو کہ یہ بڑا عقلمند بھی ہے اور تمہاری مدد بھی کرے گا اور
اپنے بھتیجے کو ہمیں حوالہ کر دو کیونکہ وہ ہم لوگوں کو احمق کہتے۔ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے دین
کی مخالفت کرتے اور تمہاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ انھیں قتل
کر کے قصہ ہی ختم کر دیں۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمہارا ایک شخص مارا جائیگا۔ اس کے
عوض ہم اپنا ایک شخص تم کو دیئے دیتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ جناب ابوطالب کا چہرہ بگڑ گیا اور کہا
خدا کی قسم تم لوگوں نے بد ترین معاملہ پیش کیا ہے۔ کیا خوب تم اپنا فرزند تو مجھے اس لئے دیتے
ہو کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں۔ پہناؤں اور ہر طرح پالوں۔ اور مجھ سے میرا فرزند اس غرض سے
طلب کرتے ہو کہ تم اسکو قتل کر دو۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۳)
غرض آنحضرت صلعم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ
نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے... مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے" قریش
دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے.. مسلمانوں کی تعداد میں
اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے
تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم
سے نہ قرابت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا نہ ان سے ملیگا۔ نہ ان کے پاس
کھانے پینے کا سامان جانے دیگا۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور
بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔
ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں (جو پہاڑ کا ایک درہ تھا
جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزین ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں
بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے
کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔ یہ

تسنیم مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کے لئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۱ر

فرار اڈیٹر ۱ر

فتح الرحمان ۱ر اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا محمد فتح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا قیمت ۱ہ

فتح مبین ۱ر اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کے مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہو جانے کا دلچسپ تذکرہ ہے قیمت ۱ہ

فتح القدیر ۱ر اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جا کر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے قیمت ۳ر

قول کریم ۱ر ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے۔ جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہ ہو سکا قیمت عہ

معراج شہادۃ ۱ر شہادۃ حضرت امام حسینؑ کے متعلق خانبہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا و مصنف کتاب "نور ایمان" کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے قیمت ۲ر

آل و اصحاب ۱ر اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا۔ ان لوگوں نے امانت رسولؐ سے کس درجہ بے رخی کی۔ واقعہ کربلا کے وقت کتنے صحابہ موجود تھے مگر انھوں نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا فرقہ اہل قرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے۔ قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اس کے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کر کے ثابت کر دیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل قرآن کو بھی مان لینا پڑا۔ قیمت ۱ہ

اسلامی خدا ۱ر توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل و رجامعیت سے ثابت کر کے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۸ر

زنانی مجالس خدا کے فضل سے گھر گھر ہونے لگیں مگر افسوس حدیث کی ایسی کوئی کتاب

نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہو اور جسمیں عقائد مذہبی فضائل اور مذہبی معلومات کے ساتھ ساتھ سچے حالات مصائب اور صحیح روایتوں کا عام فہم مطلب بیان کیا گیا ہو۔ انھیں ضرورتوں کو پوری کرنے کے لئے جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم نے مجالس خاتون لکھی جسکی پہلی جلد میں ۳۰ مجلسیں محرم میں پڑھنے کی درج کی ہیں اور آخر میں دردناک نوحے بھی ایسے درج کر دیئے ہیں کہ مجلس میں بیبیاں سنکر تڑپ جاتی ہیں اور نہایت زور سے گریہ و بکا ہوتا ہے۔ قیمت فی جلد عہ تیسری جلد میں اور ربیع الاول سے ۳۰ ذی الحجہ تک جس قدر خوشی کی تاریخیں ہیں اونکے لئے محفل کے مضامین اور جس قدر غم کی تاریخیں ہیں اونکے لئے مجلس کے مضامین نہایت مفید درج کردیئے ہیں۔ خوشی کی محفلوں کے لئے بہت عمدہ قصیدے اور غم کی مجلسوں کے لئے دردناک نوحے بھی نہایت موثر جمع کئے ہیں قیمت عہر جلد منگا لیجئے ورنہ افسوس کیجئے گا۔ آپکی لڑکیوں اور بہنوں کے لئے بہترین تحفہ اور بے مثل مذہبی زیور ہے۔



مشعل ہدایت

جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر کھجوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسولؐ اور اونکے آل و اصحاب کے لئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ہے اور اصحاب کس مرتبہ پر فائز ہیں اور ان تمام حقائق کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت مجسٹریٹ آپ نے سنی شیعہ کے اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے حجم ۱۲۱ صفحہ قیمت صرف عہر

ہاضوم

نفخ۔ قراقر پیچش۔ اسہال اور بدہضمی وغیرہ میں مفید ہے۔ قبض کا دافع ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے۔ درد شکم اور درد حوالی گردہ کو زائل کرتا ہے۔ ورم جگر اور ورم طحال کا محلل ہے اور غذا کو صحیح طور سے ہضم کرکے خون صالح بننے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ بعد غذا جس وقت ضرورت ہو ایک ماشہ تازہ پانی یا قبض کی حالت میں نیم گرم پانی سے کھانا چاہئے قیمت فی شیشی ۱ر علاوہ محصولڈاک ملنے کا پتہ:۔ حکیم سید محمد نفیس صاحب۔ اڈا التجاخانہ حسنہ پور۔ ضلع سارن

تنقید بخاری

حضرت حجۃ الاسلام فخر الحکما اعلی اللہ مقامہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب ہے جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور جس کا جواب لکھنے کے لئے اہلحدیث کا فرقہ نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کرسکی۔ اسکی پہلی دوسری جلد مدت دراز سے نہیں ملتی ہم دوبارہ چھپوانا چاہتے ہیں۔ درخواستیں جلد اس پتہ پر آئیں۔

سید موسیٰ کاظم صاحب کھجوا (صوبہ بہار)

(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھپواکر شایع کیا)